بیلٹ سے ذرا بھی مختلف نہیں تھی لیکن بناوٹ کے اعتبار سے بیش قیمت نظر آرہی تھی۔ میں نے اسے دوبارہ اسی ڈبے میں رکھ دیا جس میں بیلٹ کا ریموٹ اور ریسیور رکھا ہوا تھا۔

"اس بیلٹ کو تیز گرمی سے ذرا دور ہی رکھنا ورنہ یہ ریموٹ کے بغیر بھی چل پڑے گی" ڈک نے واپس جانے سے پہلے میری معلومات میں اضافہ کیا "یہاں سے میں سیدھا گارہام جارہا ہوں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تمہیں اپریٹس پر اپنی رپورٹ دوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کی بھیجی ہوئی وہ بیلٹ ویرا اور مائیک کے لیے بھی دلچسپی کا سبب بن گئی تھی۔ ان دونوں کو اس میں الجھا چھوڑ کر میں دوبارہ اپنے کمرے میں جا پہنچا۔

"تم ٹھیک ایک بجے پین اسٹیشن پہنچ جاؤ" فون پر بدری ناتھ کو وقت دیتے ہوئے میں نے یہ گنجائش رکھی تھی کہ ڈک کو اس کے ہوٹل کے قرب وجوار میں اپنے قدم جمانے کے لیے وقت مل سکے۔

"پین اسٹیشن؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی "کیا ہماری یہ ملاقات تمہارے گھر یا کسی اور بہتر مقام پر نہیں ہو سکتی؟"

میرا ماتھا ٹھنکا "وہاں آنے میں تم کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو؟"

"میرے لیے کہیں بھی پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ایسے معروف اور مصروف مقامات اس وقت بھی میرے آدمیوں کی نگرانی میں ہیں۔ وہ سب مجھے جانتے ہیں مگر میں ان سب کو نہیں پہچانتا۔ کسی نے ہم دونوں کو ملتے دیکھ لیا تو بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔ دو اور دو چار کی طرح وہ بعد میں یہ سمجھ لے گا کہ گیپ کے کاغذوں کی نقل میں نے تم سے حاصل کی تھی۔"

اس نے ایک سنگین خطرے کی نشان دہی کی تھی۔ میں نے سوچنے کے لیے وقت لیتے ہوئے کہا "پھر تم ہی کوئی مناسب مقام تجویز کرو۔ میں تمہیں پرائے گھر میں بلانے سے قاصر ہوں۔"

"پورٹ اتھارٹی ٹرمینل کے پاس والے پرانے ٹھکانے کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اب تک وہ بستر چھوڑ چکا ہوگا۔ اس کے بھنگڑ خانے میں ہم اطمینان سے کچھ دیر بیٹھ سکتے ہیں۔"

"میں تمہارے بتائے ہوئے خطرے کی سنگینی سے پوری طرح متفق ہوں۔ اس ملاقات کا کوئی گواہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں انسانیوں کے درمیان ہی ملنا چاہیے۔ شیام ناتھ کا ہوٹل اس کام کے لیے مناسب نہیں ہے۔"

"میں نے تمہیں اپنے تحفظ سے آگاہ کر دیا ہے۔ اب تم ہی کوئی مقام تجویز کرو۔" وہ بولا۔

میں مشکل میں پڑ گیا۔ اس کے اعتراض کی معقولیت سے متفق ہونے کے باوجود میں آنکھیں بند کر کے اس پر اعتماد نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف میں خود نیویارک سے بہت زیادہ واقف نہیں تھا۔ اگر مجھے اس شہر کے کسی بڑے اسپتال کا نام اور محل وقوع معلوم ہوتا تو اس کی پارکنگ لاٹ [illegible] وقت نہیں لیا تھا لیکن وہ ثابت ہو سکتی تھی۔ چند ثانیوں کے تذبذب کے بعد میں نے تھیٹر ڈسٹرکٹ کے ایک میکڈانلڈز ریستوران کا نام لیا اور وہ وہاں ملاقات پر آمادہ ہو گیا۔

تھیٹر ڈسٹرکٹ نیویارک میں رات کی رونقوں کا علاقہ تھا۔ وہاں زندگی اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی جوبن پر آتی تھی ورنہ دن میں وہاں زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں ہوتی تھی۔ ہر جگہ معمول کی کاروباری سرگرمیوں میں مصروف لوگوں میں ملے جلے تھوڑے بہت سیاح نظر آتے تھے جبکہ سورج ڈھلتے ہی وہاں کے راستوں پر کھوے سے کھوا چھلنے لگتا تھا۔

بدری ناتھ سے وقت طے کر لینے کے بعد مجھے بے چینی سے ڈک کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ اس طے شدہ ملاقات کے ہونے یا نہ ہونے کا تمام تر دارومدار اسی کی رپورٹوں پر تھا۔

بارہ بج کر دس منٹ پر بے جان ٹرانسمیٹر بیدار ہو گیا۔ ڈک عرف چارلی کو معلوم تھا کہ میں اس کے پیغام کا منتظر رہوں گا۔ اس نے مجھ سے رابطے کی تصدیق چاہے بغیر ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔ اس نے گارہام ہوٹل کی خاصی ڈراؤنی منظر کشی کی تھی جس کی وجہ سے مجھے مجوزہ ملاقات اسی لمحے کھٹائی میں پڑتی نظر آنے لگی۔

گورہام ہوٹل پر تخت پسرا تھا۔ عملی طور پر وہ ایک عام سے ہوٹل کے بجائے کسی اہم دفتری عمارت میں تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ ہوٹل میں مشتبہ قسم کے سادہ پوش افراد کی سرگرم آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ایسی حالت میں وہ ہوٹل میں داخل ہونے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ بدری ناتھ ہوٹل ہی میں تھا یا وہاں سے نکل گیا تھا۔

"ابھی وہ اندر ہی ہے۔ میری اس سے بات ہو چکی ہے۔ اسے ایک بجے تھیٹر ڈسٹرکٹ کے میکڈانلڈز میں مجھ سے ملنا ہے۔ وہ گندمی رنگت کا ایک صحت مند ایشیائی ہے۔ تنگ پیشانی اور سفاک نگاہیں اس کی واضح پہچان ہیں۔ اسے دیکھتے ہی میرے یہ الفاظ تمہیں اچانک یاد آجائیں گے..... اوور....." میں نے اس کی پوری کتھا سن لینے کے بعد حوصلہ دلانے کی کوشش کی۔

"اِدھر اُدھر ہلنے کے بجائے میں اپنی ساری توجہ ہوٹل کی پارکنگ سے نکلنے والے راستے پر مرکوز کر رہا ہوں۔ وہ اہم آدمی ہے تو گاڑی ہی میں ہوٹل سے نکلے گا..... اوور اینڈ آل۔"

"اسے لمبا سفر درپیش ہے۔ وہ گاڑی ہی میں ہوگا' اوور اینڈ آل۔"

ہم مین ہٹن کے مرکزی علاقے سے کافی دور تھے مجھے بدری سے تنہائی میں ملنا تھا جب کہ ویرا اور مائیک کو گاڑی میں رکنا تھا۔ اپنی ان ضروریات کے تحت ہمارا بدری ناتھ سے پہلے اس علاقے میں موجود ہونا ضروری تھا۔ میں نے فوری طور پر روانگی کی تیاری کا بگل بجا دیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

تیار ہو کر نکلی تو شعلۂ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ بغیر آستین کے ڈھیلے ڈھالے سرخ بلاؤز اور کالی جینز میں اس کا شباب پھٹا پڑ رہا تھا۔ ہونٹوں پر بلاؤز سے ملتی ہوئی تیز سرخ لپ اسٹک کی تہ جمی ہوئی تھی جس میں کہیں کہیں شبنم کے قطروں جیسی نمی کے مقید ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ غنڈوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی کوئی معصوم سی اسکول گرل ہو جسے ضرورت سے زیادہ تیاری پر مجبور کر دیا گیا ہو۔

"بدری ناتھ تمہیں اس حال میں دیکھ لے تو پٹ سے مرجائے گا اور بارودی بیلٹ صاف بچ جائے گی" اس پر نگاہ پڑتے ہی میں نے نکیلے لہجے میں کہا۔

"تمہارے ساتھ جا رہی ہوں اور مشرقی روایات کے مطابق تمہاری ذمے داری ہوں۔ مجھ سے جو کام چاہو' لے سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا" اس نے مجھے لاجواب کر دیا۔

باہر مائیک گاڑی تیار کر چکا تھا۔ ہم دروازہ مقفل کر کے باہر نکل آئے۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ برابر کے لان پر میڈیلین مختصر لباس میں دھوپ تاپ رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی اس نے اٹھ کر ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی مگر میں انجان بنا رہا۔ ہم دونوں کار کی عقبی نشست پر بیٹھے اور گاڑی وہاں سے روانہ ہو گئی۔

میں نے بارودی بیلٹ کا ڈبا کھول کر اس میں سے ریموٹ اور ریسیور نکال کر ویرا کے حوالے کر دیا۔ ٹرانسمیٹر میری گود میں پڑا رہا۔ کونز ڈسٹرکٹ کی صاف ستھری اور کشادہ سڑکوں سے گزر کر دریا عبور کرتے ہوئے ہم تھوڑی ہی دیر میں مین ہٹن میں داخل ہو گئے۔

اچانک ٹرانسمیٹر پر آواز آنے لگی "چارلی کالنگ ہیری..... وہ بالکل وہی ہے جو تم نے بتایا تھا۔ سیاہ رنگ کی فورڈ مستانگ میں وہ ابھی اکیلا باہر نکلا ہے..... اس کے پیچھے ابھی تک کوئی گاڑی نہیں نکلی۔ میں بس چند لمحے اور دیکھوں گا' پھر اس کے پیچھے چل پڑوں گا..... اوور!"

"گڈ چارلی!" کام شروع ہوتے ہی ہماری لاسلکی گفتگو نے باقاعدہ رخ اختیار کر لیا تھا۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تم مستانگ کے پیچھے لگے رہو۔ وہ بہت چالاک حریف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راستے میں سے کوئی گاڑی اس کے ساتھ ہو لے۔ تمہیں یہ یقین کرنا ہے کہ وہ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہیں کر رہا' اوور۔"

"وہ اسٹریٹ پچپن پر مغرب کی طرف جا رہا ہے۔ دیکھنا ہو گا کہ وہ برادوے پر مڑتا ہے یا آگے نوس ایونیو پکڑتا ہے۔ ابھی تک کہیں سے کوئی گاڑی اس کے پیچھے نہیں لگی ہے..... اوور۔"

ہمارے مقابلے میں بدری ناتھ مقررہ مقام سے قریب تر تھا۔ ایک بجنے میں کافی دیر تھی لیکن مائیک نے ڈک کی رپورٹ سنتے ہی رفتار بڑھا دی اور نیویارک کے [illegible]

ترچھی ڈرائیونگ کر کے ٹریفک کی بھیڑ میں تیزی سے اپنا راستہ بنانے لگا۔

اس کی بے ہودہ ڈرائیونگ پر احتجاج کرتے ہوئے نیویارک کے کسی باسی نے گالی کے طور پر اپنا تیز ہارن بجایا تو مجھے بولنا پڑ گیا۔ "عجلت کی ضرورت نہیں' ہمارے پاس کافی وقت ہے۔ اسے ایک بجے تک میرے انتظار میں وہاں رکنا ہی پڑے گا۔"

ڈک نے لائن مجھے اوور کر دی تھی مگر میں نے اسے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چند ثانیوں بعد اس نے اطلاع دی کہ بدری ناتھ براڈوے پر بائیں طرف مڑ گیا تھا۔ اس وقت تک ہم بھی ٹائمز اسکوائر کے قریب پہنچ چکے تھے اور اس سے زیادہ دور نہیں تھے۔

بدری ناتھ ہم سے پہلے اپنی گاڑی ایک جگہ پارک کر چکا تھا اور وہاں سے پیدل چل دیا تھا۔ اس موقع پر ڈک نے مجھ سے ہدایت لینی چاہی تو میں نے اسے گاڑی ہی میں رہنے کی ہدایت دے ڈالی۔ اس مقام پر گاڑی کھڑی کر کے بدری ناتھ میکڈانلڈ کے سوا کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

ایک موزوں مقام پر گاڑی روک کر مائیک نے مجھے اتارا اور گاڑی آگے لیتا چلا گیا۔ پہلے سے طے کئے ہوئے پروگرام کے مطابق اسے دس پندرہ منٹ بعد وہیں موجود رہنا تھا۔

میں ریستوران میں داخل ہوا تو ایک بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ ہال میں خال خال ہی میزیں آباد تھیں۔ ایک کونے میں بدری کسی مشروب کا گلاس لیے اپنے گمبھیر چہرے کے ساتھ موجود تھا۔

جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
ایک کیمیاگر کی داستان شوق
جو مقصد کی تلاش میں دربدر پھرتا رہا
مکتوب
راوی
صفدر علی
مصنف
اقلیم علیم
اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست ہمیں خط لکھیں
کتابات پبلی کیشنز پوسٹ بکس ۲۳ کراچی ۱

Downloaded from https://paksociety.com

میں اسے دیکھ چکا تھا' اس نے بھی ہاتھ لہرا کر مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور میں اس کی میز پر پہنچ گیا۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر نہایت تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ پچھلی تلخ کلامیوں کے بعد اس نے غیر معمولی گرم جوشی کا اظہار ضروری سمجھا تھا۔

میرے بیٹھتے ہی وہ اپنی جگہ چھوڑ کر کاؤنٹر پر گیا اور میرے لیے بھی پیپسی کا گلاس لے آیا۔ اس قسم کے فاسٹ فوڈ ریستورانوں میں عام طور پر کسی کو یہ پروا نہیں ہوتی کہ کس نے کیا کھایا پیا ہے لیکن کسی بھی میز پر قبضے کے اخلاقی جواز کے طور پر مہمانوں کے سامنے استعمال شدہ یا زیر استعمال کاغذی پیکنگ وغیرہ کی موجودگی بہتر تصور کی جاتی ہے۔ ہم دونوں کے سامنے ایک ایک گلاس کی موجودگی میں ریستوران کا کوئی باوردی ملازم ہمیں وہاں سیلف سروس کے نظام کی طرف متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ خریدے بغیر کرسی پر قبضہ کرنے والے ریستوران کے عملے کی نظروں میں آجائیں تو عملے کا کوئی رکن نہایت اخلاق سے انہیں یاد دلاتا ہے کہ ریستوران میں سیلف سروس کا دستور ہے۔ جو کھانا ہے' کاؤنٹر پر پیسے دے کر خریدو اور پھر مزے سے دن بھر کرسی توڑتے رہو۔ اگر بالکل ہی کنگال ہو تو کرسی خالی کر کے باہر نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

بدری ناتھ کے لیے گیپ سب سے اہم مسئلہ تھا۔ اس کے واپس آتے ہی میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں سے گیپ کی نقل پر مشتمل لفافہ نکال کر خاموشی سے اس کے حوالے کر دیا۔

"پانچوں کاغذ ہیں؟" اس نے وہ لفافہ اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں اُڑستے ہوئے مسرت آمیز بے یقینی سے سوال کیا۔

"بیت الخلا میں جا کر اپنی تسلی کر لو اور وہیں یہ بیلٹ بھی لگا لینا" یہ کہتے ہوئے میں نے باوردی بیلٹ والا ڈبا بھی دونوں ہاتھوں سے اس کی طرف بڑھا دیا۔ میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس کی پتلون میں لگی ہوئی سیاہ بیلٹ کی چوڑائی باوردی بیلٹ سے کم نہیں تھی۔

اس نے سر کو تشکر آمیز انداز میں خم دے کر وہ ڈبا میرے ہاتھوں سے لے لیا۔

میری خواہش تھی کہ وہ میری دی ہوئی باوردی بیلٹ جلد از جلد اپنی کمر پر کس لے جب کہ وہ گیپ کے نایاب کاغذوں کی نقل دیکھنے کے لیے مرا جا رہا تھا۔ ان دونوں کاموں کے بارے میں میری تجویز اس کے لیے اس قدر تحریص انگیز ثابت ہوئی کہ وہ' وہ بیلٹ کا ڈبا لے کر فوراً ہی کرسی سے اٹھ گیا۔

"اپنی بیلٹ اسی ڈبے میں ڈال لینا۔ یہ بعد میں تمہارے کام آئے گی۔"

وہ ریستوران میں آویزاں رہنما علامات کو دیکھ کر باتھ روم کی طرف ہو لیا۔

اس وقت تک ہر کام میری مرضی اور خواہش کے مطابق ہوتا جا رہا تھا۔ میری آرزو تھی کہ اگلے چوبیس گھنٹے تک ستارے یوں ہی یاوری کرتے رہیں تو ہم پوری بے فکری کے ساتھ امریکا سے نکل سکیں گے۔

چند منٹ بعد بدری ناتھ نئی بیلٹ باندھ کر ڈبے سمیت واپس آگیا۔

"شاندار..... مجھے اب بھی اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا....." خود پر قابو پانے کے باوجود وہ اپنی خوشی کے بے ساختہ اظہار کو پوشیدہ نہ رکھ سکا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کو میری دی ہوئی بیلٹ بہت زیادہ پسند آئی ہے؟"

"وہ بھی بہت نفیس اور عمدہ ہے۔ میں اس کی بے داغ دستی بناوٹ میں کہیں بھی کسی آلے کی موجودگی کا اندازہ نہیں کر سکا۔" اس نے پورے خلوص سے اعتراف کیا۔

"وہ کبھی سے تمہاری کیا مراد ہے؟ کیا تمہاری خوشی کسی اور چیز کے بارے میں تھی؟"

وہ احمقانہ انداز میں ہنس پڑا "یوں انجان نہ بنو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری ضرورت کیا ہے۔ پوری تحریر ناقابلِ فہم ہے مگر میں اس لیٹر ہیڈ کو پہچانتا ہوں۔ آج کل ایسے کاغذ ہر روز میری نظروں سے گزرتے رہتے ہیں۔ یہ تم نے میرے اوپر ایک احسان کیا ہے۔"

"فکر مت کرو' میں جلد ہی تم سے اس احسان کی بھرپور قیمت وصول کر لوں گا" میں نے آنے والی ہلاکت کے بارے میں اسے مبہم سا اشارہ دیا۔

"میں اپنی پوری جان کے ساتھ حاضر ہوں" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

میں مسکرا کر خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ میں اس کی پیشکش کو پہلے ہی شرفِ قبولیت بخش چکا تھا جس کی سند باوردی بیلٹ کی صورت میں اس کی کمر کے گرد کس چکی تھی۔ وہ چاہتا تب بھی اپنی پیشکش واپس نہیں لے سکتا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارا وقت بہت قیمتی ہے مگر آج میں پہلی بار تم سے' تمہیں جاتے ہوئے مل رہا ہوں" اس نے اپنے گلاس سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لے کر کہا "آج سے پہلے میں نے ہمیشہ تمہیں وہی سمجھا جو تم مجھے سمجھاتے رہے تھے۔ یہ میری کور چشمی تھی کہ میں شیر علی کے روپ میں چھپے ہوئے اصل شیر کو کل تک نہیں پہچان سکا۔ تم اجازت دو تو میں تم سے ایک اہم بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"تمہاری اس لمبی تمہید نے مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔ جو کچھ کہنا ہے' جلدی سے کہہ ڈالو۔"

"پانچوں اصل کاغذوں سے دست بردار ہو کر تم ان کی منہ مانگی قیمت حاصل کر سکتے ہو....." ہماری باتیں اردو میں ہو رہی تھیں لیکن اس باربدری ناتھ کا لہجہ سرگوشیانہ ہو گیا "رقم' یہاں یا کہیں کی بھی مکمل شہریت اور غیر مشروط معافی۔ وہ تمہاری ہر شرط ماننے

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے تیار رہیں۔"

میرے ذہن کے کسی گوشے میں ایک شعلہ سا لپک اٹھا' میری تیوریاں تن گئیں اور میں نے پھنکارتی ہوئی دھیمی آواز میں اس سے پوچھا "کیا تم نے انہیں بتادیا کہ وہ کاغذ میرے پاس ہیں؟"

"ٹن..... نہیں" میرے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر بدری ناتھ کے اوسان خطا ہوگئے "تمہارے بارے میں ان کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگ سکی ہے۔ ان کی طرف سے مجھے ان کاغذات کے لیے کھلی سودے بازی کا مکمل اختیار دے دیا گیا ہے۔ وہ کاغذ جس کسی کے پاس موجود ہوں وہ مجھ سے اپنی شرائط پر سودا کرسکتا ہے۔ یہ ایک سودا میری آنے والی نسلوں کی زندگی سدھار دے گا۔"

اس کے آخری فقرے میں پنہاں حسرت کا اندازہ کرکے میں نے ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا "تم ابھی تک ان امریکی درندوں کو نہیں سمجھ پائے۔ وہ جانتے ہیں کہ عباس کرمانی سے تمہارا کوئی نہ کوئی رابطہ ضرور ہوگا۔ اس وقت کے لیے وہ تمہیں قربانی کا بکرا بنارہے ہیں۔ سودا تم کروگے' ضمانتیں تمہاری ہوں گی' پانچوں اصل کاغذ ہاتھ میں آتے ہی وہ بے رحمی سے تمہیں کاٹ ڈالیں گے اور سودے کے دوسرے فریق کا بھی یہی حشر ہوگا۔ یہاں کی کہانی یہیں کی مٹی میں دفن ہوجائے گی۔ کسی کو کوئی ڈالر ملے گا اور نہ معافی۔ میں تمہارے گرد پھیلائے جانے والے اس جال میں نہیں پھنسوں گا۔"

"تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ...." اس نے مجھے میری بات یاد دلانی چاہی مگر میں نے ہاتھ اٹھاکر اُس کا فقرہ درمیان سے ہی کاٹ دیا۔

"مجھے اپنی کہی ہوئی ہر بات یاد رہتی ہے۔ تمہیں اس کی نشان دہی کی ضرورت نہیں۔ اگر حالات نے اجازت دی تو میں وہ کاغذات تمہیں مفت دے دوں گا' ان کے پھیلائے ہوئے لالچ کے پھندے میں نہیں پھنسوں گا۔ یہی بات میں تمہیں بھی سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"تمہاری باتیں چشم کشا ہوتی ہیں۔ میرا تجربہ یہی بتاتا ہے۔ میں پھر سوچوں گا کہ مجھ سے کہاں بھول ہورہی ہے۔ میں عزت اور دولت کے حصول کا خواہش مند ضرور ہوں لیکن ان دونوں چیزوں کے لیے اپنی جان کا سودا نہیں کرسکتا۔ زندگی بس ایک بار ملتی ہے' باقی ہر چیز کے لیے مواقع پیدا ہوتے اور مٹتے رہتے ہیں۔"

میں اس احمق بھارتی کی نادانی پر دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اسے رامایں اپنے تجربے پر ناز تھا مگر وہ جب سے مجھ سے ٹکرایا تھا' قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس نے اپنے امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے گیپ کی ایک بے وقعت نقل کے عوض مجھ سے اپنی جان کا سودا کرلیا تھا۔ اس نے جتنے شوق سے وہ کاغذ سنبھالے تھے' کم وبیش اسی شوق سے باردودی بیلٹ اپنی کمر پر باندھی تھی۔ ان کی ننھی سی کھوپڑی میں گپ کی نقل پالینے کا ایسا گہرا سرور طاری ہوا تھا کہ وہ ہولناک دھماکا ہونے تک اس پُراسرار بیلٹ کے بارے میں کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"تمہارا سفر لمبا ہے۔ اب تم جاؤ" میں نے کہا "میری آواز تم نہیں سن سکو گے مگر تمہاری آواز میرے کانوں تک پہنچتی رہے گی۔ راستے میں مجھے کچھ نہ کچھ بتاتے رہنا۔ زندگی رہی تو واپسی پر باقی باتیں ہوں گی۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے درمیان پیدا ہونے والا بغض اب ختم ہوچکا ہے۔"

"مجھے اجازت دو کہ میں ایک بار تمہیں تمہارے اصل نام سے مخاطب کرسکوں؟"

اس کی طفلانہ خواہش پر میں بردباری سے مسکرا کر رہ گیا "اپنی یہ آرزو بھی پوری کرلو۔ پتا نہیں فنیر فیکس سے تمہاری واپسی کب ہوتی ہے۔"

"ڈینی! میرے باپ' میرے بھائی!" وہ فرط جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا "آج تم نے لفافہ دے کر میرا ایک بڑا ارمان پورا کیا ہے۔ ان کاغذوں کے لیے میں نے کئی دنوں سے منتیں مانی ہوئی تھیں۔ واپسی پر میں بنارس جاکر مندروں میں پنڈتوں اور پجاریوں کو دان دوں گا' دیوی دیوتاؤں کے چرنوں میں بھینٹ دوں گا' وہی منش کی آشاؤں کو پورا کرنے والے ہیں اور وہی اس کی رکھشا کرتے ہیں۔ میں ان...." اس کی آواز حلق میں پھنس گئی اور وہ خاموش ہوگیا۔

جذبات میں مذہب کی اندھی عقیدت شامل ہوتے ہی بدری ناتھ نے دھڑا دھڑ ہندی الفاظ کا استعمال شروع کردیا تھا۔ جس طرح ڈیوڈ اسٹارز باہر سے نرم ومہربان نظر آنے کے باوجود اندر سے متعصب اور نسل پرست یہودی تھے' اسی طرح بدری ناتھ بھی جذبات کی دھار پر چھلنے کے بعد اندر سے کٹر ہندو نکلا تھا۔ اس کی خود غرضیوں اور تعصب پرستی کے قصے میں پہلے ہی سن چکا تھا۔

"پہلے میں جاتا ہوں' تم بعد میں نکلنا" مجھ سے ہاتھ ملا کر بدری ناتھ نے دونوں خالی گلاس اٹھا لیے اور انہیں ڈسٹ بن میں ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

میں خود بھی اس وقت بدری ناتھ کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ میں چند ثانیوں تک وہاں بدری ناتھ کی ان تشنہ آرزوؤں اور امیدوں کے بارے میں سوچتا رہا جنہیں دل میں لے کر اسے دنیا سے رخصت ہوجانا تھا۔

انسان جوانی میں اس دنیا سے کوچ کرے یا بڑھاپے میں وہ اجل کو لبیک کہے' ہوتا یہی ہے کہ ہمیشہ اور ہر انسان کی منصوبہ بندی اپنی طبعی عمر سے بس چند برس زیادہ کی ہوتی ہے اور یوں ہر مرنے والے کے بہت سے خواب ادھورے رہ جاتے ہیں۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے کہ بستر مرگ پر انسان اپنی حسرتوں کی نوحہ گری کرنے کے بجائے پورے صبر وسکون سے اپنی زندگی کا محاسبہ کرسکے

Downloaded from https://paksociety.com

ہر کمزور لمحے کے لیے اپنے پروردگار سے معافی طلب کرتے ہوئے اپنی جان' جانِ آفریں کے سپرد کردے۔

میں اپنے خیالوں کی دنیا کے ساتھ ہی میکڈانلڈ سے باہر نکل آیا۔ بدری کی بیلٹ جو باروڈی بیلٹ کے ڈبے میں بند تھی' اب میری تحویل میں تھی کیونکہ رقت زدہ بدری ناتھ اسے اپنے ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ وہ وہاں خالی ہاتھ آیا تھا اور بے دھیانی میں خالی ہاتھ ہی واپس چل دیا تھا۔

اس سے میری گفتگو توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوئی تھی۔ مجھے مقررہ مقام پر چند منٹ انتظار کرنا پڑا۔ مائیک گاڑی لے کر دوبارہ وہاں آیا اور میں پھرتی سے پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

ویرا نے میرے ہاتھ میں موجود ڈبا لے کر لمحہ بھر کے لیے تولا پھر تحیر زدہ آواز میں بولی "تم یہ بیلٹ واپس کیوں لے آئے؟ کیا پروگرام میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے؟"

"ہاں!" میں نے بے پروائی سے کہا "اسے شبہ ہوگیا تھا۔ اب راستے میں ہی اس کا کام تمام کرنا ہوگا۔"

"اس کے باوجود تم نے گیپ کی نقل اسے دے دی ہوگی؟" ویرا نے تلخی سے پوچھا۔

"یہ غلطی مجھ سے پہلے ہی سرزد ہوچکی تھی' معافی چاہتا ہوں۔"

"سارا موڈ غارت ہوگیا۔ چلے تھے سی آئی اے کے مرکز میں دھماکا کرنے اور اب بے وقوفوں کی طرح سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے پھریں گے۔ مجھے تو امید تھی کہ تم اپنے ہاتھوں سے بیلٹ اس کی کمر پر باندھ کر آؤ گے۔"

"اس کی جگہ کوئی خوب رو لڑکی ہوتی تب بھی ایسی حرکت گھریا ہوٹل کے کمرے میں ہی کی جاسکتی تھی۔ میکڈانلڈ جیسے ریستوران میں اس کی گنجائش نہیں تھی۔"

معاً سیٹ پر رکھے ہوئے ریسیور پر ایک پرانے بھارتی فلمی گانے کی آواز سنائی دینے لگی۔

ویرا بھڑک کر مجھے گھورنے لگی۔ میں اسے نظرانداز کرکے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہوگیا۔

یہ موٹی سی بات اس کی سمجھ میں بھی آگئی کہ باروڈی بیلٹ اپنی اصل جگہ پہنچ چکی تھی اور بدری ناتھ نے تنہائی کے احساس کو دور کرنے کے لیے گاڑی میں پرانے فلمی نغموں کا کوئی کیسٹ چلادیا تھا جس کی آواز بیلٹ میں پوشیدہ مائیکروفون کے ذریعے ریسیور تک پہنچ رہی تھی۔

اس نے جھلا کر ڈبا کھولنے کے بجائے' بری طرح نوچ کر پھاڑ ڈالا اور اس میں سے برآمد ہونے والی بدری ناتھ کی بیلٹ کو پائیدان میں پھینک کر سینڈلوں سے مسلنے لگی۔

وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میں اس سے الگ تھلگ بیٹھا رہا۔ اسی اثنا میں ڈک کا پیغام آگیا۔

"وہ مسلسل مین ہٹن کے جنوبی حصے کی طرف جارہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ ہالینڈ ٹنل سے نیو جرسی میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ میری نظروں میں ہے' تم لوگ کہاں ہو؟ اوور!"

"گنجان ٹریفک میں اس پر نظر رکھو اور ہماری فکر مت کرو۔ آبادی سے نکلنے کے بعد اس سے فاصلہ بڑھالینا۔ کسی موقع پر ہم تمہیں اوور ٹیک کرکے درمیان میں آجائیں گے' اوور اینڈ آل۔"

اس دوران میں میری نظر پسنجر سیٹ کے اگلے پائیدان میں رکھے ہوئے تھیلوں پر پڑی تو میں چونک پڑا۔ گھبرے چلتے ہوئے وہ پائیدان بالکل خالی تھا۔

"یہ اگلے پائیدان میں کس چیز کے تھیلے رکھے ہوئے ہیں؟" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر دانستہ انگریزی میں سوال کیا۔

حسبِ توقع ویرا نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ فرض مائیک نے پورا کردیا۔ "راستہ طویل ہے' مس نے راستے میں کھانے پینے کے لیے کچھ سامان خریدا ہے۔"

"تو یہ تھیلے آگے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ ذرا بیئر کا ایک ڈبا مجھے دے دو۔"

گاڑی کی رفتار کم تھی اور بیئر کے ڈبوں کا تھیلا شاید سامنے ہی تھا۔ مائیک نے پیچھے مڑے بغیر بیئر کا ایک بند بستہ کین میری طرف بڑھادیا۔

میں نے وہ کین ویرا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "یہ ٹھنڈی ہے اس کی تاثیر بھی ٹھنڈی ہوتی ہے۔ دو گھونٹ لیتے ہی تمہارا غصہ اس کے جھاگوں کی طرح بیٹھ جائے گا۔"

"میرے مقابلے میں تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ فیڈر میں بھر کر اسے چسنی سے پینا شروع کردو تاکہ تمہیں اپنے بچپن کا پورا یقین ہوسکے۔ اس پختہ عمر میں لاابالی لڑکوں جیسا مذاق تمہیں زیب نہیں دیتا۔"

"میں بچپن میں ہوں نہ بچپن میں۔ واجبی سی عمر ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس مذاق سے محظوظ ہونے کے بجائے برا مان جاؤ گی۔ اب غصہ تھوک دو ورنہ سفر کے دوران میں ہی ہم دونوں آپس میں لڑ لڑ کر فنا ہوجائیں گے۔ بدری ناتھ کی بیلٹ کا بٹن تم ہی کو دبانا ہے۔"

ویرا نے میرے ہاتھ سے کین لے کر بات ختم کردی۔ مائیک ہماری گفتگو سے بے خبر تھا لیکن طور طریقوں سے سب کچھ سمجھ لینے کے باوجود اس نے درمیان میں کوئی دخل اندازی نہیں کی تھی۔ اس نے شاید عقب نما آئینے میں ویرا کو کین لیتے دیکھا اور خاموشی سے میرے لیے دوسرا کین نکال دیا۔

کین کی سیل توڑتے ہی اندر سے جھاگوں کا سیلاب امڈ پڑا۔ میں نے فوراً ہی ایک بڑا گھونٹ لے کر اس مسئلے کو وہیں ختم کردیا۔ چلتی گاڑی میں ایک گھونٹ لے کر لطف آگیا تھا۔

ہم ٹریفک کی رفتار کا ساتھ دیتے ہوئے نیویارک بلکہ مین ہٹن

Downloaded from https://paksociety.com

سے نکل کر نیو جرسی کے علاقے میں داخل ہوئے جو بارونق ہونے کے باوجود مین ہٹن کی طرح پُرہجوم نہیں تھا۔

اس وقت تک بارودی بیلٹ سے منسلک ریسیور پر مسلسل پرانے اور دل کی گہرائیوں کو چھو لینے والے منتخب نغمے سنائی دے رہے تھے۔ اچانک وہ آواز تھم گئی۔ شاید بدری ناتھ نے کیسٹ روک دیا تھا۔

"تجلت میں یہ پوچھنا تو یاد ہی نہیں رہا کہ تم کتنی دیر میں گھر پہنچو گے؟" ریسیور پر بدری ناتھ کی آواز سنائی دی "اگر تم پہنچ گئے ہو تو سن لو کہ میں تمہاری امانت کے ساتھ اب کسی بھی لمحے نیو جرسی کی حدود کو خیرباد کہہ دوں گا۔ کھلی ہوئی فری وے میرے سامنے ہے۔ بس دعا کرتے رہنا۔"

ریسیور پر دوبارہ فلمی نغمے گونجنے لگے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میرے کانٹے میں پھنسے ہوئے شکار کو میری ہدایات یاد تھیں اور وہ اپنی کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر ہر خطرے کو بھولا ہوا تھا۔

ہم بدری ناتھ کے راستے پر چلتے ہوئے نیو آرک کو پیچھے چھوڑ آئے مگر اس وقت بھی ہم ریاست نیو جرسی کی حدود میں سفر کر رہے تھے۔ ہم سے چند منٹ قبل روانہ ہونے والے بدری ناتھ نے ہمیں ریاست کی حدود سے نکلنے کی اطلاع دی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بہت تیز رفتاری سے سفر کر رہا تھا۔

"چارلی! اس وقت تمہاری رفتار اور پوزیشن کیا ہے.... اوور!" میں نے ٹرانسیور پر پوچھا۔

"ہم نیو جرسی اسٹیٹ کی حدود سے نکل کر روٹ پچانوے پر آچکے ہیں۔ اس کا دماغ خراب معلوم ہو رہا ہے۔ وہ گاڑی کو ۹۰ میل کی رفتار سے اڑائے لیے جا رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ کسی حادثے سے دوچار نہ ہو جائے۔ ایسا نہ ہو تو اب بھی کہیں نہ کہیں اس کا چالان ضرور ہو گا اور اسے ٹکٹ تھما دیا جائے گا.... اوور۔"

"تم سنبھل کر سفر کرو۔ چالیس پچاس میل کے فاصلے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس کی آخری منزل ہمیں معلوم ہے۔ اوور اینڈ آل۔"

فری وے سے دور نظر آنے والی آبادیاں یکے بعد دیگرے تیزی سے گزرتی رہیں۔ بدری ناتھ کی رفتار کا ذکر سن کر اینک نے بھی اپنی رفتار بڑھا دی تھی۔ فلاڈلفیا اور میری لینڈ کے درمیان ہم اک سے آگے نکل گئے۔ اس کے برابر سے گزرتے ہوئے ہم نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی لیکن آگے فورڈ مستانگ کا دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

ریسیور پر سنائی دینے والے گانوں سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت تک بدری ناتھ کسی حادثے سے دوچار ہوئے بغیر محوِ سفر تھا اور ہماری دسترس میں تھا۔

فری وے پر راستے میں کئی جگہ مسافروں کی سہولت کے لیے سروس ایریاز نظر آئے جہاں گیسولین اور ڈیزل سے لے کر کھانے پینے کی ہر سہولت موجود تھی لیکن ہمارے پاس اشیائے خورونوش کا وافر ذخیرہ موجود تھا۔ ہم کہیں رک کر وقت برباد کرنے کے بجائے تقریباً ۷۰ گھنٹے بعد واشنگٹن ڈی سی تک پہنچ گئے۔

یہاں مائیک نے اپنی معلومات کے اظہار کو ناگزیر تصور کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ نول ووڈ سے ذرا آگے ایک جنکشن پر پچانوے نمبر فری وے ایک رنگ روڈ میں مدغم ہو گئی تھی۔ یہ سڑک تقریباً دائرے کی صورت میں امریکی دارالخلافہ کے گرد پھیلی ہوئی تھی۔

مائیک نے سفر جاری رکھنے کے لیے گاڑی بائیں سمت میں ڈال دی اور ہم واشنگٹن کے مشرقی مضافات سے گزرنے لگے۔ سرسبز اور آباد علاقوں سے گزرتے ہوئے ہم اسپرنگ فیلڈ کے مقام پر ایک جنکشن سے دوبارہ فری وے پر آگئے۔

"چارلی کالنگ.... مستانگ کی طرح تم لوگ بھی بہت تیزی کے ساتھ میری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہو۔ میں اتنی تیز رفتاری کا خطرہ مول نہیں لے سکتا مگر میں تمہارے پیچھے آرہا ہوں.... اوور۔"

"اسے احتیاط کے طور پر بلایا گیا تھا۔" مائیک نے پہلی مرتبہ مشورہ دینے کے لیے زبان کھولی "اب تک سب کچھ ٹھیک ہے۔ پیچھے کوئی نہیں ہے۔ ہدف ہر وقت ہماری زد میں ہے۔ اس کی پوزیشن لے کر اسے راستے میں ہی کہیں روک دو۔ اسے بلاوجہ آخر تک دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں۔"

"مائیک ٹھیک کہہ رہا ہے۔ واپسی پر ہم اسے اپنے ساتھ لے لیں گے۔" ویرا نے اس کی تائید کی۔

"اس وقت تم کہاں ہو؟" "اوور!" میں نے اپریٹس پر ڈک سے سوال کیا۔

"میں پینتسویں جنکشن پر پہنچنے والا ہوں۔ وہاں سے ہائی وے بہت قریب ہے۔ اوور۔"

"تم فری وے سے اتر کر وہیں کہیں رک جاؤ۔ واپسی پر ہم تمہیں ساتھ لے لیں گے۔ اوور۔"

"اوہ نو۔" ڈک کی احتجاجی آواز ابھری "میں سست روی سے کام نہیں لے رہا۔ بس رفتار کی حد کی پابندی کر رہا ہوں۔ مجھے ایسی سزا نہ سناؤ.... اوور۔"

"یہ سزا نہیں ہے چارلی!" میں نے کہا "ایک آدمی کے لیے صرف ہم ہی کافی ہیں۔ تمہیں جس مقصد کے لیے لائے تھے، وہ پورا ہو چکا ہے۔ وہ اکیلا ہے، اس نے ہمارے ساتھ کوئی چال بازی نہیں کی۔ تمہاری اس تصدیق کے بعد تمہارا کام پورا ہو چکا ہے۔ اوور!"

"اوکے ہیری۔" اس کی پژمردہ آواز سنائی دی "جو تمہاری مرضی۔ گڈ لک! اوور اینڈ آل۔"

نیویارک سے بدری ناتھ کے تعاقب میں روانہ ہوتے ہوئے

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہمارا وہ سفر اتنا طویل اور اکتا دینے والا ثابت ہوگا۔ ہم آپس میں باتیں کرتے کرتے اکتا گئے تھے لیکن وہ سفر ختم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

آخر کار ریسیور پر بدری ناتھ کا پیغام آیا۔ وہ اپنی منزل سے بس چند منٹ کی مسافت پر تھا۔ میں نے وہ خبر سن کر اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔

"ہم اس سے بہت قریب ہیں۔ میری رائے میں مزید آگے بڑھنا بے سود بلکہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔" ویرا نے وہ پیغام سنتے ہی مشورہ دیا "جو کچھ کرنا ہے، ہمیں دور ہی سے کرنا ہے۔ اس کے لیے ہم یہیں کہیں ڈیرا ڈال سکتے ہیں۔"

"گاڑی کی رفتار کم کرلو اور کسی ایگزٹ کا خیال رکھو۔" میں نے ویرا کی تجویز پر غور کرتے ہوئے مائیک کو ہدایت کی۔ اس نے فوراً ہی رفتار بتدریج کم کرنی شروع کردی۔

"آگے ایک ایگزٹ آنے والا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، اس پر فری وے کے بائیں جانب لیڈی اسمتھ نامی ایک قصبہ ہے۔ ہم وہیں کسی چھوٹے موٹے موٹل میں رک سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

ہمارے اس طویل سفر کا مقصد بدری ناتھ اور اس کے چند آقاؤں کے خاتمے کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ یہ کام بھی دور رہ کر کرنا تھا۔ اگر واپسی کے سفر میں پولیس کی کوئی گشتی پارٹی ہمیں راستے میں روک کر ذرا بھی باز پرس کرتی تو ہم یہ بتانے سے قاصر ہوتے کہ ہم کہاں سے واپس لوٹ رہے تھے۔

ایسی ہی صورتِ حال کسی چھوٹے قصبے میں داخل ہونے پر رونما ہو سکتی تھی۔ قصبات میں آنے والوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ ہر نیا آنے والا غیر ضروری طور پر مقامیوں کی نظروں میں آجاتا ہے اور پھر وہاں کی پولیس بھی مستعدی دکھانے پر تل جاتی ہے۔ میں اس موقع پر کہیں بھی قانون کے محافظوں سے تصادم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

ریسیور پر بدری ناتھ کا آخری پیغام بہت واضح آواز کے ساتھ موصول ہوا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ جس رینج کے لیے ریسیور کار آمد تھا اسی فاصلے تک ریموٹ کو بھی کام کرنا چاہیے تھا۔ ویرا کا مشورہ بہت صائب تھا کہ ہمیں غیر ضروری طور پر جائے واردات سے قریب تر ہونے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے مگر لیڈی اسمتھ کے بارے میں مائیک کی تجویز خطرناک تھی۔

"ہمیں کسی آبادی میں جانے کا خطرہ مول لینے کے بجائے سروس ایریا میں رکنا چاہیے۔" میں نے سوچتے ہوئے فیصلہ صادر کیا "وہاں ہم کسی کی غیر معمولی توجہ کا مرکز نہیں بن سکیں گے۔"

"سروس ایریا بھی قریب ہی ہونا چاہیے۔ میں نے ابھی ابھی اس کا پہلا سائن دیکھا تھا۔"

"ادھر نہیں [illegible]

فری وے کے چھٹتے ہی مائیک نے گاڑی نیچے اتاری اور پھر آٹھ کے انگریزی ہندسے کی صورت میں ایک طویل چکر کاٹ کر اسی جنکشن کے دوسرے حصے سے دوبارہ فری وے پر آگیا۔ اس بار کار کا رخ رچمنڈ کے بجائے نیویارک کی طرف ہو چکا تھا۔

ریسیور پر بدری ناتھ کی دھیمی سی بڑبڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ میں نے آواز بڑھادی۔ الفاظ واضح ہونے پر اندازہ ہوا کہ وہ ٹھیٹ ہندی میں اپنے کچھ اشلوک یا منتر جنتر پڑھ رہا تھا۔ غالباً وہ کسی بھی لمحے سی آئی اے کے مرکز میں داخل ہونے والا تھا۔

"آپ کی شناخت سر!" امریکی لب ولہجے میں ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

خاموشی کے وقفے کے بعد اسی آواز نے اوکے کہا۔ بدری ناتھ ابتدائی شناخت کے مرحلے سے گزر کر اپنے مطلوب احاطے میں داخل ہو چکا تھا۔

خاموشی کے بعد پختہ فرش پر قدموں کی آہٹ سنائی دینے لگی۔ اس سے پہلے گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ بدری ناتھ ہمارے ہدف کی طرف چل پڑا تھا۔

"ہائے بڈری!" اچانک ریسیور پر ایک پُرجوش آواز سنائی دی "تم چور کی طرح اطلاع دیے بغیر یہاں کیسے آگئے؟" وہ اس کا کوئی شناسا تھا۔ پھر مزید کئی آوازیں شامل ہوگئیں۔ عمارت میں بدری کی آمد کی خبر بہت تیزی سے پھیلی تھی۔

وہ سب اس سے خیر خیریت معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ جاننا چاہ رہے تھے کہ وہ نیویارک سے اچانک وہاں کیوں آپہنچا تھا۔ بدری نے انہیں صرف اتنا بتایا کہ ایک اہم کام کے سلسلے میں وہ اپنے ڈائریکٹر سے ملنے کے لیے وہاں پہنچا تھا۔

اس وقت تک عباس کرمانی سی آئی اے والوں کے لیے ایک سلگتا ہوا موضوع تھا۔ ایک آدمی بدری ناتھ سے اس بارے میں کرید تا ہوا اس کے ساتھ ہولیا۔ قدموں کی چاپ کے ساتھ ان دونوں کی آوازیں پورے تسلسل کے ساتھ سنائی دے رہی تھیں۔

سڑک کے کنارے سروس ایریا کا پہلا نشان نظر آتے ہی میں نے ٹی این ٹی بیلٹ کا ریموٹ اپنے ہاتھ میں اٹھالیا۔ اس کی [illegible] الجھ رہی تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

بدری ناتھ کے ساتھی کی آواز غائب ہوگئی۔ چند لمحوں تک بدری ناتھ کے قدموں کی آواز آتی رہی پھر وہ بھی معدوم ہوگئی۔ ریسیور پر اعصاب شکن خاموشی طاری ہوگئی۔

دروازے پر دستک کی ہلکی سی آواز سن کر میں نے اندازہ لگایا کہ شاید بدری قالین سے آراستہ کسی راہداری میں بے آواز قدموں سے چلتا رہا تھا۔ دستک کے جواب میں دور سے یا شاید کسی بند کمرے سے کم اِن کی نرم مگر باوقار آواز آئی۔

اگلے لمحات میں کم از کم تین ملی جلی، تحیر زدہ مردانہ آوازوں نے بڑے تپاک سے بدری ناتھ کا استقبال کیا تھا۔ اس سے پھر وہی سوال دہرائے گئے جنہیں وہ باہر ٹالتا رہا تھا۔

مجھے بدری ناتھ کے جواب سے ہی اندازہ ہوسکتا تھا کہ وہ اس وقت کن لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ میں دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ ویرا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی، مائیک کے کان بھی ہماری طرف لگے ہوئے تھے۔

"سر! میں اصل کاغذوں تک نہیں پہنچ سکا لیکن آپ کے لیے گیپ کی نقل لانے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔" بدری ناتھ نے شاید اپنی جیب سے لفافہ نکال کر اپنے ڈائریکٹر کو جواب دیا تھا۔

"اوہ! بدری، یو آر گریٹ۔ تم واقعی ہمارے لیے ونڈر بوائے ثابت ہورہے ہو۔ تمہاری کامیابیاں ہم سب کے لیے قابلِ رشک ہیں۔" وہ تین مختلف آوازوں میں بیک وقت کیے جانے والے تحیر زدہ تبصرے تھے جو بدری ناتھ کا جواب سن کر یا میرا بھیجا ہوا لفافہ دیکھ کر ادا کیے گئے تھے۔

بدری ناتھ دُھن کا پکا تھا۔ وہ اپنی صحیح منزل پر پہنچ چکا تھا۔ ویرا کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس کی ایک انگلی ریموٹ کے آپریٹنگ بٹن پر نرمی سے ٹک چکی تھی۔

"فائر!" میں نے سرد اور گمبھیر آواز میں ویرا کو حکم دیا۔

ویرا نے بٹن دبا دیا۔ ریسیور پر دھماکے کی بہت مختصر اور ادھوری آواز آئی پھر وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ ویرا نے ریموٹ نیچے پھینک کر میری طرف ہاتھ بڑھا دیا جسے میں نے مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ ہماری بے مثال کامیابی تھی۔

"براوو!" مائیک خوشی سے بے قابو ہو کر چلّا اٹھا "چیف، تم واقعی کرتی آدمی ہو۔"

"دھیان سے گاڑی چلاؤ۔" میں نے سروس ایریا کے اشارے کے آثار دیکھ کر اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے کہا "کام ہوچکا ہے۔ اب ہم یہاں نہیں رکیں گے۔ واشنگٹن سے آگے کہیں تھوڑا سا آرام کریں گے۔ اس وقت تک لینگلے روڈ کی خبریں بھی ٹیلی وژن پر آنے لگیں گی۔"

میں نے ٹرانسمیٹر پر رابطہ کرکے ڈک کو اس کامیابی کی اطلاع دینے کی کوشش کی مگر کئی بار کی ناکامی کے بعد ارادہ ترک کردیا۔ ہمارے درمیان اس ایریٹس کی رینج سے زیادہ فاصلہ حائل تھا۔

"اسے چورا چورا کردو۔" میں نے ویرا کے پائیدان میں پڑے ہوئے ریموٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا اور خود ریسیور کو نیچے ڈال کر جوتے کی ایڑی سے کچلنا شروع کردیا۔

کام پورا ہوجانے کے بعد وہ دونوں آلات ہمارے لیے بالکل بے کار ہوچکے تھے۔ میں نے ان کے ٹکڑے پلاسٹک کے ایک تھیلے میں سمیٹ کر جمع کرلیے۔ ویرا نے پائیدان پر سے اس کارروائی کی ہر نشانی صاف کرنے کی پوری کوششوں میں میرا ساتھ دیا تھا۔

وہ امریکا کی مشرقی ریاستوں کی ایک اہم اور مصروف شاہراہ تھی۔ ہلکی اور بھاری گاڑیوں کے تیز رفتار مگر منظم ہجوم میں ہماری واپسی کا سفر جاری رہا۔ مائیک نے دھیمی آواز میں گاڑی کا ریڈیو کھول دیا تھا تاکہ ہم اس ذریعے سے آنے والی خبروں سے آگاہ رہ سکیں۔

"چیف!" مہم کے تمام مراحل میں خاموش رہنے کے بعد مائیک کی زبان کی خارش اسے دوبارہ ستانے لگی "آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ وہاں بدری کے ساتھ کم از کم تین آدمی اور بھی تھے۔"

"کم از کم وہ چاروں تو مارے ہی گئے ہیں۔" میرے بجائے ویرا بول پڑی "دیکھنا ہوگا کہ ان کے ساتھ زخمی ہونے والوں کی کیا تعداد ہے۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" مائیک پھر بولا۔ "ہمارے ریسیور پر دھماکے کی آواز اتنی ہلکی اور مختصر کیوں سنائی دی تھی؟"

"ضروری نہیں کہ ہر بات ہر آدمی کی سمجھ میں آسکے۔" میں نے اس سے کہا "پھر بھی میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ یہ ایک ننھا سا ریسیور تھا۔ ہوسکتا ہے کہ دھماکے کی طاقت ور سگنل سے اس کا اسپیکر ہی پھٹ گیا ہو۔ دھماکے کی ادھوری آواز کا دوسرا سبب یہ تھا کہ دھماکا ہوتے وقت مائیکرو فون ٹھیک تھا۔ اس نے ابتدائی آواز نشر کی مگر دھماکے کے اثر سے وہ بھی برباد ہوگیا اور ریسیور خاموش ہوگیا۔"

"میرا دعویٰ ہے کہ فوری طور پر وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے۔" مائیک نے فخریہ لہجے میں کہا "وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ بدری اپنی مرضی سے ایک تباہ کن بارودی بیلٹ ان تک لایا ہوگا جسے ریموٹ کنٹرول سے اُڑایا گیا ہے۔ چند روز کے لیے سب چکرا کر رہ جائیں گے۔"

"فی الحال زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ دعا کرو کہ ہم خیریت سے نیویارک پہنچ جائیں۔ بعض اتفاقی واقعات بھی کبھی کبھی انسان کی بدقسمتی کا سبب بن جاتے ہیں۔"

"خدا نے چاہا تو ہمارا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔" وہ ہڑبڑا کر بول

Downloaded from https://paksociety.com

پڑا "انسان کو مشکل حالات میں بھی اچھی امیدیں رکھنی چاہئیں۔ ہم تو بہت بہتر پوزیشن میں ہیں۔"

واشنگٹن کے رنگ روڈ پر مائیک اس بار مغربی سمت سے اس شہر کا طواف مکمل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے اسے سختی سے منع کردیا۔ اس وقت میں نئے راستے پر سفر کرکے کوئی بھی غیر متوقع خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ ویسے بھی امریکا کا صدارتی شہر اور دارالخلافہ تھا۔ سی آئی اے کے مرکز میں ہونے والے تباہ کن دھماکے کی خبر کیسں اور پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو' اس شہر میں ضرور پہنچ جانی چاہیے تھی۔ اس کے نتیجے میں پولیس کے گشت اور سختیوں میں اضافے کا ہر امکان بہت واضح تھا۔

رنگ روڈ کے وسطی حصے میں میرے اندیشے کی تصدیق ہوگئی۔ سڑک کے وسیع حصے پر مسلح پولیس والوں کا راج تھا۔ انہوں نے رکاوٹیں کھڑی کرکے سڑک کی چوڑائی اس طرح بلاک کردی تھی کہ تمام گاڑیاں ایک قطار میں آگے بڑھ رہی تھیں۔

تیز رفتار ٹریفک میں ڈالی جانے والی اس رکاوٹ کی وجہ سے رنگ روڈ پر گاڑیوں کی قطار تیزی سے بڑھتی جارہی تھی۔ غنیمت یہ تھا کہ سڑک پر موجود ہر پولیس والا تلاشی کے فرائض انجام نہیں دے رہا تھا۔ وہ صرف ٹریفک کی متعدد قطاروں کو ترتیب کے ساتھ ایک لائن میں لارہے تھے۔ تلاشی لینے یا نہ لینے کا فیصلہ ایک مخصوص مقام پر کھڑے ہوئے دو تجربے کار افسران کررہے تھے۔ انہوں نے رکاوٹوں سے آگے متعدد گاڑیوں کو تفصیلی جانچ پڑتال اور تلاشی کے لیے روکا ہوا تھا۔

وہ شاید ہماری مہم کا مشکل ترین مرحلہ تھا۔ مجھے عقابی نظروں والے وہ دونوں پولیس افسران دور ہی سے خطرناک نظر آرہے تھے۔ اگر وہ ہمیں روک لیتے تو ہمارے پاس تین ایسی مشتبہ چیزیں موجود تھیں جن کے بارے میں جواب دہی تقریباً ناممکن تھی۔

کچلے ہوئے ریسیور اور ریموٹ کے جملہ لوازم ایک تھیلی میں پڑے ہوئے تھے۔ ٹرانسمٹر کو میں نے نشست اور پشت گاہ کے نچلے جوڑ میں گھسا دیا تھا۔ تلاشی کی صورت میں ٹرانسمٹر کا محفوظ رہنا ناممکنات میں سے تھا۔ اس وقت ڈک بھی وہاں سے دور نہیں تھا اور وہ بھی ایسے ٹرانسمٹر سے لیس تھا۔

خطرے کو بھانپ کر میری اور ویرا کی نظریں چار ہوئیں اور وہ اپنا سر پیچھے ٹکا کر یوں پھیل گئی جیسے تھکن یا علالت کی وجہ سے اس پر غنودگی طاری ہورہی ہو۔ اس مشکل وقت میں مائیک کی چرب زبانی رخصت ہوچکی تھی۔ وہ زبان ہلائے بغیر گاڑی کو قطار میں دھیرے دھیرے آگے بڑھا رہا تھا۔

گاڑیاں ان دونوں کے سامنے سے رینگتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ خدا خدا کرکے ہماری باری آئی۔ دونوں طرف سے جھکے ہوئے پتھریلے چہروں اور بے رحم آنکھوں نے اندر کا جائزہ لیا۔ ویرا نے آنکھیں موند کر ہولے ہولے کراہنا شروع کردیا تھا۔

جتنی دیر ہم ان دونوں کی عقابی نگاہوں کی زد میں رہے' میرا خون خشک ہوتا رہا۔ میرے ذہن میں بار بار ایک ایشیائی مرد اور امریکی لڑکی یا ڈینی اور ویرا کی مساوات چکرا رہی تھی لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہم ان کی نگاہوں کے سامنے سے سرخرو ہو کر گزر گئے۔

ٹریفک کی روانی میں شامل ہوتے ہوئے مائیک بول پڑا "بیمار عورت پولیس والوں سمیت ہر امریکی کی کمزوری ہوتی ہے۔ تمہیں اسی حربے نے موذیوں سے بچایا ہے۔"

"تم واقعی بیمار لگ رہی تھیں۔ خوف کی وجہ سے تمہارا چہرہ تک زرد پڑ گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"میں واقعی پریشان تھی۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کے ذہن میں لمحہ بھر کے لیے بھی ویرا یا ڈینی کا نام آجاتا تو ہماری گاڑی روک لی جاتی۔ پتا نہیں تم ٹوٹے ہوئے پرزوں کی تھیلی اب تک کیوں لیے بیٹھے ہو۔ اسے کہیں بھی پھینک کر قصہ پاک کرو۔"

"ہم یہاں سے نکل جائیں پھر اسے ڈسٹ بن میں ڈال دیں گے۔ ایسی چیزوں کا بے احتیاطی سے تلف کرنا بعض اوقات گلے پڑ جاتا ہے۔"

میں نے ٹرانسمٹر اٹھا کر ایک مرتبہ پھر ڈک کے لیے پیغام نشر کیا۔ اس کی طرف سے فوراً ہی جواب مل گیا۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ کسی شہر کے بجائے اس وقت ہائی وے سے آگے نیویارک جانے والے ٹرک کے ریسٹ ایریا میں رکا ہوا ہے۔

ہمارے لیے بھی وہ مقام بہتر تھا۔ اسے وہیں رکنے کی ہدایت کرکے میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔

بدری ناتھ کے بارے میں اس نے کچھ پوچھا نہ میں نے بتایا۔ ڈک والے ریسٹ ایریا میں' میں نے خالی ڈبوں اور تھیلیوں کے ساتھ کچلے ہوئے پرزوں کی تھیلی بھی ڈسٹ بن میں ڈال دی۔ کچھ دیر تک وہاں قیام کے بعد ہم نے تھوڑے سے فاصلے سے واپسی کا بقیہ سفر طے کرنا شروع کردیا۔ اس بار ڈک کی گاڑی ہم سے آگے تھی۔

حیرت ناک بات یہ تھی کہ کافی وقت گزر جانے کے باوجود ریڈیو سے اس واقعے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا گیا تھا۔

○☆○

سات بجے سے ہمارے کمرے میں ریڈیو بھی آن تھا اور ٹیلی وژن بھی چل رہا تھا مگر کہیں سے کوئی خبر نہیں آرہی تھی۔ ویرا نے گھر پہنچتے ہی معلومات کے ان دونوں ذرائع کو بیک وقت فعال کرنے کے بعد غسل خانے کا رخ اختیار کیا تھا اور اب منہ لٹکائے بیٹھی تھی۔

امریکا جیسے ملک میں کسی بڑی خبر کو تین چار گھنٹوں تک یوں چھپائے رکھنا میرے لیے حیران کن تھا۔ پتا نہیں وہ لوگ اس بارے میں کیا سوچ رہے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

آخر کار سوا آٹھ بجے بلیک ڈیڈ کا فون آگیا "ڈک سے مجھے معلوم ہوگیا کہ تم میری طرف سے ایک اور مبارک باد کے حق دار بن چکے ہو لیکن فیئر فیکس والے خاموش کیوں ہیں؟"

"اس کا جواب وہی دے سکتے ہیں۔ میں خود اس بارے میں فکر مند ہوں۔"

"ریسیور پر دھماکے کی ہلکی سی آواز تم نے اپنے کانوں سے سنی تھی؟"

"اس وقت روزی سمیت مائیک بھی میرے ساتھ گاڑی میں موجود تھا۔"

ٹیلی وژن اسکرین پر معمول کی نشریات چل رہی تھیں۔ بلیک ڈیڈ کی اشتباہ آمیز تفتیش کا سامنا کرتے ہوئے بھی میری نگاہیں اسی طرف مرکوز تھیں۔ اچانک وہ سلسلہ منقطع ہوگیا اور اسکرین پر اسپیشل نیوز بلیٹن کی سلائیڈ چھا گئی۔

"سنو ڈیڈ.... ٹیلی وژن اسکرین پر کوئی خاص خبر آنے والی ہے۔" میں نے وہ خبر فوراً ہی اس تک پہنچا دی تاکہ ہماری کامیابی کے بارے میں اس کے شبہات دور ہو سکیں۔

"میرے کمرے میں ٹیلی وژن نہیں ہے۔ ذرا آواز بڑھا دو۔ میں فون پر ہی خبر سن لوں گا۔"

میں نے ویرا کو آواز بڑھانے کا اشارہ کیا اور اپنا رخ بدل لیا تاکہ ٹیلی وژن کی آواز براہِ راست ماؤتھ پیس میں پہنچ سکے۔ اسکرین پر اناؤنسر کا چہرہ نمودار ہو چکا تھا۔

اناؤنسر کے سیاہ لباس اور تنے ہوئے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے پاس اپنے ناظرین کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں تھی۔

خبر وہی تھی جس کا ہم سب کو شدت سے انتظار تھا۔ فیئر فیکس میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر کے دفتر میں ہونے والے ایک طاقت ور... بارودی دھماکے میں ڈائریکٹر سمیت تین امریکن اور ایک بھارتی کی ہلاکت ہوئی تھی۔ مرنے والوں میں بقیہ دو سی آئی اے کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھے۔ بدری ناتھ نامی چوتھا شخص انڈین ٹریٹی تھا جو خاص مہم پر کام کر رہا تھا۔

خبر میں دھماکے کی نوعیت اور دوسری تفصیلات سے گریز کیا گیا تھا۔ امریکی قوم کو صرف یہ اطلاع دی گئی تھی کہ امریکا کے مشرقی معیاری وقت کے مطابق تین بج کر چالیس منٹ پر وہ تباہی نازل ہوئی تھی۔ اس خبر میں عمارت کو پہنچنے والے نقصان یا زخمیوں کی تعداد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ خبرنامہ جائے واردات کی فلم رپورٹ سے یکسر عاری تھا۔

"مبارک ہو۔ خبر آہی گئی۔ فلم میں وہ منظر کیسا لگ رہا تھا؟" بلیک ڈیڈ نے پوچھا۔

"فلم نہیں دکھائی گئی۔ یہاں بھی ہمیں توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ چینل بدلتے رہو۔ کہیں نہ کہیں سے تفصیلی خبر آ ہی جائے گی۔ معاملہ سی آئی اے کا ہے اس لیے ہر ایک محتاط رہ کر زبان کھولے گا۔"

"اس کامیابی کے بعد میں امریکا میں رکنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔ یہ یاد رکھنا کہ کل میں ہر صورت میں یہاں سے نکل جاؤں گا۔" میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"میری دلی خواہش ہے کہ تم کچھ دن اور یہاں رہو۔ اب تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ خاموشی سے روپوش رہو اور اپنے دشمنوں کو دنیا بھر کی خاک چھاننے دو۔ یہ گرد دب جائے تو اطمینان سے اپنے وطن روانہ ہو جانا۔ تم کو کوئی نہیں چھیڑ سکے گا۔"

"پہلی بات یہ ہے کہ خالی بیٹھنا میری فطرت کے خلاف ہے۔ دوسری اور زیادہ اہم بات یہ کہ ابھی سی آئی اے والے بدحواس ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان کے گڑھ میں یہ سب کیسے ہو گیا۔ ایک دو روز میں بارودی ماہرین کی رپورٹیں آئیں گی تو بہت کچھ کھل جائے گا۔ میں ان لوگوں کے ہوش میں آنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہاری نگاہیں مجھ سے کہیں دور تک دیکھ لینے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ اپنے فیصلے تم خود ہی کر سکتے ہو۔"

بلیک ڈیڈ اپنی عام زندگی میں جس قدر تند خو اور منہ پھٹ مشہور تھا' ہمارے ساتھ دوستی کے بعد اسی قدر لحاظ و مروّت سے پیش آ رہا تھا۔ میری زبان سے روانگی کا پختہ پروگرام سن کر وہ بجھ سا گیا اور پھر جذباتی ہونے لگا۔

اس جیسے شخص کا کسی کے لیے یوں آزردہ ہونا بہت بڑی بات تھی۔ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا اور میں اسے دلاسے دیتا رہا۔ وہ اس وقت تک اپنی کامیابیوں کے خمار میں مبتلا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ میری مدد سے اس نے نیویارک کی زیرِ زمین دنیا میں اپنی عظیم الشان سلطنت کی داغ بیل ڈال دی ہے جس پر کوئی ٹیڑھی نگاہ نہیں ڈال سکے گا۔

وہ آنے والے دنوں کے ان خطرات سے بالکل بے خبر تھا جو مجھے اس وقت بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ قانون کی زد سے اسی وقت تک محفوظ تھا جب تک میرا یا ویرا کا نام سامنے نہیں آتا تھا۔ جس دن یہ بات ثابت ہو جاتی کہ اس نے ہمیں نیویارک میں پناہ دی ہوئی تھی' اس کے سارے سنہرے خواب چکنا چور ہونے شروع ہو جاتے۔ اس انجام کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

فورٹ ہاؤس کی دو لاشوں پر لیزر گن کے استعمال کی بات ثابت ہو چکی تھی۔ جب فیئر فیکس میں ٹی این ٹی بلٹ کے استعمال کا انکشاف ہوتا تو بلیک ڈیڈ کے لیے مشکلات پیدا ہونی شروع ہو جاتیں۔ وہ مستقبل کے اندیشے تھے۔ میں نے ان کا ذکر چھیڑ کر اس کی خوش فہمیوں پر اوس ڈالنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

وہ دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے ویرا سے بھی بات

Downloaded from https://paksociety.com

کی۔ اپنے شہر بلکہ ملک سے ہمیں الوداع کہنے کے لیے اس نے صبح اپنی آمد کا ارادہ ظاہر کیا تو ویرا نے اسے خوب صورتی سے ٹال دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی آمد ہمارے لیے کسی آسانی کے بجائے مسائل کا سبب بن جائے گی۔

مائیک کو بھی کسی طرح ہماری روانگی کی بھنک مل چکی تھی۔ بلیک ڈیڈ سے گفتگو ختم ہوتے ہی وہ ہمارے لیے اسکاچ کی نئی بوتل دوسری چیزوں کے ساتھ لے آیا۔

میری ہدایت پر دو کے بجائے تین گلاس بناتے ہوئے مائیک کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "کیا تم واقعی کل یہاں سے جا رہے ہو؟"

"حیرت ہے۔ ہماری نشستیں تو تم ہی کنفرم کرا کے لائے تھے۔" میں نے کہا۔

"میں نے سنا تھا کہ باس تم دونوں کو روک لے گا۔" وہ اداس ہو کر بولا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں دلدل میں بھاگ رہے ہیں۔ ابھی تک قسمت ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ ہم یہاں رکے رہے تو ایک دن اچانک گردن تک دلدل میں غرق ہو جائیں گے اور کہیں نہیں بھاگ سکیں گے۔ بہتر ہے کہ وہ برا وقت آنے سے پہلے ہم خاموشی سے نکل جائیں۔ یہ بات تمہارے باس کی سمجھ میں بھی آگئی ہے۔ ہم سب کی بہتری اسی فیصلے میں مضمر ہے۔"

"یہ شہر ویران ہو جائے گا۔ باس تنہا رہ جائے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں اسے کسی کے ساتھ اتنا بے تکلف اور مہربان نہیں دیکھا جتنا وہ تمہارے ساتھ ہے۔"

"بے کار باتیں ہیں.... یہ دیکھو کہ دنیا میں کیسے کیسے لوگ مرجاتے ہیں۔ ان کی زندگی میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ ان کے بغیر زندگی کا پہیا چل سکے گا۔ وہ مرجاتے ہیں' چند روز کے رونے پیٹنے کے بعد زندگی اپنی ساری رونقوں کے ساتھ رواں دواں ہو جاتی ہے۔"

مرنے والوں کی مثال پر وہ لاجواب ہو گیا "تمہاری بات ٹھیک ہے مگر بہت سے مرنے والوں کو لوگ زندگی بھر نہیں بھول پاتے۔ میں نے تمہارے ساتھ رہ کر دیکھ لیا ہے۔ تم دونوں جیسے بامروت لوگ میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔"

وہ ہمارے ساتھ بیٹھا بے نوشی کرتا اور ہمارے گن گاتا رہا۔ دو لارج پیگ معدے میں اترنے کے بعد یہ معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہماری روانگی کے غم میں کسی بھی لمحے رونا شروع کر دے گا۔ میں نے فوراً ہی اسے کھانا لگانے کی ہدایت کے ساتھ کمرے سے اٹھا دیا۔

"سب سے روانگی کے موضوع پر باتیں ہو رہی ہیں تو جینی سے بھی بات کر لو۔" میں نے ایک مرتبہ پھر اسے یاد دلایا "اس نے ہر مرحلے پر تمہارا بہت ساتھ دیا ہے۔"

"تمہاری زبان سے اس کا ذکر سن کر مجھے چڑ سی ہونے لگی ہے۔" ویرا منہ بنا کے بولی۔

"اس وقت میں پوری طرح سنجیدہ ہوں۔ میں اس سے بات نہیں کروں گا۔ بس تم اپنا اخلاقی فرض پورا کر لو۔ دنیا بہت مختصر ہو کر رہ گئی ہے۔ پتا نہیں تمہیں پھر کہاں اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

"اگر تم دخل اندازی نہیں کرو گے تو میں یہ نیک کام ابھی کیے لیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر ویرا نے اسپیکر فون آن کیا اور جینی کا نمبر ملا ڈالا۔ وہ رنگس کا دفتر بند ہونے کے بعد مسلسل اپنے گھر پر آرام کر رہی تھی اور اس کی بیشتر شامیں کمپیوٹر پر مے نوشی کرتے ہوئے گزرتی تھیں۔ اس وقت بھی اس کی آواز خمار سے قدرے بوجھل ہو رہی تھی۔

"اوہ' روزی! تم بہت بے وفا ہو۔" ویرا کی آواز سنتے ہی اس کی متاسفانہ آواز ابھری "معلوم ہے کہ تم کتنے دن بعد مجھے فون کر رہی ہو؟"

"مجھے سب معلوم ہے۔ میں اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہوں۔ اسلم مجھے چھوڑ کر اچانک کہیں غائب ہو گیا ہے۔ میں نے اس کی تلاش میں نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے۔"

"وہ ایسا ہرجائی نہیں تھا۔ تم نے ہی اپنی زیادتیوں سے اسے بھاگ جانے پر مجبور کیا ہو گا۔" جینی کے لہجے سے بھرپور بے اعتباری مترشح تھی۔ پھر اس نے چونکی ہوئی آواز میں کہا "ایسا تو نہیں کہ مجھے اس سے دور رکھنے کے لیے تم یہ کہانی سنا رہی ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں اسے پسند کرنے لگی تھی۔"

"بکواس مت کرو۔" ویرا نے مصنوعی غصے سے اسے ڈانٹا۔ "میں اتنی خودغرض نہیں ہوں کہ تم جیسی عزیز ہستی کو ایسے فریب دیتی پھروں۔ وہ واقعی کہیں بھاگ گیا ہے اور اب میں بھی کسی وقت یہاں سے روانگی کے پروگرام پر غور کر رہی ہوں۔"

جینی کو گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آگئی "مجھ سے یہ سب نہ کہو۔ اس مرتبہ تم نے میرے ساتھ خودغرضی کی انتہا کر دی ہے۔ مجھے ایسی بے رحمی سے استعمال کیا ہے کہ کسی کسی وقت مجھے اپنے آپ سے شرم آنے لگی ہے۔ میں تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔"

"یہ تم کن باتوں کا ذکر کر رہی ہو؟" ویرا نے انجان بن کر معصومیت سے پوچھا۔

"اتنی بھولی نہ بنو۔" جینی کا طنزیہ جواب آیا "ہر مرتبہ تم نے جو چاہا' میں تم کو فراہم کرتی رہی لیکن تم ہر بار مجھے دھوکا دیتی رہیں۔ میں اپنے سابق باس کا کوئی شکوہ نہیں کرتی لیکن ولسن کا آج تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ تم نے مجھ سے چار پتے مانگے تھے۔ میں نے رنگس کے ریکارڈ سے جارج شلز کا پتا دیتے ہوئے التجا کی تھی کہ میری فراہم کی ہوئی معلومات کو کسی خوں ریزی کا ذریعہ نہ بنانا مگر چند

Downloaded from https://paksociety.com

روز پہلے شلز ہی نہیں' تمہارے چاروں مطلوب افراد فورٹ ہاؤس میں مار ڈالے گئے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہاری اس وعدہ خلافی سے مجھے کیسی شدید ذہنی اذیت پہنچی ہے۔"

"وہ میرا کام نہیں تھا۔ تم جانتی ہو کہ ایسے کاموں میں ایک ٹیم چلتی ہے۔ میں دوسروں کو اعتماد میں لینے کے بعد قطعی بے بس ہوگئی تھی۔ انہوں نے وہی کیا جو وہ چاہتے تھے۔" ویرا نے ضرورت کے مطابق اپنی آواز میں بے چارگی کے تاثرات پیدا کرلیے تھے۔

"تم بتاؤ کہ میں کیا کرتی؟"

"مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ اب تم پہلے جیسی نہیں رہی ہو۔ وقت اور تجربوں نے تمہیں اندر سے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ آئندہ مجھے ان باتوں کا دھیان رکھنا پڑے گا۔"

"آئندہ کے لیے تم آزاد اور خود مختار ہو۔ اس بار جو کچھ ہوا' اس کے لیے میں شرمندہ ہوں۔ میں اپنی انا کے خول میں سمٹ کر تم جیسی دوست کو کھونا نہیں چاہتی۔"

جینی کی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولی "میں تمہاری معذرت قبول کیے لیتی ہوں مگر سچ سچ بتاؤ کہ تمہارا وہ بوائے فرینڈ کہاں ہے۔ میں حلفیہ بتا رہی ہوں کہ آج بھی میں گھنٹوں تمہارے اور اس کے بارے میں سوچتی ہوں۔ اس وقت تمہارا فون نہ آیا ہوتا تو میں صبح ایک بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کرچکی تھی۔ اس سے تمہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔"

ویرا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر میری طرف دیکھا پھر جینی سے پوچھا "ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم نے کون سا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہوا تھا؟"

"میں خود کو فورٹ ہاؤس میں مرنے والوں کا قاتل محسوس کرتی رہی ہوں۔ میرے لیے یہ احساس ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔ دوسری جھلاہٹ تمہاری دھوکے بازی کی تھی۔ مجھ سے جارج شلز کا پتا لے کر تم اچانک غائب ہوگئیں.... تمہیں معلوم ہے کہ مجھے پیسے کا کبھی لالچ نہیں رہا۔ میرے پاس جو کچھ ہے' وہ میرے لیے کافی ہے۔ میں نے تم پر مقرر کیے گئے انعام کے کسی لالچ کے بغیر نیویارک کے پولیس چیف کو تمہاری یہاں موجودگی سے آگاہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اسی طرح اپنے بڑھتے ہوئے احساسِ جرم سے نجات حاصل کرسکتی ہوں۔"

"شاید تمہارا دماغ چل گیا تھا۔" ویرا وحشت زدہ آواز میں بولی۔

"نہیں ڈارلنگ! میں بہت سنجیدہ تھی۔ سچ پوچھو تو میں اس وقت کمپیوٹر پر پولیس چیف کے نام اپنا فیکس ہی تیار کررہی تھی۔ صبح یہ فیکس اس کی میز پر موجود ہوتا۔ اس میں تمہارا ہی نہیں' تمہارے بوائے فرینڈ کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔"

جینی کے اس انکشاف پر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ ویرا کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا "میں نے جان بوجھ کر کوئی دھوکا نہیں دیا۔ میں اپنی دشواریوں میں گھری ہوئی تھی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ تجرد کی زندگی گزار کر تم اتنی حساس اور خطرناک ہوگئی ہو۔ فوراً وہ خط ضائع کردو' اسے کمپیوٹر کی میموری سے بھی نکال دو۔"

"تم مجھ سے بات کررہی ہو' میں تمہاری معذرت قبول کرچکی ہوں۔ یہ سب نہ ہوا ہوتا تو طلوع ہونے والا سورج تمہارے لیے مصائب کے پیغام لاتا۔ اب میں ہر چیز ضائع کردوں گی۔ میں تجرد کی زندگی گزار... رہی ہوتی تو شاید خطرناک بھی ہوگئی ہوتی۔ تم جانتی ہو کہ ہم جیسی لڑکیاں اس کرب سے نہیں گزرتیں۔ ایک اشارے پر کئی دوست پیدا ہوجاتے ہیں جو ماضی کو کریدتے ہیں نہ مستقبل کے سنہرے خواب دکھاتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو وقت گزار لیا جائے' وہی غنیمت ہوتا ہے۔"

"مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ تم میرے خلاف مخبری کرنے کا ارادہ کرچکی تھیں۔"

"ڈارلنگ! جرم کرنا شاید دنیا کا آسان ترین کام ہے لیکن احساسِ جرم کو اپنے دل سے نکال پھینکنا اور ضمیر کے کچوکوں کو سہنا بہت مشکل بلکہ ناممکن کام ہے۔ فورٹ ہاؤس کی خبریں پڑھنے کے بعد میں مسلسل اس کیفیت سے گزر رہی تھی' میری نیندیں اڑ گئی تھیں۔ مخبری کرکے میں نے اس روگ کا ازالہ کرنے کی ایک کوشش کرنی چاہی تھی۔ تمہاری اس فون کال سے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے۔ اب مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

"تمہیں دوبارہ یہ دورہ پڑ سکتا ہے۔" ویرا اس سے خوف زدہ دکھائی دے رہی تھی۔

جینی کی ہنسی بہت گہری اور جان دار تھی "میں نے تم سے کچھ نہیں چھپایا۔ میں جھوٹ بولتی ہوں نہ جھوٹے وعدے کرتی ہوں۔ تمہیں مجھ سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"غنیمت ہے کہ میں نے تمہیں فون کرلیا۔" ویرا گہرا سانس لے کر بولی "اور بات رفع دفع ہوگئی ورنہ میں بے خبری میں کہیں بھی ماری جاسکتی تھی۔"

"اب سچ سچ بتادو کہ تمہارا بوائے فرینڈ کہاں ہے؟" جینی نے تیسری بار سوال دہرایا۔

"تم پرسوں تک انتظار کرو۔" ویرا نے مجھے آنکھ مار کر اسے دلاسا دیا "میں اسے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالوں گی اور وہ دُم ہلاتا ہوا تمہارے پاس پہنچے گا۔ ہوسکتا ہے کہ آج کی مفاہمت کی خوشی میں' میں دستبردار ہوکر اسے تمہارے حوالے کردوں۔"

"مجھے بہلانے کے لیے تم بہت بڑی پیش کش کررہی ہو۔" جینی اپنے نپے تلے الفاظ سے ویرا کے زخموں کو کرید رہی تھی۔ وہ ویرا کے سامنے انجان بنی ہوئی تھی مگر میری اصلیت سے واقف تھی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ویرا کا دعویٰ کھوکھلا تھا۔ وہ اسے پورا نہیں کرسکتی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ایک دو روز میں تم دیکھ لوگی کہ میرا دل کتنا بڑا ہے۔" ویرا نے اصرار کیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ واقعی ڈینی نہیں ہے۔" جینی نے کھل کر میرا نام لے ڈالا۔

"تم سے کس نے کہا کہ وہ ڈینی ہے؟" ویرا نے بھڑک کر سوال کیا۔

"کون کہتا؟ بس دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ ابھی تک مجھے شبہ تھا کہ وہ تمہارا پرانا دوست ہے جو نام بدل کر یہاں آیا ہوا ہے۔ وہ وہی ہوتا تو تم اس سے اتنی آسانی سے الگ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کے لیے تم نے اپنے باپ اور ملک سے ٹکر مول لی تھی۔"

"جینی! خدا کے لیے بس کرو۔ تم نشے کی جھونک میں ہو اور بولے چلی جارہی ہو۔ تم نے ذرا سی دیر میں میرے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی ہیں۔ میں جلد ہی تم سے ملوں گی اور تمہارے دماغ کے سارے کیڑے جھاڑ دوں گی۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"گڈ نائٹ ڈارلنگ!" جینی کی مخمور آواز ابھری "میں نے تمہیں سوچنے کے لیے بہت سا مواد دے دیا ہے۔ اگر اگلے چند دنوں میں ہماری کوئی ملاقات ہوئی تو ان حرکات پر ضرور بات ہوگی۔"

جینی نے اگلی ملاقات کے بارے میں سہمے کا اظہار کر کے ایک اور چٹکی لے ڈالی تھی۔ ویرا اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے اسے خاموشی سے پی گئی اور گڈ نائٹ کہہ کر فون بند کر دیا۔

"آج گولی ہمارے کان پر سے گزری ہے۔ تم اسے فون نہ کرتیں تو کل ہماری روانگی کا خواب ادھورا ہی رہ جاتا۔" میں نے تادیبی لہجے میں کہا "ہو سکتا ہے کہ ہم ائرپورٹ پر ہی دھر لیے جاتے۔"

"وہ تمہارے بارے میں سوچ رہی تھی اور تم اس کی دل جوئی کے لیے بے چین تھے۔ اسی کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔" ویرا نے جلے کٹے لہجے میں کہا "کل روانگی کے بارے میں اندیشوں کی داغ بیل پڑ گئی ہے۔ وہ نشے میں تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جھونک میں اپنا خط فیکس کر کے بھول گئی ہو اور مجھ کو بلاوجہ دلاسے دے رہی ہو۔"

"وہ زیادہ نشے میں نہیں تھی۔ ہر بات صحیح اور برمحل کر رہی تھی۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اس نے ایسی فاش غلطی نہیں کی ہوگی۔ ہماری روانگی کا پروگرام ذرا بھی تبدیل نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"اچھی طرح سوچ لو۔ ہم نے بڑے بڑے دشمنوں کو نمٹا لیا ہے لیکن جینی مار آستین ثابت ہو رہی ہے۔ وقت ہوتا تو میں اس کا دماغ بھی درست کر دیتی۔ پڑھ لکھ کر خود کو افلاطون سمجھنے لگی ہے۔"

مائیک شاید فون پر گفتگو کے اختتام کا منتظر تھا۔ اس نے آکر کھانا لگنے کی اطلاع دی اور ہم دونوں کچن کی طرف چل دیے۔

مائیک ہمارے پیچھے ہولیا۔

"خدا کرے کہ یہ نیویارک میں ہمارا آخری ڈنر ثابت ہو۔" ویرا نے کرسی سنبھالتے ہوئے اردو میں کہا "الو کی پٹھی نے بیٹھے بٹھائے ایک پریشانی میں مبتلا کر دیا۔"

"اس کا مسئلہ صرف اتنا سا ہے کہ تم نے اپنا الو سیدھا کرنے کے بعد اسے بری طرح نظرانداز کیا ہوا تھا۔ میری یاددہانی کو تم نے مذاق میں نہ اڑایا ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی۔ اب بار بار اس کا ذکر مت کرو۔ اگر تقدیر میں کوئی گردش لکھ ہی دی گئی ہے تو ہم روپیٹ کر اسے نہیں ٹال سکتے۔"

میز کے لوازم پورے ہونے کے بعد ہم نے مائیک کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ میری آخری تنبیہہ کے بعد ویرا نے جینی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ خاموشی سے کھانا ختم کر کے ہم نے یکے بعد دیگرے میز چھوڑ دی۔

اگلے روز امریکا روانگی سے پہلے میری نظریں ورجینیا سے آنے والی خبروں پر لگی ہوئی تھیں۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد میں نے خبروں کا ایک چینل چلتا رہنے دیا۔

ویرا طویل سفر کی تکان اور بے نوشی کی وجہ سے تھوڑی ہی دیر میں نیند کی پُرکیف وادیوں میں اتر گئی۔ میں سگریٹیں پھونک پھونک کر ٹیلی وژن دیکھتا رہا۔

وقفوں کے ساتھ ہر بار وہی ابتدائی خبر نشر کی جارہی تھی۔ اس میں صرف اتنا اضافہ ہوا تھا کہ عمارت کے گرد سخت پہرے اور احاطے میں ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے داخلے پر پابندی کی وجہ سے تفصیلات کا حصول تقریباً ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔

سوا بارہ بجے اسپتال کے ذرائع کے حوالے سے یہ اضافہ کیا گیا کہ چاروں لاشوں میں سخت فاسفر کے سیکڑوں چھوٹے چھوٹے دھار دار ٹکڑے کافی گہرائی تک پیوست تھے اور وہی موت کا سبب بنے تھے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ چاروں کسی طاقت ور کلسٹر بم کی زد میں آکر مارے گئے ہوں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ بم کا کوئی ٹکڑا لاشوں میں نہیں مل سکا۔

میں نے ٹیلی وژن بند کر کے دوسرے پہلو پر کروٹ بدلی اور سونے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

اگلی صبح نیویارک ٹائمز اس واقعے کی تفصیلات سے بھرا ہوا تھا۔ اخبار نے اپنی شہ سرخی میں اس خونین واقعے کو سی آئی اے کے مرکز میں پراسرار دہشت گردی قرار دیا تھا۔

اس واقعے کی پراسراریت یہ تھی کہ سخت حفاظتی انتظامات کی وجہ سے کوئی مشکوک شخص اس عمارت میں نہیں پھٹک سکتا تھا پھر دھماکا خیز مادہ وہاں کیسے اور کس کے ذریعے پہنچا۔ اگر بدری ناتھ وہ ہلاکت انگیز مادہ اپنے ساتھ لایا تھا تو کیا اسے اپنے انجام کا اندازہ نہیں تھا؟

خبروں میں جائے واردات سے گیپ کی نقل ملنے کا کوئی ذکر

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں تھا۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ نیویارک میں اپنے فرائض کی انجام دہی پر مامور بدری ناتھ کسی اطلاع کے بغیر اچانک فیئر فیکس کیوں آن پہنچا تھا۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ واردات ہر ایک کے لیے معمہ بن کر رہ گئی تھی۔

اس دھماکے سے ڈائریکٹر کے دفتر سے ملحق مزید دو کمرے اور بہت سی کھڑکیوں کے شیشے تباہ ہوئے تھے۔ اس ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں پانچ افراد کو شدید اور تین کو معمولی زخم آئے تھے۔ اس طرح حادثے کے جملہ متاثرین کی تعداد ایک درجن ہوگئی تھی۔

وہ دھماکا بدری ناتھ کے پہنچنے کے ساتھ ہی ہوا تھا۔ پھر فابیر کے سب سے زیادہ ٹکڑے اسی کے جسم کے درمیانی حصے میں پیوست پائے گئے تھے اس لیے دھکے چھپے الفاظ میں اسی کے خلاف شبہات کا اظہار کیا گیا تھا۔ ساتھ ساتھ اس کی کارکردگی کے حوالے سے یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ ادارے میں ہر فرد کی خوشنودی حاصل ہونے کے باوجود بدری ناتھ کو ایسی مجرمانہ کارروائی میں شمولیت کی کیا مجبوری پیش آسکتی تھی۔

اس واقعے کے بارے میں پایا جانے والا وقتی ابہام ہمارے لیے سود مند تھا۔ ہمارے نکل جانے کے بعد ساری کڑیاں مل بھی جاتیں تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑا جاسکتا تھا۔

"ماہرین آج نہیں تو کل تک ہر بات کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔" ویرا کی غیر ضروری مسرت پر میں نے اسے آگاہ کیا "چرمی بیلٹ کا کوئی بھی ٹکڑا ہاتھ آنے کے بعد بات صاف ہوجائے گی۔ مائیکروفون کا مصرف معلوم ہوتے ہی دھماکے کا طریقہ واضح ہوجائے گا اور تفتیش کا رخ بہت تیزی سے ٹی این ٹی بیلٹ پر مرکوز ہوجائے گا۔"

"ایسا ہونے تک ہم پاکستان میں بیٹھے ہوں گے۔ لندن ائرپورٹ پر ہمارا صرف چند گھنٹوں کا ٹرانزٹ ہے۔ طیارہ بدل کر ہم وہاں سے پرواز کرجائیں گے۔" ویرا نے کہا۔

ہمارے پاس زیادہ سازوسامان نہیں تھا۔ میرے پاس ہلکے پھلکے سوٹ کیس کے علاوہ ایک بریف کیس تھا۔ ویرا صرف سوٹ کیس کے ساتھ آئی تھی۔

ناشتے کے بعد میں نے نیویارک میں ویرا کا خریدا ہوا پستول اور ریوالور راؤنڈز سمیت مائیک کے حوالے کردیا کیونکہ ان ہتھیاروں کو پرواز پر ساتھ لے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے بعد ہمارا کل سامان وہی رہ گیا جو ہم لندن سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس میں بس ایک اہم اضافہ ہونا تھا جو بدری ناتھ سے حاصل ہونے والی سی ایس ڈی پر مشتمل تھا۔

ہماری پرواز کا وقت دو بجے تھا۔ ہمیں بارہ بجے نیو آرک ائرپورٹ پر پہنچنا تھا۔ میری خواہش تھی کہ ہم جلد از جلد شہر چھوڑ کر ائرپورٹ پہنچ جائیں۔ سر پر سفر سوار ہونے کے بعد مجھے گھر میں بیٹھے رہنا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

تیاریوں کے درمیان ساڑھے دس بجے بلیک ڈیڈ کا الوداعی فون آیا "تم سفر کی ابتدا ایک بڑی کامیابی سے کررہے ہو۔" اس نے کہا "اس مرتبہ کل ایک درجن شکار ہوئے ہیں۔"

"اب یہ حساب کتاب تم کو سنبھالنا ہے۔ ہم تو بنجارے ہیں۔ آج یہاں ہیں' کل کہیں اور ہوں گے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا۔

"بنجاروں کا کوئی دیس نہیں ہوتا۔ تم اپنے گھر جارہے ہو اور میں خود کو اندر سے خالی خالی محسوس کررہا ہوں۔ تم نے بہت کم وقت میں مجھے اپنا گرویدہ بنایا ہے۔ پاکستان جاکر مجھے بھول نہ جانا۔"

"جوڈی کو بتادینا کہ میری کال کو ٹالنے کی کوشش نہ کرے۔" میں نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں اس بدمعاش بڑھیا کو اچھی طرح سمجھا دوں گا۔"

بلیک ڈیڈ کو وقت کی تنگی کا اندازہ تھا۔ اس نے میرے بعد ویرا سے آخری گفتگو کرکے فون بند کردیا اور میں نے اسی وقت سی ایس ڈی کو فون کے تاروں سے جدا کرکے اس کے سیل نکالے اور ڈبیا کو اپنے بریف کیس میں ڈال لیا۔

مائیک ہم دونوں کو ایک ساتھ نیو آرک پہنچانے پر مصر تھا۔ میں نے اسے اپنے حفاظتی مسائل سے آگاہ کیا تو اس نے مجھے میرے سامان سمیت ایک چوراہے پر لے جاکر ٹیکسی دلوادی۔ ویرا کو میرے بعد اسی کے ساتھ ائرپورٹ پہنچنا تھا۔

میں ٹیکسی میں کوئنز' مین ہٹن اور دریاؤں کے پانی پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا بارہ بجے سے پہلے ہی نیو آرک ائرپورٹ پہنچ گیا۔ وہاں کانٹی نینٹل ائرلائنز کا کاؤنٹر کھل چکا تھا۔ ہر کمپیوٹر کے سامنے چند افراد اپنے سامان سمیت موجود تھے۔

جلد ہی میری باری آگئی۔ ٹکٹ اور پاسپورٹ دے کر میں نے بورڈنگ کارڈ لیا۔ بیگیج ٹیگ ٹکٹ سے منسلک کردیا گیا تھا۔ سوٹ کیس سے نجات حاصل کرکے میں امیگریشن کے سرسری مرحلے سے گزرا۔ متعلقہ افسر نے میرے پاسپورٹ سے لگا ہوا ڈس امبارکیشن کارڈ کا نصف حصہ الگ کیا اور کوئی مہر لگائے بغیر پاسپورٹ لوٹا دیا۔ میں سیڑھیاں طے کرکے لاؤنج کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں بار اور ریستوران کے ساتھ ہی ڈیوٹی فری شاپس بھی موجود تھیں۔ سیکیورٹی کے مرحلے پر مجھے کسی نے نہیں روکا تھا۔

ان دکانوں پر نظر پڑتے ہی مجھے یاد آیا کہ میں نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا سفر کرڈالا تھا مگر کراچی والوں اور خاص طور پر غزالہ کے لیے کوئی تحفہ تک نہیں خریدا تھا۔ ویرا کی آمد کے بعد خریداری کا ارادہ کرکے میں ایک ایسی جگہ پر بیٹھ گیا جہاں سے نئے آنے والے مسافروں پر آسانی سے نگاہ رکھ سکوں۔

دنیا بھر میں ترقی یافتہ ملکوں کے چمکتے دمکتے ہوئے ہوائی اڈے

Downloaded from https://paksociety.com

کچھ الگ ہی مزاج اور ماحول رکھتے ہیں۔ رنگا رنگ مسافروں اور چاق وچوبند عملے سے آباد ان روشن عمارتوں میں قدم رکھتے ہی انسان کا موڈ خود بخود خوش گوار ہونے لگتا ہے۔ روشنی، صحت، صفائی اور سہولتوں کی فراہمی کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ دیکھ کر رشک آتا ہے۔

مجھے اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ذرا ہی دیر ہوئی تھی کہ میں نے قرب و جوار میں دو ایسے باوردی افراد کو دیکھا جو اپنی دھیمی چال اور چبھتی ہوئی سوالیہ نگاہوں کی وجہ سے حفاظتی عملے کے ارکان معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے گشت کا مقصد مسافروں کو ہراساں کرنے کے بجائے انہیں مکمل تحفظ کا بھرپور یقین دلانا تھا۔ وہ اپنی حدود میں مشتبہ افراد اور اشیا کی تلاش میں مسلسل مصروف رہے تھے۔

میں ایک اسٹال سے کافی کا پیپر کپ خرید کر دوبارہ اسی جگہ آبیٹھا اور سگریٹ نوشی میں مصروف ہوگیا۔ سگریٹ ختم ہوئی، دھیرے دھیرے کافی کا کپ بھی خالی ہوگیا۔ وقت گزرتا رہا، ساڑھے بارہ بج گئے لیکن ویرا کی آمد کے آثار نظر نہ آئے تو مجھے تشویش ہونے لگی۔

اپنی بے چینی پر قابو پانے کے لیے میں نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کردیا۔ میں نے اپنا بریف کیس صوفے نما کرسی کے پاس ہی چھوڑ دیا تھا۔

میں اپنی فکر میں غلطاں اس مشق میں مصروف تھا کہ نہ جانے کہاں سے سیکیورٹی کا ایک ترش رو آدمی میری نشست کے قریب پہنچ کر میرے بریف کیس کو پُرتشویش نظروں سے گھورنے لگا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی میں لپک کر وہاں پہنچا تو اس نے میرے سراپا پر ایک نظر ڈالی اور پوچھا "یہ بریف کیس تمہارا ہی ہے؟"

"بالکل.... میرا ہی ہے۔" میں نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"بورڈنگ کارڈ؟" اس نے میری طرف ہاتھ پھیلایا۔

میں نے اندر کی جیب سے بورڈنگ کارڈ نکالا ہی تھا کہ اس نے اسے چھوئے بغیر، آنکھیں موند کر اثبات میں سر ہلایا اور بولا "بریف کیس کے ٹیگ پر اپنا نام لکھو اور اسے یوں لاوارث نہ چھوڑو۔ کوئی بھی اٹھا کر لے جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ آگے چل دیا۔

میں دوبارہ وہیں بیٹھ گیا۔ اس بار برقی زینے پر فوراً ہی ویرا طلوع ہوتی نظر آئی۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں پھر وہ کسی اجنبی کی طرح فرش پر ایڑیوں سے کھٹ کھٹ کرتی میرے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔ میں بدستور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

کافی مسافروں کی آمد کے بعد میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اسکرین پر اس وقت تک ہماری پرواز کی بورڈنگ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن سے گزر کر میں نے ڈیوٹی فری شاپس کا جائزہ لینا شروع کیا اور قیمتیں دیکھ کر اندازہ لگایا کہ وہاں ہر چیز بہت مہنگی تھی۔

نیو آرک سے مہنگی چیزیں لاد کر کراچی تک لے جانا حماقت ہی ہوتا۔ میں نے سوچ لیا کہ اپنی خریداری دبئی ائرپورٹ سے کروں گا۔ البتہ نیو آرک سے چند چھوٹی موٹی چیزیں خریدی جاسکتی تھیں۔

میں مصنوعی زیورات اور انگوٹھیوں کی ایک دکان میں داخل ہوا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں گھسی ہوئی تھی اور آئینے کے سامنے ایک نیکلس پہن کر دیکھ رہی تھی۔

"ہائے مسٹر!" مجھے دیکھتے ہی، اس نے کسی اجنبی کی طرح مخاطب کیا "ذرا دیکھنا یہ ہار میرے گلے میں کیسا لگ رہا ہے؟"

دکان دار دلچسپی سے ویرا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے انگریزی ہی میں جواب دیا "معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہار صرف تمہاری خوب صورت گردن کے لیے ہی بنایا گیا ہے۔ اس کے لیے اس سے بہتر جگہ مشکل سے ہی ملے گی۔"

اس نے خوش ہو کر میرا شکریہ ادا کیا اور نیکلس اتار کر پیکنگ کے لیے دکان دار کو دے دیا۔

"میں نے تمہارا مسئلہ حل کردیا۔ اب ذرا میری مدد بھی کرو۔" میں نے دکان دار کو سنانے کے لیے کہا۔

ویرا لپک کر میرے قریب آگئی اور شوکیس پر جھکتے ہوئے اردو میں بڑبڑائی "گاڑی کا ٹائر پنکچر ہوگیا تھا ویسے سب خیریت تھی۔"

"چند مردانہ اور زنانہ انگوٹھیوں کا انتخاب کردو۔" میں نے ویرا سے فرمائش کی۔

ویرا نے چند منٹ میں میرا مسئلہ حل کردیا اور دکان دار سے اپنا نیکلس لے کر چلی گئی۔ میں نے بورڈنگ کارڈ دے کر اپنی خریدی ہوئی مزید چند اشیا کا بل بنوایا۔ رقم کی ادائیگی کی اور اس دکان سے باہر نکل آیا۔ ویرا سے مختصر سی بات ہوجانے کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا تھا۔

غزالہ اور دوسرے دوستوں کے لیے میری وہ مختصر سی خریداری محض علامتی تھی۔ ان تحفوں کے ذریعے میں ان لوگوں کو یہ یقین دلا سکتا تھا کہ پاکستان سے ہزاروں میل دور ایک دوسرے براعظم میں ہوتے ہوئے بھی میں ان کے خیال سے غافل نہیں تھا۔

ایک بجے لاؤنج میں جا بجا نصب کلوزڈ سرکٹ ٹیلی وژن اسکرینوں اور بڑے بڑے اطلاعی بورڈز پر ہماری پرواز کی بورڈنگ شروع ہونے کا اعلان آگیا۔

گھر سے نیو آرک ائرپورٹ پہنچنے کے بعد میں خود کو بڑی حد تک امریکا سے باہر اور محفوظ تصور کررہا تھا لیکن دل میں ایک خوف یہ بھی تھا کہ اس وقت میں اسی سرزمین پر تھا۔ بے شمار لوگ مختلف کاموں اور ضرورتوں کے تحت لاؤنج میں اِدھر اُدھر آجارہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی میرے یا ویرا کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

لاؤنج کے مقابلے میں طیارہ ہمارے لیے زیادہ بہتر اور محفوظ تھا۔ وہاں ہم غیر متعلقہ افراد کی نظروں سے بچ سکتے تھے۔ مسافروں

Downloaded from https://paksociety.com

اور جہاز کے عملے سے مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس گیٹ کی طرف چل دیا جس سے گزر کر میں اپنی پرواز تک پہنچ سکتا تھا۔

وہاں کوئی بھیڑ بھاڑ یا ہنگامہ آرائی نہیں تھی۔ ہال سے گینگ وے میں داخلے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کے دہانے کونے پر ایک دراز قامت اور خوب رو امریکی لڑکی فضائی میزبان کی وردی پہنے مسافروں کا انتظار کر رہی تھی۔

اس نے مسکرا کر مجھے خوش آمدید کہا۔ بورڈنگ کارڈ کا ایک حصہ پھاڑ کر اپنے پاس محفوظ کیا اور دوسرا حصہ مجھے لوٹا دیا۔ میں دروازہ عبور کر کے چوکور اور ڈھلوان سرنگ میں داخل ہو گیا جو خاصی روشن اور ہوادار تھی۔

لاؤنج کو براہِ راست طیارے سے منسلک کرنے والے اس گینگ وے میں مجھ سے آگے صرف تین مسافر نظر آ رہے تھے جو میری ہی طرح اپنی سلامتی کے بارے میں تشویش میں مبتلا تھے یا پھر نو آموز مسافر تھے۔ میں نے ملکی اور غیر ملکی پروازوں میں بیشتر یہ دیکھا تھا کہ تجربے کار مسافر سفر کے آغاز سے پہلے زمین کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر آخری لمحات میں ایک ہجوم کی صورت میں طیارے کا رخ کرتے ہیں۔ بورڈنگ کے اس آفاقی اصول کا لحاظ میری اس پرواز پر بھی ہوا تھا جو تھوڑی دیر بعد زمین سے رشتہ توڑ کر فضا کی وسعتوں میں بلند ہونے والی تھی۔

میری توقع کے عین مطابق وسیع و عریض جہاز تقریباً خالی پڑا ہوا تھا۔ اس دیو قامت کیبن میں اکا دکا مسافروں کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا۔ راہداریوں میں جہاز کے عملے کے ارکین نشستوں اور ان کے اوپر بنے ہوئے خانوں میں رکھی ہوئی اشیا کی دیکھ بھال کرتے پھر رہے تھے۔

میں سگریٹ نوشوں کے لیے مخصوص کی جانے والی نشستوں میں اپنی جگہ تلاش کر کے کھڑکی کے ساتھ جا بیٹھا۔ لاؤنج سے طیارے میں آ کر میں نے عجیب سا اطمینان محسوس کیا تھا۔

طیارے میں رفتہ رفتہ مسافروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ اندر چھائے ہوئے سکون یا سناٹے میں متعدد ملی جلی اور خوش گوار آوازیں گونجنے لگیں۔

آخر کار بورڈنگ مکمل ہو گئی۔ بظاہر پورا طیارہ بھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ امریکی سامان سے لدے پھندے مسافر مشکل سے اپنے اپنے دستی سامان کو اِدھر اُدھر کھپا سکے تھے۔ میں وہ سارے تماشے دیکھ رہا تھا لیکن پوری کوشش کے باوجود یہ دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا کہ ویرا کو جہاز میں کہاں جگہ ملی تھی۔

عملہ خوش اخلاقی سے مسافروں کو اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھنے کی تلقین کرنے میں مصروف ہو گیا۔ آغازِ سفر کی ہدایات پورے کیبن میں روشن تھیں۔ بحرِ اوقیانوس پر مسلسل گھنٹوں تک اڑنے والی پرواز کے مسافروں میں خاصا جوش و خروش موجود تھا۔

آخر کار جہاز سے ٹیلی اسکوپک گینگ وے الگ کر کے دروازے بند کر دیے گئے۔ انجن چلائے گئے اور مسافر کھٹ کھٹ کی آوازوں کے ساتھ حفاظتی بیلٹیں باندھنے لگے۔

اپنی کمر کے گرد سیفٹی بیلٹ باندھتے ہوئے مجھے اچانک بدری ناتھ کا خیال آ گیا اور میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ پچھلے دن وہ بھی ایک بیلٹ کا شکار ہوا تھا۔ اس نے میرے دیے ہوئے جس تحفے کو خوشی سے قبول کیا تھا' آخر کار وہی اس کی عبرت ناک موت کا سبب بنا تھا۔

بارودی بیلٹ اور جہاز کی حفاظتی بیلٹ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

جہاز رن وے پر حرکت میں آ گیا۔ وہ گھوم کر دھیرے دھیرے اپنا رخ تبدیل کر رہا تھا۔ سمت درست ہوتے ہی جہاز کسی مست خرام پرندے کی طرح آگے رینگنے لگا۔ گزرنے والا ہر لمحہ امریکا کی سرزمین سے میرے تعلق کو کمزور تر کرتا جا رہا تھا۔

اپنے طے شدہ رن وے کے ایک سرے پر پہنچ کر طیارہ رک گیا۔ قرب و جوار کی دوسری پٹیوں سے کئی جہاز اڑان لینے کے مختلف مرحلوں سے گزر رہے تھے۔ ہمارے جہاز کے کپتان کو کنٹرول ٹاور کی طرف سے پرواز کی اجازت کا انتظار تھا۔

اجازت ملتے ہی طیارہ تیزی سے بڑھتی ہوئی رفتار کے ساتھ کنکریٹ کی پٹی پر دوڑنے لگا اور پٹی ختم ہونے سے پہلے ہی ترچھا ہو کر فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

ٹیک آف کے بعد فضا میں بڑے طیاروں کی مست خرامیاں ایک انوکھا تجربہ ہوتی ہیں۔ ہوا باز اگر مشاق اور تجربے کار ہو تو جہاز کے نرم ہچکولے اور دائیں بائیں طرف کے جھکاؤ مزہ دے جاتے ہیں۔ ابھی جہاز ان مراحل سے گزر ہی رہا تھا کہ مخصوص نشستوں پر سے تمباکو نوشی کی ممانعت کی ہدایات تاریک ہو گئیں۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ اسکرین پر ہنگامی صورتِ حال میں اختیار کی جانے والی تدابیر کی فلم اپنے آخری مراحل میں تھی۔ جہاز کا عملہ اپنے عملی مظاہرے شاید ٹیک آف سے پہلے ہی مکمل کر چکا تھا۔ میں اپنے خیالوں میں گم ہونے کی وجہ سے ادھر دھیان نہیں دے سکا تھا۔

جہاز کے بلند ہونے کا زاویہ کم ہو چکا تھا مگر وہ بادلوں کے پرے چیرنے کے بعد اس وقت بھی مسلسل بلند ہو رہا تھا۔ بحرِ اوقیانوس کے پانی میں بکھرے ہوئے جزیرے ننھے ننھے نکتوں میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ کشتیاں کھلونوں کے مانند نظر آ رہی تھیں۔ سورج کی نکھری ہوئی تیز روشنی میں وہ منظر نگاہوں کو بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

اس وقت میری توجہ دو اطراف میں بٹی ہوئی تھی۔ مجھے جہاز کی راہداریوں میں ویرا کی تلاش تھی اور میں باہر کے حسین مناظر

Downloaded from https://paksociety.com

سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میرے برابر میں بیٹھے ہوئے نک چڑھے اور معتکف انگریز نے اپنے بریف کیس میں سے ایک ضخیم کتاب نکال کر پورے انہماک سے چاٹنی شروع کردی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس کتاب کے مطالعے کے لیے ہی جہاز پر سوار ہوا ہو۔

میں نے اسی لمحے اپنے اس خشک مزاج ہم سفر سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ارادہ کرلیا اور ویرا کی تلاش کی نیت سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

معمر انگریز نے مجھے یوں چونک کر دیکھا جیسے میں نے اسے نیند سے جھنجوڑ ڈالا ہو۔ اس کی نگاہیں مجسم سوال بنی ہوئی تھیں۔ میرے اٹھ جانے کے باوجود وہ کوڑھ مغز یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ میں باہر نکلنا چاہ رہا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔" کہتے ہوئے میں نے اگلی نشست کی پشت گاہ اور اس کے گھٹنے کے درمیان اپنی پنڈلی اڑا دی۔ اس وقت وہ سمجھا کہ میں کیا چاہ رہا تھا۔ میری کسی زبردستی سے اپنے بچاؤ کے لیے اس نے کسی کچھوے کی طرح نشست میں سمٹ کر میرے گزرنے کے لیے راستہ دے دیا۔

میں آس پاس کی قطاروں کا جائزہ لیتا ہوا' راہداری میں آگے بڑھنے لگا۔

دوسری سمت میں کچن کے قریب ہی ویرا مجھے ایک کھڑکی سے لگی ہوئی نظر آگئی۔ اس کے برابر میں قدرے زیادہ عمر کی ایک امریکی عورت ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ویرا اتنے اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے تلاش کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔

میں کچن سے گزر کر اس کے قریب پہنچا تو مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ اس کی پڑوسن نے اپنے فطری تجسس سے مجبور ہو کر میری طرف گردن گھمائی اور نظریں چار ہوتے ہی اخلاقاً مسکرا دی۔ اس اثنا میں ویرا اپنی جگہ سے باہر آچکی تھی۔

"بہت مزے سے بیٹھی ہوئی تھیں۔" میں نے اردو میں اسے ملامت کی "مجھے فکر ہونے لگی تھی کہ کہیں تم نے یہ پرواز مس نہ کردی ہو۔"

"بچوں جیسی باتیں مت کیا کرو۔" وہ منہ بنا کے بولی "بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے والا مسافر جہاز پر سوار نہ ہو تو ہر طرف افراتفری پھیل جاتی ہے کہ کہیں وہ اپنے سامان میں بم طیارے پر چڑھا کر فرار نہ ہوگیا ہو۔ اس کا سامان اتارے بغیر جہاز حرکت تک نہیں کرتا۔"

"پھر بھی تمہیں دیکھنا چاہیے تھا کہ میں کہاں بیٹھا ہوا ہوں۔ تم نے تو بالکل ہی لاتعلقی اختیار کرلی ہے۔"

"ایک دفعہ جہاز پر سوار ہونے کے بعد تم چاہو بھی تو کہیں غائب نہیں ہوسکتے۔ ہر جہاز ائرٹائٹ ہوتا ہے۔ نیچے اتھاہ سمندر اور اوپر بے کراں آسمان ہو تو کوئی بھی جہاز سے کودنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ ابھی نہ سہی' تھوڑی دیر میں ہماری ملاقات ہو جاتی۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو مجھے اس کی آنکھوں میں فکرمندی کے سائے لہراتے ہوئے نظر آئے اور میں اس سے ہمدردی کے اظہار پر مجبور ہوگیا "کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان ہو۔"

"شکر ہے کہ اپنی شکایتوں کے ساتھ تمہیں کبھی کبھی میری پریشانی بھی نظر آجاتی ہے۔ میں واقعی تشویش میں مبتلا ہوگئی ہوں اسی لیے اپنی سیٹ تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔"

"مجھے حیرت ہے کہ امریکی سرزمین کو خیرباد کہہ دینے کے بعد بھی تم اتنی پریشان ہو۔ تمہیں پہلی فرصت میں مجھے اعتماد میں لینا چاہیے تھا.... یہ بتاؤ کہ بات کیا ہے؟"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ طیارے کے ٹیک آف کرتے ہی خطرات کے سارے بادل چھٹ جائیں گے مگر خطرات اب بڑھ چکے ہیں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس وقت ہم کیسی نازک صورتِ حال میں گھر چکے ہیں۔" اس نے میرے قریب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔

"کچھ بتاؤ گی بھی یا یوں ہی پہیلیاں بجھواتی رہو گی۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"یہ امریکی ائرلائن ہے اور اس پرواز کا چیف پائلٹ مجھ سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ پرواز نارمل ہونے کے بعد وہ روایتی طریقوں کے مطابق مسافروں کی دیکھ بھال کے لیے کاک پٹ سے کیبن میں نکل آیا تو سامنا ہوتے ہی پہلی نظر میں مجھے پہچان لے گا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ یہی جہاز اڑا رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جہاز کا عملہ بھی اسی راستے سے جہاز پر سوار ہوتا ہے جدھر سے مسافر آتے ہیں۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے پوری وردی میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔"

"تم نے اسی وقت مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟ ہم بورڈنگ کارڈ واپس کرسکتے تھے' یہ ممکن نہ ہوتا تو لاؤنج سے غائب ہوسکتے تھے۔"

"دونوں صورتوں میں ہم مشکل میں پڑ جاتے۔ امریکی سرزمین ہمارے لیے ویسے ہی خطرناک ہو چکی تھی۔ اس غیر معمولی حرکت کے بعد ہم سنگین خطرات سے دوچار ہوسکتے تھے۔"

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پرواز طویل اور خطرہ سنگین تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ طیارے کی اگلی منزل لندن تھی جہاں کے حالات ہمارے لیے سازگار نہیں ہوسکتے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

میں بند کر کے امریکا پہنچا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہو گیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے بی ون تھرٹی اغوا کر لیا۔ میں نے دوبارہ آرنک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کر کے میں نے آرنک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں اغوا کے ایک اسپتال میں پہنچا دیا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادار شتگیں میں منشیات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آرنک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہو گیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آرنک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آرنک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیتھ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی "اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آرنک بیل رجنلس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو ایسی ایک پرانی سیکل جیبنی بھی نظر آئی۔ آرنک بیل نے بلیک ڈیتھ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ جیبنی نے آرنک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کر دی۔ آرنک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا اینٹی چلڈرن گروہ بلیک ڈیتھ کے مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ پرزے داری رنگس کمپنی کی تھی۔ جیبنی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڈز کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جیبنی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوا دی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کرا سکے۔ جیبنی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آرنک بیل اکثر بگولا تھا۔ میں نے آرنک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کر دیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کر لی تھی لیکن وہ بلیک ڈیتھ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہو گئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گڑبڑ سے باز رکھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے اس لیزر گائیڈنگ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کرنے والا تھا۔ ہوٹل پہنچے پر بلیک ڈیتھ اور جیبنی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیتھ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ سی آئی اے، آرنک بیل، راس ایمیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان، ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آرنک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے ضرر سے استعمال کے جا سکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہو گئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائیر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جا رہا ہے اور بیک مووَ کے ذریعے امریکا روانہ ہو رہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیتھ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایجاز میں نے آرنک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلا لیا۔ بلیک ڈیتھ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کر کے آرنک بیل کو زخمی کر دیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کر رہا تھا کہ لائن ڈراپ ہو گئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیتھ کے ٹھکانے پر حملہ کر دیا۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔ بلیک ڈیتھ نے بتایا کہ آرنک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کر رہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چٹختارتی ہوئی سرخی میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آرنک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا نام ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا یہ پاکستانی نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کر کے گیپ ہاؤس معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوا دیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا۔ اسے کہانی کی تلاش میں تیار کر کے بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہو گئی۔ بلیک ڈیتھ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کر دیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اغوا کر لیا گیا تھا۔ میں نے جنجین فورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کر کے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ جنجین سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جیبنی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے چار جارج شلزمان ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کر لیا۔ بلیک ڈیتھ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر چار جشلز کو دو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور ریکیٹر فون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ ریکیٹر فون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے جنجین فورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیتھ نے ان چاروں کو جنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم چار جارج شلز کو اغوا کر کے ایک ایمبولینس میں ڈال کر جنجین کے گھر پہنچے میں کامیاب ہو گئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھیوں نے فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مرکر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی مفن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔

میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلاد ھڑک مجھ پر ڈبل ہونے کا الزام لگا دیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیتھ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کر لیے تھے۔ اب صرف ایک موذی سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیتھ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کر رہا تھا کہ بلیک ڈیتھ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیتھ کے آدمی ڈک کے بھیجنے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ تک موذی تھا۔ تک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیتھ کی فراہم کردہ ہارووی ہیلٹ کے ذریعے بدری ناتھ مجھے تین ہی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے رشت سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہو گئے مگر لائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ جیٹ پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہو گئے تھے۔

اب آپ ذہین واقعات ملاحظہ کیجیے

"وہ تم بہت زیادہ پریشان نظر آرہے ہو۔" ویرا میری فکرمندی کا اندازہ کر کے بولی "یہ مسئلہ ضرور ہے مگر اتنا سنگین نہیں ہے۔ وہ کیبن میں نکل آیا تو میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ خود کو باتھ روم میں بند کرلوں گی۔ اس کی نظروں سے محفوظ رہنے کا یہ ریڈی میڈ طریقہ کامیاب رہے گا۔"

وہ آخری حل میرے ذہن میں بھی موجود تھا لیکن اس سے کچھ پریشانیاں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ میں نے ویرا پر ان خدشات کا اظہار نہیں کیا اور خاموشی سے سوچتا رہا۔

طویل پروازوں پر استعمال ہونے والے بڑے جہازوں میں مسافروں کی ضروریات کے پیشِ نظر باتھ رومز کی تعداد خاصی معقول ہوتی ہے مگر پھر بھی ہر مسافر کو ضرورت کے وقت باتھ رومز خالی ملنے کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی جگہ کئی کئی مسافر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ایسے میں ویرا کا زیادہ دیر تک کسی باتھ روم پر قابض ہو کر اندر محصور ہونا جہاز کے عملے کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا۔

جہاز کے عملے کے کسی فرض شناس رکن کو محض یہ شبہ بھی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوجاتا کہ اس باتھ روم میں موجود مسافر کسی بیماری یا اچانک دورے کی وجہ سے اندر پھنس گیا ہے تو چیف پائلٹ سمیت پورے عملے کی توجہ وہیں مرکوز ہو کر رہ جاتی۔ یوں ویرا اپنے شناسا سے روپوش ہونے کے بجائے بطور خاص اس کی نظر میں آجاتی۔ اس مرحلے پر یہ فرض کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا کہ چیف پائلٹ کیبن کی ایک راہ داری میں نمودار ہو کر چند منٹ میں دوسری راہ داری کے دہانے پر اپنے کاک پٹ میں چلا جائے گا۔

"تم یوں ہی چلتی پھرتی رہو۔ میں کوئی راہ نکال لیتا ہوں۔" اسے تسلی دے کر میں اپنی نشست کی طرف ہولیا۔ میں نے اس کی تجویز کو براہِ راست مسترد کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اس وقت تک میرا ہم سفر 'ادھیڑ عمر انگریز' کتاب کے مطالعے میں پوری طرح مستغرق ہوچکا تھا اور اپنے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی ناک پر جما کر بہ تن کتاب کی طرف متوجہ تھا۔

میرے رکنے کے باوجود اس نے میری موجودگی محسوس نہ کی تو مجھے کھنکھار کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا پڑا۔ موٹے عدسوں کے عقب سے اس کی چمک دار' نیلی آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ ان آنکھوں میں ناگواری کے ساتھ اجنبیت بھی تھی۔

"میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں؟" مجھے حرکت پر آمادہ نہ پاکر اس نے ترشی سے پوچھا۔

"یہ نشست میری ہے۔" میں نے کھڑکی کے ساتھ والی خالی سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جتایا "ہوسکے تو مجھے وہاں تک پہنچنے کا راستہ دے دو۔"

"اوہ' یقیناً!" وہ روایات پرست انگریز تھا۔ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہی بوکھلا کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور پوری جگہ چھوڑ کر راہ داری میں نکل آیا۔

میں نے زبردستی باچھیں پھیلا کر اسے ایک طنزیہ مسکراہٹ کا تاثر دیا اور اپنی نشست پر پہنچ گیا۔

"شاید تم بھی لندن ہی جارہے ہو۔" اس نے اپنی جگہ سنبھالنے کے بعد خفت مٹانے کے لیے مجھ سے پہلی مرتبہ تعارف حاصل کرنے کی کوشش کی۔

"مجبوری ہے۔" میں نے شانے اچکا کے بے پروائی سے کہا۔ "لندن سے پہلے یہ پرواز کہیں نہیں رکے گی۔"

"تم اچھا مذاق کرلیتے ہو۔" اس نے میرے بے رحمانہ تبصرے کا برا مانے بغیر سنجیدگی سے کہا اور پھر ضخیم کتاب پر ہاتھ مارتے ہوئے بات جاری رکھی "اگر میرے پاس یہ دلچسپ کتاب نہ ہوتی تو میں دورانِ سفر تم سے ضرور باتیں کرتا۔ مطالعہ کسی بھی شخص کے لیے فاضل وقت کا بہترین مصرف ہوتا ہے۔"

"اپنے گردوپیش موجود لوگوں کا مشاہدہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔" میں نے رکھائی سے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" وہ اثبات میں سرہلا کر بولا "کتابوں میں ہم جو کچھ پڑھتے ہیں' وہ سیکنڈ ہینڈ ہوتا ہے یعنی کسی اور کا مشاہدہ جو مصنف کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے۔ اگر لندن پہنچنے سے پہلے یہ کتاب ختم ہوگئی تو میں اس دلچسپ موضوع پر تم سے ضرور بات کروں گا....."

"مجھے ڈر ہے کہ یہ کتاب اتنی جلدی ختم نہیں ہوسکے گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر فوراً ہی اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔ "میری وجہ سے تم بار بار ڈسٹرب ہوتے رہو گے؟"

"کیوں؟" عدسوں کے پیچھے اس کی آنکھیں اشتباہ آمیز انداز میں پھیل گئیں "اس بارے میں تم اتنے پُریقین کیوں ہو؟"

میں نے ایک گہرا سانس لے کر متاسفانہ لہجے میں کہا "میں گردوں کا مریض ہوں۔ مجھے بار بار ٹوائلٹ جانا ہوگا پھر میں کھڑکی کے ساتھ والی سیٹ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"ہوائی جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے مجھے ہول آتا ہے۔" وہ میری بات پوری ہونے سے پہلے بول اٹھا "یہ ایکروفوبیا کی کوئی قسم بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بار بار کی خلل اندازی میرے لیے تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ مجھے کسی اور سے اپنی جگہ بدلنی ہوگی۔"

"اسی جہاز میں میری ایک دوست بھی سفر کررہی ہے۔ دوسری راہداری میں وہ تمہاری پسند کی جگہ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آؤ' میں تمہیں وہاں بٹھائے دیتا ہوں۔" میں نے موقع میسر آتے ہی اسے پیش کش کر ڈالی اور وہ بادلِ ناخواستہ اپنا دستی سامان سمیٹنے میں مصروف ہوگیا۔

ویرا سے اپنی جگہ بدلنے سے قبل اس نے مجھ سے نئی سیٹ کے بارے میں متعدد سوال کیے۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں ویرا کے ساتھ والی بھی میری طرح گردوں وغیرہ کی مریضہ نہ ہو۔ میں نے پورے وثوق سے اس کے اندیشوں کی تردید کرڈالی۔

وہ معمر تھا۔ اس کا دستی بیگ میں نے اٹھالیا اور چکر کاٹ کر دوسری راہ داری میں ویرا تک جا پہنچا۔ اس نے دور ہی سے دیکھ لیا تھا کہ میں کسی کو پھانس کر اپنے ساتھ لا رہا ہوں۔

میرے ہم سفر کو ویرا سے جگہ بدلنے میں کوئی تعرض نہیں ہوا کیونکہ اس کی نئی ہم سفر امریکی اور کم وبیش اسی کی عمر کی تھی۔ اس نے گرم جوشی سے معمر انگریز کو خوش آمدید کہا تھا۔

"مجھے اس ایشیائی کے گردوں کی خرابی کی وجہ سے جگہ بدلنی پڑی۔" انگریز نے بے تکلفی کے ساتھ اس خاتون سے کہہ ڈالا۔ "امید ہے کہ تم کو بار بار نکلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔" خوش وضع امریکی بڑھیا نے مجھے آنکھ مار کر اسے جواب دیا "مغرب میں بیماریاں ذرا دیر سے ہی شروع ہوتی ہیں۔"

بوڑھے نے میرا اور میں نے اس کا شکریہ ادا کیا پھر میں ویرا کے ساتھ چل پڑا۔

"تم کیا کرتے پھر رہے ہو؟ جگہ بدلنے سے کون سا فرق

Downloaded from https://paksociety.com

پڑجائے گا؟" چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد ویرا نے چڑچڑے لہجے میں پوچھا۔

"دیکھتی رہو..... اب تم بیمار پڑنے والی ہو۔" میں نے خوش دلی سے کہا "فی الحال ٹانگوں پر کمبل ڈالے رہو گی۔ ضرورت پیش آئی تو وہی کمبل سر تک اوڑھ کر سو جاؤ گی۔"

"یہ اداکاری جگہ بدلے بغیر بھی کی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے اتنے پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟" ویرا میری ہر تجویز پر اعتراض کرنے کا موقع فوراً ڈھونڈ نکالتی تھی۔

"تم وہاں ایسی بے تکی حرکتیں کرتیں تو امریکی بڑھیا تم پر ترس کھا کر پورے عملے کو وہیں جمع کرلیتی۔ پرواز کے دوران بیمار پڑنے والوں کو فضائی عملہ بہت اہمیت دیتا ہے۔"

"بیمار پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہت سے لوگ لمبی پروازوں پر سو کر وقت گزارنے کے عادی ہوتے ہیں۔ مجھے کون روک سکتا تھا؟"

"تمہارے دماغ میں خشکی ہوگئی ہے یا پھر بھس بھر گیا ہے۔" میں نے تنک کر کہا "منہ ڈھانک کر سونے والوں کو صحیح الدماغ نہیں سمجھا جاتا۔"

"نہ سمجھا جائے۔ اس سے میری صحت پر کیا فرق پڑتا؟ ان چند سو مسافروں میں کوئی بھی میرا رشتے دار نہیں ہے۔ مجھے ان کی رائی برابر پروا نہیں ہے۔ وہ دلوں میں جو چاہتے، سوچتے رہتے۔ کوئی مجھے روکنے یا ٹوکنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم خود ہی چیف پائلٹ کو اپنا قدیم اور خاندانی دوست قرار دے رہی تھیں۔"

"پرواز کی روانگی سے پہلے اسے مسافروں کی جو فہرست دی گئی ہوگی اس میں میرا نام سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ میں تمہارے آؤل کان کی دی ہوئی سفری دستاویزات اور شناختوں کے مطابق سفر کررہی ہوں۔ وہ مجھے صرف دیکھ کر ہی پہچان سکتا ہے۔ میرا چہرہ چھپنے کے بعد یہ خطرہ بالکل ٹل جاتا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے میں کسی کی بھی رائے کا احترام کرنے کی پابند نہیں ہوں۔"

مجبور ہو کر میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ ایسے مواقع پر مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بے تکی باتوں کا جواب دینا پڑتا تھا۔ میں جب بھی کسی مصلحت کی وجہ سے خاموشی اختیار کرتا تھا، وہ جھٹ یہ نتیجہ اخذ کرلیتی تھی کہ اس نے مجھے لاجواب کرکے فتح حاصل کرلی ہے۔

وہ فاتحانہ انداز میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر نیم دراز ہوگئی۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے اوپر کے خانے سے پلاسٹک کی تھیلی میں سیل کیا ہوا ایک صاف ستھرا کمبل نکالا اور اس کی گود میں ڈال دیا۔ احتیاطاً میں نے دوسرا کمبل اپنے ساتھ رکھ لیا۔

ویرا کی مسکراہٹ اس وقت مجھے زہر لگ رہی تھی۔ اس کا انداز کچھ ایسا تھا جیسے مجھے میری ہار پر چڑا رہی ہو۔ میں نے اشتعال کی بے ساختہ رو میں دوبارہ بحث شروع کردی "یہ کام اسی قدر آسان تھا تو تم اتنی متفکر اور بدحواس کیوں نظر آرہی تھیں؟"

وہ ہنس پڑی "اس وقت غصے سے تمہارا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہورہا ہے۔ میں تم سے دور ہوتی ہوں تو ہر لمحے تمہارے لیے فکرمند رہتی ہوں۔"

میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیج کر خاموشی اختیار کرلی۔ میرا دل چاہا کہ کاش اس وقت میرے پاس بھی معمراگبریز کی طرح کوئی دلچسپ کتاب موجود ہوتی تو میں اس کے مطالعے میں محو ہوکر آسانی سے اپنے ابال کو ٹھنڈا کرسکتا تھا۔

ویرا نے تھیلی پھاڑ کر کمبل نکالا اور اپنے نچلے دھڑ پر اس طرح ڈال لیا کہ ضرورت پیش آنے پر باقی کمبل اپنے شانوں سے اوپر تک کھینچ سکے۔ میرے طلب کرنے پر ایک ائرہوسٹس آئی تو مجھ سے پہلے ویرا اس سے مخاطب ہوگئی۔

وہ سردی اور بخار کی شکایت کے اظہار کے ساتھ اس سے درد دور کرنے والی کوئی گولیاں منگوانی چاہ رہی تھی۔ ائرہوسٹس نے فوراً ہی پیش کش کی کہ ویرا چاہے تو طیارے کے پیسنگ سسٹم پر کسی ڈاکٹر کی ضرورت کا اعلان کیا جاسکتا تھا۔ مسافروں میں موجود کوئی ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔ یہ سنتے ہی ویرا بوکھلا گئی۔ اس نے کہا کہ وہ یوں تماشا بننا پسند نہیں کرے گی۔

ائرہوسٹس جہاز کی ایمرجنسی میڈیکل کٹ کا جائزہ لینے کا وعدہ کرکے جانے لگی تو ویرا نے اسے یاد دلایا کہ گولیاں کھانے کے لیے اسے بیئر بھی درکار ہوگی۔ اس انوکھی فرمائش پر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

مصروف بین الاقوامی راستوں پر فضا میں میزبانی کرنے والوں کو دن رات نت نئی فرمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بھانت بھانت کے لوگوں کو مطمئن کرنے کا وسیع تجربہ رکھنے والے یہ لوگ ہیلی ڈھالی اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے، حتی الامکان اپنے ہر مسافر کی ضرورت پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان حدود سے تجاوز کرنے والوں کو نہ صرف دوران سفر تحقیر کا نشانہ بننا پڑتا ہے بلکہ اگلی منزل پر انہیں سخت بین الاقوامی سفری قوانین کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں پولیس کے حوالے بھی کردیا جاتا ہے۔

ایسے اتار کا واقعات کبھی کبھار ہوتے ہی رہتے ہیں جس میں دنیا کی چھوٹی اور بڑی قوموں کے افراد ملوث ہوتے ہیں لیکن ہر تھوڑے عرصے بعد کسی نہ کسی پاکستانی کھلاڑی، فن کار یا لیڈر کا نشے میں دھت ہوکر مسائل پیدا کرنا خبروں کا عنوان بننے لگا ہے جو کوئی اچھی ریت نہیں ہے۔

ویرا کی فرمائش اس حد سے بہرحال متجاوز نہیں تھی۔ پندرہ منٹ بعد ائرہوسٹس دو گولیوں کے ساتھ ہمارے لیے بیئر کے دو ٹھنڈے کین بھی لے آئی۔

ائرہوسٹس کے جانے کے بعد ویرا نے گولیاں اپنے ونٹی بیگ

Downloaded from https://pksociety.com

میں ڈالیں اور کمبل سینے تک سرکا کر بیئر کے کین سے لطف اندوز ہونے لگی۔ اسی وقت فلائٹ کچن سے مشروبات کی لدی پھندی ٹرالیاں راہداریوں میں نکل آئیں اور کیبن کی فضا کا ٹھہراؤ خوش گوار ہلچل میں تبدیل ہوگیا۔

اس وقت طیارہ مشرق سے مغرب کی طرف سفر کررہا تھا۔ سورج ہمارے جہاز سے بھی بہت اوپر آسمان کی بے کراں وسعتوں میں اپنا لگا بندھا سفر طے کررہا تھا۔ طیارے سے باہر دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا مگر اس روشنی میں اضمحلال نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ وقت کی طنابیں تیزی سے سمٹ رہی تھیں۔ لندن پہنچنے تک ہمیں پانچ گھنٹوں کا خسارہ ہونے والا تھا۔

جہاز سے بہت آگے ہمیں رخ کی تبدیلی ہونے پر کبھی کبھی وہ اندھیری لکیر نظر آجاتی تھی جو کہیں رات ہونے کا پتا دے رہی تھی۔ پیچھے روشن اور توانا دن پھیلا ہوا تھا۔ ہم شام کے دھندلکوں سے گزر رہے تھے اور دور کہیں رات اپنے ڈیرے جمائے ہماری منتظر تھی۔ وقت کے ایسے حسین سنگم کا نظارہ زمین سے تیس پینتیس ہزار فٹ کی بلندی پر کسی تیز رفتار طیارے سے ہی کرنا ممکن ہوتا ہے۔

ان سب نظاروں کے ساتھ میں کپتان کی آمد کا خطرہ نہیں بھولا تھا۔ جہاز کے عملے میں اس وقت تک چیف پائلٹ کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔

روشنی سے اندھیرے کا سفر تیزی سے جاری رہا۔ ہمارے جہاز کے نیچے بادلوں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بحرِاوقیانوس کے گہرے پانیوں میں تیرتے بڑے بڑے جہاز ہمیں حقیر کشتیوں کی طرح نظر آرہے تھے اور پھر ہمیں سمندر کے سینے پر بے شمار رنگین جگنو سے چمکتے نظر آنے لگے۔ زمین پر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ سفینوں کے ناخداؤں نے روشنیاں جلا دی تھیں مگر میری رسٹ واچ کے مطابق اس وقت نیویارک میں شام کے صرف ساڑھے پانچ ہی بجے تھے۔

ناؤ ونوش کا دور اختتام کو پہنچا تو اشتہا انگیز خوشبوؤں والے بے ذائقہ مغربی کھانوں کا دور شروع ہوگیا۔ میری اور ویرا کی نشستوں کی بکنگ پاکستانی پاسپورٹوں پر کراچی تک کے لیے ہوئی تھی اور اسی بنا پر میں نے بورڈنگ کارڈ لیتے ہوئے حلال کھانے کی فرمائش کی تھی۔

اسی وقت مجھے بتا دیا گیا تھا کہ اس پرواز پر اسلامی کھانے کے بجائے کوشر فوڈ فراہم کیا جاسکے گا۔ میری سنی سنائی معلومات کے مطابق یہودیوں کا ذبیحہ جو کوشر کہلاتا ہے' اسلامی طریقے سے بہت قریب ہوتا ہے۔ میں نے اسی کو قبول کرلیا تھا۔

ویرا ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر پاکستانی کھانوں کی عادی ضرور ہوگئی تھی لیکن حرام وحلال کے مسائل سے وہ یکسر آزاد تھی۔ ٹرالی آنے پر اس نے اپنی پسندیدہ ڈشز لے لی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ اپنی سیٹ نہ بدل کر میں نے خود کو ایک بڑی دقت سے بچایا تھا۔ امریکی کو بھگانے کے بجائے مجھے کہیں اور بیٹھنا پڑتا تو ائر ہوسٹس کے لیے کوشر فوڈ مجھ تک پہنچانا ممکن نہ رہتا۔ وہ فلائٹ کچن سے بورڈنگ کارڈ پر مندرج نشست کے لیے مخصوص کھانا لے کر آئی تھی جو متعلقہ مسافر کی غیر موجودگی میں کسی بھی خواہش مند مسافر کے حوالے کیا جاسکتا تھا۔

"تم کھانے کے ساتھ وائن یعنی الکحل پی رہے ہو مگر کھانے کے لیے کوشر فوڈ لیا ہے۔" چند منٹ بعد ویرا کی زبان میں دوبارہ خارش ہونے لگی "یہ کس قسم کی منافقت ہے؟"

"تمہارے پاس جب کہنے کے لیے کچھ نہیں رہتا تو تم پرانی باتوں کو دہرانا شروع کردیتی ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس موضوع پر ہم کافی پہلے سیر حاصل بحث کرچکے ہیں۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"اگر میرا حافظہ کمزور ہوگیا ہے تو ذرا اپنے دلائل دوبارہ دہرا دو۔"

"مجھے یاد نہیں کہ میں نے اس وقت کیا کچھ کہا تھا۔ اب میرا دماغ مت چاٹو۔"

"تمہارے بلکہ شاید ہر مذہب میں جھوٹ اسی لیے منع ہے کہ دروغ گو اپنی کہی ہوئی بات بھول جاتا ہے۔ تم نے کوئی اصولی بات کی ہوتی تو وہ تمہیں یاد بھی رہتی۔"

"تم جو کچھ کہہ رہی ہو' وہ درست ہے۔ اس کے جواب میں کوئی دلیل دی جاسکتی ہے نہ اصولی بات کی جاسکتی ہے۔ یہ خرابیاں ایک مدت سے یوں ہی چلی آرہی ہیں اور بس۔" میں نے مفاہمانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "میں عذرِ گناہ کو اصل گناہ سے زیادہ بڑا سمجھتا ہوں۔"

"اب تم سیاسی بولی بول رہے ہو۔" وہ ہنس کر بولی "میں تمہیں بتا دوں کہ کوشر فوڈ کے دھوکے میں نہ رہنا۔ یہ سب کھانے ایک ہی جگہ پکائے جاتے ہیں۔ برتن بھی ادل بدل جاتے ہوں گے۔ پھر ان کی پیکنگ ایک ہی جگہ ہوتی ہے۔ انہیں گرم رکھنے کے لیے ایک ساتھ رکھا جاتا ہے۔ بھاپ اور خوشبوئیں ایک ٹرے سے دوسری میں جذب ہوتی ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب میں سمجھ دار لوگوں کو بھی ان ڈھکوسلوں میں مبتلا دیکھتی ہوں۔ یہ سامنے کی باتیں انہیں نہیں معلوم ہوتی ہوں گی۔"

"پھر تو آدمی جہاز میں کیا' امریکا میں بھی کچھ کھا پی نہیں سکتا۔" میں نے احتجاج کیا۔

"جسے اپنا دین عزیز ہے وہ یہاں آئے ہی کیوں؟ ہر شخص کو منہ اٹھا کر یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ آؤ تو پھر اپنے ہاتھ سے مرغی ذبح کرکے پکانے کا حوصلہ رکھو یا مچھلیاں کھاتے رہو۔ امریکا بلکہ مغرب میں آکٹوپل کی کھال نکالنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ دریا میں اترنے والوں کے دامن کبھی خشک نہیں رہ سکتے۔ دریا میں اترو' خوب نہاؤ۔ پانی کو گدلا کرو اور نہ دامن کو نچوڑ کر خشک

Downloaded from https://paksociety.com

کرنے کی کوشش کرو....."

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں کھانے سے ہاتھ روک لوں؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

"شوق سے کھانا کھاتے رہو مگر یہ سمجھ کر کھاؤ کہ کیا کھا رہے ہو۔" یہ مشورہ دے کر وہ ہنسنے لگی۔

ویرا کی وہ باتیں غلط نہیں تھیں۔ مسئلہ یہ تھا کہ عادات بد میں مبتلا ہر شخص کو اپنی کمزوریوں کا پوری طرح احساس ہوتا ہے' ویرا کی باتوں سے یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ مجھے کوئی فائدہ پہنچانے کی نیت کیے بغیر محض ایذا رسانی کے لیے میرے زخموں کو کرید رہی ہو۔ میں خود کو اس کے ہاتھوں میں ایک کھلونا نہیں بنا سکتا تھا۔ یہ بات وہ خود بھی بہت اچھی طرح جانتی تھی۔

تمام مسافروں کو ان کی ضرورت کی اشیائے خورد و نوش پہنچانے کے بعد ٹرالیاں کچن ایریاز میں پہنچا دی گئی تھیں۔ دونوں راہداریوں میں موجود خوش اخلاق فضائی میزبان دوڑ دوڑ کر مسافروں کی انفرادی فرمائشیں پوری کر رہی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پرواز ہموار تھی۔

اچانک ویرا نے نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے وائن کا گلاس خالی کیا اور سیٹ میں دبک کر کمبل سر تک اوڑھ لیا۔ اس کی وہ حرکت اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے نظریں اٹھائیں اور پھر مجھے وہ دراز قامت اور خوش رو شخص بھی نظر آگیا جو اپنی پُرشکوہ وردی سے جہاز کا چیف پائلٹ ہی معلوم ہو رہا تھا۔

وہ ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ سجائے' مسافروں کی مزاج پرسی کرتا ہوا' راہ داری میں بہت دھیرے دھیرے پیش قدمی کر رہا تھا۔ راستے میں کوئی اس سے مخاطب ہو رہا تھا تو وہ ذرا سی دیر کے لیے وہاں رک کر گپ شپ بھی کر رہا تھا۔

ویرا پر نظر پڑتے ہی' اس کے لیے گولیاں لانے والی ائر ہوسٹس تیر کی طرح میرے پاس آگئی۔

"کیا بات ہے؟ مادام کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"شکم پری کے بعد ذرا غنودگی کا حملہ ہوا ہے۔" میں نے اسے تسلی دی "تھوڑی دیر اونگھ لے گی تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے برتن سمیٹ کر ویرا کی ٹرے ائر ہوسٹس کے حوالے کر دی۔ پیچھے والے کے کھانے کی وجہ سے ویرا اپنی نشست کی پشت گاہ نہیں ڈھلکا سکتی تھی۔ میں اگلی میز بند کر کے اسے سونے میں ذرا سی سہولت فراہم کر سکتا تھا۔

"بس چند منٹ بعد روشنیاں کم کر دی جائیں گی۔ مادام کو آرام سے نیند آجائے گی۔"

وہ چلی گئی۔ جہاز کے کپتان کا سفر بہت ست اور طویل ثابت ہو رہا تھا۔ میزوں سے کھانے کے خالی برتن اٹھائے جا رہے تھے۔ جہاز کے مخصوص حصے میں سگریٹوں کا بل کھاتا ہوا سرمئی دھواں گندی اور گرم ہوا کھینچنے والی سقف گیر لائنوں میں معدوم ہو رہا تھا کہ کیبن میں روشنیوں کی تعداد میں کمی کر دی گئی۔ متعدد نشستوں پر مطالعے کے لیے مخصوص اسپاٹ لائٹس جل اٹھیں۔

چیف پائلٹ کی آواز میرے کانوں تک پہنچی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ خوش مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ جارح بھی تھا۔ باتوں میں موزوں فقرے بھی چست کرتا جا رہا تھا۔

اس نے سر سے پیر تک کمبل میں سمٹی ہوئی ویرا کو قدرے حیرت سے دیکھا اور رک کر مجھ سے پوچھا "یہ تمہاری ساتھی ہے؟"

"صرف ساتھی نہیں' میری گرل فرینڈ ہے۔" میں نے اسے آنکھ مار کر کہا۔

"خوش قسمت ہو۔" وہ مسکرایا "میں شادی کر کے اپنی گرل فرینڈ کو کھو چکا ہوں....."

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیوں؟ کیا کسی اور سے شادی کرا دی گئی؟"

"اسی سے شادی ہوئی ہے۔ بیوی بننے کے بعد وہ بالکل بدل چکی ہے۔" اس نے باقاعدہ ہنستے ہوئے اپنی بات کی وضاحت کی پھر پوچھا "تم نے اسے سر سے پیر تک چھپایا ہوا کیوں ہے؟"

"نیویارک کی شب بیداریوں کا حساب پورا کر رہی ہے۔" میں نے برجستہ جواب دیا۔

"میری نیک تمنائیں تم دونوں کے ساتھ ہیں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

میں نے اضطراری انداز میں سگریٹ سلگالی۔ اس کے چلے جانے پر مجھے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر جانے کا احساس ہوا تھا مگر اس وقت تک خطرہ پوری طرح نہیں ٹلا تھا۔

"یہ الّو کا پٹھا کاک پٹ میں کب واپس جائے گا؟" چیف پائلٹ کے کافی آگے نکل جانے کے بعد کمبل میں سے ویرا کی منمناتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی۔

"سانس روکے یوں ہی بیٹھی رہو۔ جب تک وہ جہاز کی دُم سے گھوم کر دوسری راہ داری سے آگے نہیں بڑھ جاتا' خطرہ موجود رہے گا۔ وہ ادھر سے تم پر نظر ضرور مارے گا۔" میں نے سرگوشی کی۔

ویرا اسی طرح کمبل میں بیٹھی رہی۔ میں نے اپنی اور اس کی نشستوں کی پشت پیچھے جھکا دی۔

چیف پائلٹ کا چکر بہت طویل ثابت ہوا۔ اس کے دوسری راہ داری میں پہنچنے تک دباؤ کی شدت سے میرے اعصاب جھنجھنے لگے تھے۔ بظاہر میں اس کی طرف سے بے پروا تھا لیکن کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ ویرا کا کمبل اس کے ذہن سے چمٹا ہوا تھا۔ دوسری راہداری سے اس نے متجسسانہ نظروں سے ہماری

Downloaded from https://paksociety.com

طرف دیکھا اور اسی لمحے جہاز کو ایک شدید جھٹکا لگا۔

ہوا کے دباؤ کے فرق کی وجہ سے جہاز اچانک ہی نیچے گیا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا' متعدد مسافروں کی بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ کیبن میں بے خبری کی وجہ سے کئی چیزیں گرنے اور ٹوٹنے کی آوازیں آئیں۔ فوراً حفاظتی بند باندھنے کی ہدایات روشن ہوگئیں۔

پیجنگ سسٹم پر معاون ہوا باز کے وضاحتی اعلان سے قبل چیف پائلٹ کو اپنا دورہ نامکمل چھوڑ کر کاک پٹ کی طرف دوڑنا پڑ گیا تھا۔

بات پہلے جھٹکے پر ختم نہیں ہوئی۔ بحرِ اوقیانوس کی فضاؤں میں جنم لینے والے کسی خاموش طوفان نے طیارے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دیو ہیکل جہاز کسی حقیر سے ہنڈولے کی طرح شاید کئی کئی سو فٹ نیچے گر کر دوبارہ اٹھ رہا تھا۔ پُرکیف سفر یک بہ یک ہنگامی صورتِ حال سے دوچار ہو چکا تھا۔ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق بیشتر مسافروں نے یاد آنے والی دعائیں پڑھنی شروع کردی تھیں۔

ان حالات میں ویرا کا کمبل میں دبکے رہنا قطعی غیر فطری ہوتا۔ پہلا جھٹکا لگنے کے بعد اس نے کسل مندی کے ساتھ کمبل اتار کر متلاشی نظروں سے آس پاس کا جائزہ لیا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی "وہ یقیناً اپنے کاک پٹ کی طرف دوڑا ہوگا۔ یہ غیبی بحران نمودار نہ ہوتا تو شاید وہ لندن تک ہمیں کہیں منڈلاتا رہتا۔ خدا کی پناہ....! کمبل میں میرا دم گھٹ رہا تھا۔"

"دم گھٹ ہی جاتا تو بہتر ہوتا۔ تمہاری بہت سی مشکلیں آسان ہوجاتیں۔"

"میں اتنی نرم و نازک نہیں ہوں کہ آدھے گھنٹے کے اس پردے میں مرجاتی۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہاری طرف بہت سے لوگ سارا سارا دن عورتوں کو پردے میں قید رہنے پر کیسے آمادہ کرلیتے ہیں۔"

"خرافات مت بکو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا "برقعے ہلکے اور ہوادار کپڑے سے بنائے جاتے ہیں۔ پردے کے لیے کمبلوں کا کہیں کوئی رواج نہیں ہے۔"

"برقع پھر برقع ہوتا ہے۔ میں تو اسے ذرا سی دیر بھی برداشت نہیں کرسکتی۔"

"تمہاری پروا کون کرتا ہے۔ جو لڑکی دوسری حدود و قیود کی پابندی نہ کرتی ہو' اسے کون پردے میں بٹھا سکتا ہے۔ ہر بات میں موقع بے موقع اپنی مثال مت دیا کرو۔"

فلائٹ ایمرجنسی کے دوران پورا عملہ اپنی اپنی جگہ مستعد رہا۔ کاک پٹ سے چیف پائلٹ مسلسل مسافروں سے مخاطب رہا۔ وہ مسافروں کی رہنمائی اور تسلی کے لیے ہدایات اور وضاحتیں پیش کررہا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کی وحشت ناک بے یقینی کے بعد طیارہ اس گرداب سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ پرواز ہموار ہونے کے کئی منٹ بعد چیف پائلٹ نے وہ خوش خبری مسافروں کو سنائی ورنہ ہر شخص سیٹ میں یوں اکڑا بیٹھا تھا جیسے اسے دوبارہ ہچکولے شروع ہونے کا اندیشہ ہو۔

لندن پہنچنے کا اعلان ہونے پر میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو نیچے گہرے بادلوں سے آگے کچھ نظر نہیں آسکا۔ فضا میں ہر وقت منڈلانے والی ہلکی اور گہری بدلیاں ہی اس شہرِ خرابات کی پہلی پہچان تھیں۔ جہاز اپنے سفر کے ساتھ ساتھ نیچے ہوتا جارہا تھا۔

"اگر جہاز کے دروازے پر چیف پائلٹ موجود ہوا تو کیا ہوگا؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک وسوسے کو فوراً الفاظ کا روپ دے دیا۔

"اس بارے میں تم بالکل کورے ہو۔" اس نے بے باکی سے کہا "لینڈنگ کے بعد مسافروں کو کیبن کریو الوداع کہتا ہے۔ کاک پٹ کے عملے کو اس وقت تک اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہیں ہوتی جب تک سامان اور مسافروں کا انخلا مکمل نہ ہوجائے۔"

"تمہاری پائلٹوں سے شناسائی رہی ہے۔ ان باتوں سے تمہارے سوا اور کون واقف ہوسکتا ہے؟"

پھٹے ہوئے بادلوں کے درمیان سے کہیں کہیں لندن کی خواب ناک سی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ جہاز فضا میں رخ اور زاویے بدل بدل کر لینڈنگ پوزیشن کے لیے چکر لگاتا رہا۔ پائلٹ نے چند لمحوں بعد گیٹ وک ائرپورٹ پر لینڈنگ کے اعلان کے ساتھ منزل کا موسم بتایا۔ اس وقت وہاں ہلکی سی برسات ہورہی تھی۔

شہر کی روشنیوں سے آگے نکل کر طیارہ تیزی سے نیچے آنے لگا۔ وہ بادلوں کو چیرتا ہوا نیچے اترا تو ائرپورٹ پر ہر چیز دھلی دھلی' نکھری نکھری نظر آرہی تھی۔

جہاز کے پہیوں نے رن وے کو کب چھوا' اس کا اندازہ ہی نہیں ہوسکا۔ کھڑکیوں سے باہر دوڑتی ہوئی اشیا سے اندازہ ہورہا تھا کہ ہم فضاؤں سے دوبارہ زمین پر آچکے تھے۔ رن وے پر طیارے کے پہیوں کی گرفت مستحکم ہوتے ہی بریک لگے اور طیارہ پھڑپھڑاتے ہوئے پرندے کی طرح دھیما ہوگیا۔

مسافروں نے روشن ہدایات کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حفاظتی بیلٹ کھولنی شروع کردیں اور خانوں سے اپنا دستی سامان نکالنے لگے۔

ایک طویل مسافت کے بعد دیو پیکر طیارہ برج سے جا لگا۔ مسافر اپنی نشستوں سے اٹھ کر راہ داریوں میں قطار بند ہوتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر تک زمینی تیاریوں کا انتظار ہوتا رہا پھر دونوں قطاریں آہستہ آہستہ آگے سرکنے لگیں۔

وہ گیٹ وک ائرپورٹ پر شاید اس رات کی آخری پرواز تھی۔ باہر زیادہ سرگرمیاں نظر نہیں آرہی تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

کھڑکیوں سے باہر تاریک اور رن وے پر دور تک برسات کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ ہوا باز کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق موسم خاصا خنک تھا مگر جہاز میں آرام دہ حرارت رچی ہوئی تھی جس کی وجہ سے باہر کا بھیگا بھیگا موسم نظروں کو بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

ٹرمینل کی عمارت کو جہاز سے ملانے والا گینگ وے فرسٹ کلاس کے دروازے سے منسلک کیا گیا تھا۔ ہم پیش قدمی کرتے ہوئے اکانومی اور فرسٹ کلاس کو الگ کرنے والی عارضی رکاوٹ تک پہنچے تو ویرا کے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔

دروازے کے قریب عملے کے کئی اراکین مسکرا مسکرا کر جانے والوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ ان میں تین خواتین کے ساتھ ایک مرد بھی تھا لیکن جہاز کے چیف پائلٹ یا اس کے معاون کا دور تک پتا نہیں تھا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ میرا دل چاہا کہ آگے والے سارے مسافروں کو پھلانگ کر ویرا سمیت جلد از جلد طیارے سے باہر نکل جاؤں۔

فرسٹ کلاس سے نکاس کا کھلا ہوا دروازہ جہاز کے اگلے حصے میں تقریباً اس کی نوک پر واقع تھا اور اس سے کاک پٹ کا فاصلہ بہ مشکل چند فٹ رہا ہوگا۔ دور سے کاک پٹ کا دروازہ کھلا ہوا نظر آرہا تھا۔ آگے پہنچتے پہنچتے کاک پٹ کے متعدد نازک آلات اور پھر اندر بیٹھے ہوئے افراد کی پشت بھی نظر آنے لگیں۔

مسلسل بڑھتے ہوئے ہم ذرا سی دیر کے لیے ایسی خطرناک پوزیشن سے گزرے کہ اگر چیف پائلٹ صرف گردن گھما کر پیچھے دیکھ لیتا تو وہ اپنی نشست سے ہی ویرا کو پہچان سکتا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے سے ایک لفظ تک نہیں کہا مگر ویرا کو خطرے کی سنگینی کا پورا ادراک تھا۔ نازک مرحلے سے گزرتے ہوئے اس نے اپنا دایاں ہاتھ اس طرح اٹھالیا کہ وہ اس کے چہرے اور کاک پٹ کے کھلے ہوئے دروازے کے درمیان خود بخود ایک رکاوٹ بن کر حائل ہو گیا۔

ائرلائنز کے عملے کی الوداعی مسکراہٹوں پر ہم دونوں خوش خلقی سے سرہلاتے باہر نکل گئے۔

طویل گینگ وے میں قدم رکھتے ہی ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی "ہر قدم پر میری روح فنا ہو رہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں میلوں دور سے بھاگتی ہوئی یہاں پہنچی ہوں۔"

غنیمت یہ تھا کہ ہم جہاز سے اترنے والے مسافروں کی آخری کھیپ میں نہیں تھے۔ ہمارے بعد بھی جہاز کے پیٹ سے مسافروں کی ڈار کی ڈار نکلی چلی آرہی تھی۔

گینگ وے عبور کر کے ہم عمارت کی ایک وسیع، بلند اور دور تک پھیلی ہوئی راہداری میں آئے تو وہاں مسافروں کی رہنمائی کے لیے نمایاں سائن بورڈ موجود تھے مگر یہ بات فوراً ہی واضح ہو گئی کہ رات کے اس پہر گیٹ وک ائرپورٹ پر زندگی کی رعنائیاں دم توڑ چکی تھیں۔ اس روشن اور پُرشکوہ راہ داری میں ہماری پرواز سے آنے والے مسافروں کے سوا شاید ہی کوئی اور موجود رہا ہو۔

علامات کے سہارے مسافر خود بہ خود دو سمتوں میں بٹ گئے۔ اس مقام پر کانٹی نینٹل ائرلائنز کے زمینی عملے کی ایک رکن خاتون مسافروں کی مدد کے لیے موجود تھی اور مسافروں کی رضا کارانہ تقسیم کو بہت آسودہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

نیویارک سے لندن پہنچنے والوں کی بڑی تعداد امیگریشن اور کسٹم کے مراحل سے گزر کر لندن میں داخلے کے لیے ایک طرف چلی گئی تھی۔ اس پرواز سے آنے والوں میں ٹرانزٹ مسافروں کی تعداد خاصی کم تھی۔ عمارت کی ایک دیوار گھڑی پر نظر پڑنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ہم نے محض اپنی مجبوری کی وجہ سے نیویارک سے ایک نامناسب پرواز پکڑی تھی۔ شاید دوسروں کے ساتھ بھی ایسی ہی کوئی مجبوری رہی ہوگی ورنہ اتنے لمبے سفر میں کون بلاوجہ اپنی ایک رات برباد کرتا ہے۔

زمینی عملے والی خاتون بہت تیز اور پھرتیلی تھی۔ اس نے ہمارے قریب سے گزر کر آگے نکلتے ہوئے کہا "جلدی آجائیں تاکہ آرام کرنے کے لیے زیادہ وقت مل سکے کیونکہ اگلی پرواز صبح سات بجے یہاں سے روانہ ہو جائے گی۔"

ٹرانزٹ ہال کے دروازے پر اس نے مسافروں سے پاسپورٹ اور ٹکٹ جمع کر کے انہیں خالی ہال میں انتظار کرنے کا مشورہ دیا۔ ہم دونوں تھکے ہوئے انداز میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ گئے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آج کی رات ان ہی صوفوں پر کالی ہوگی۔" میں نے شیشے کی دیواروں سے باہر زرد روشنیوں میں نہائے ہوئے ائرپورٹ پر نگاہ ڈالتے ہوئے مایوسی سے کہا "نیویارک سے نکل بھاگنے کے چکر میں ہم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ٹرانزٹ میں کتنا وقت برباد ہوگا۔"

"فکر مت کرو۔ کوئی مسافر اپنی مرضی سے بھائیں بھائیں کرتے ہوئے اس لاؤنج میں رات بسر کرنا چاہے تو دوسری بات ہے ورنہ ائرلائن اتنے لمبے ٹرانزٹ کے لیے ہوٹل ضرور فراہم کرے گی۔ یہاں بین الاقوامی سفری ضابطے سختی سے لاگو کیے جاتے ہیں۔"

ٹرانزٹ ہال کے امیگریشن کاؤنٹر پر پختہ عمر کی ایک خاتون بیزاری کے عالم میں بال پین کا سرا دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی۔ ہماری زمینی میزبان نے اپنے جمع کیے ہوئے پاسپورٹ اس کے سامنے رکھ کر اسے کچھ بتانے کی کوشش کی مگر امیگریشن والی وردی پوش خاتون نے اس کی تقریر میں ذرا بھی دلچسپی لیے بغیر پاسپورٹوں کی ورق گردانی کر کے ان پر مہر لگانی شروع کر دی۔

وہ ہال میں نازل ہونے والے نئے مسافروں کو جلد از جلد بھگتا کر وہاں سے نکل بھاگنے کے چکر میں تھی۔ ویسے بھی ائرلائنز اور امیگریشن کے عملے میں ہر جگہ ایک خاموش سی پیشہ ورانہ مفاہمت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے بہتیرے کام پھرتی سے نمٹ جاتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔

ہماری توقع کے برعکس ہماری میزبان ساری سفری دستاویزات ایک ہینڈ بیگ میں بند کرکے بہت جلد لوٹ آئی اور ہماری راہ نوردی دوبارہ شروع ہوگئی۔

اس بار ہمیں زیادہ دور نہیں جانا پڑا۔ برسات کی بھیگی ہوئی خنک ہواؤں میں ایک بڑی اور آرام دہ بس سائبان کے نیچے ہماری منتظر تھی۔ میزبان خاتون دروازے پر کھڑی اندر جانے والے مسافروں کو غیر محسوس انداز میں گنتی رہی۔ آخر میں وہ خود بھی اندر آگئی۔ خود کار دروازہ بند ہوا اور بس نے لندن کے اس مضافاتی ہوائی اڈے کو چھوڑ دیا۔

باہر سے گیٹ وک ایئرپورٹ کا منظر بہت حسین تھا۔ پوری عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی مگر وہاں نقل و حرکت کا فقدان تھا۔ مختلف ٹرمینلز کو ملانے والی برقی شٹل اپنی اپنی جگہوں پر ساکت تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہماری پرواز کی کلیرنس کے بعد وہاں صبح تک کے لیے تالے ڈالے جانے والے ہوں۔

میزبان اپنی مخصوص نشست کے سامنے لگے ہوئے مائیکروفون کے ذریعے تاکید کر رہی تھی کہ صبح ہم سب کو پونے پانچ بجے ہوٹل کے ہال میں ناشتے کے لیے پہنچنا تھا تاکہ ہوٹل سے سوا پانچ بجے تک روانہ ہو کر وقت پر ایئرپورٹ پہنچ سکیں۔ ہوٹل میں دو دو مسافروں کو ایک ساتھ ٹھہرایا جانا مقصود تھا جس کے لیے ساتھیوں کو فوری انتخاب کی تجویز دی گئی تھی۔ خواتین کو اس شرط سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔

لندن اور گیٹ وک ایئرپورٹ کے درمیان اتنا فاصلہ حائل ہے کہ وہاں آنا جانا ہوتا تو ہوٹل کا بستر گاڑے بغیر ٹرانزٹ کا وقت آرام سے گزر جاتا مگر اس ہوائی اڈے کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے مسافروں کی اس ضرورت کا پیشگی خیال رکھا تھا۔

ایئرپورٹ ٹرمینل سے چند منٹ کی مسافت پر ایک خوب صورت کثیر المنزلہ ہوٹل کے برآمدے میں ہمارے سفر کا اختتام ہوا۔ جدید مواصلاتی ذرائع سے قبل از وقت موصول ہونے والی تفصیلات کی روشنی میں میزبان خاتون اور ہوٹل کے عملے کو ٹرانزٹ میں رکنے والے مسافروں کی تعداد کا علم تھا' کمرے تیار تھے' پاسپورٹ وغیرہ پہلے ہی میزبان کی تحویل میں تھے۔ فارموں پر مختصر اندراجات کے بعد چابیاں مسافروں کے حوالے کی جانے لگیں۔

وہ ہوٹل فائیو اسٹار نہیں تھا لیکن کمرے میں تمام سہولتیں اسی معیار کی تھیں۔ ایک طویل وقفے کے بعد آرام دہ ڈبل بیڈ سامنے آتے ہی میں اس پر ڈھیر ہوگیا۔

ائرلائن نے نیویارک سے مسافروں کا سامان براہِ راست آخری منزل کے لیے بک کیا تھا۔ ہمارے کپڑے وغیرہ سوٹ کیسوں میں بند' گیٹ وک کے کسی کارگو زنجیج میں پڑے ہوئے تھے۔ ہم دونوں میں سے کسی کو خیال تک نہیں آیا تھا کہ راستے میں شب بسری کی نوبت آجائے گی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم نے کاموں میں الجھ کر ہائیک پر اندھا... اعتماد کرلیا تھا' اپنے ٹکٹ تک دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی ورنہ لندن سے روانگی کا وقت سامنے آتے ہی وہ عقدہ کھل جاتا۔

شب خوابی کے لئے متبادل لباس نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان ہی کپڑوں میں بستر پر دراز ہونا پڑا۔ ویرا نے بستر سنبھال کر ریموٹ کنٹرول سے ٹیلی وژن آن کرکے آواز دھیمی کی اور پھر چینل بدلنے شروع کردیے۔

لندن میں رات بھر کے قیام نے میرے ذہن میں اندیشے پیدا کردیے تھے۔ میرے دماغ میں نہ جانے یہ بات کیوں بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمیں گیٹ وک ایئرپورٹ پر بس کچھ دیر انتظار کرکے دوسرے طیارے سے آگے روانہ ہوجانا تھا۔ ہمارے لیے برطانیہ کی سرزمین بھی اسی قدر ہولناک تھی' جتنی امریکا کی۔ ہمارے امریکی حریفوں کے ذرا سے اشارے پر برطانوی حکام ہمارے خلاف صف آرا ہوسکتے تھے۔ دشمنوں کی اس دوسری سرزمین سے نکلے بغیر ہم خطرات سے دوچار تھے۔

ٹیلی وژن پر ویرا کی محنت آخر کار بار آور ثابت ہوئی۔ ایک چینل پر سی این این سے اشتہاروں کے طومار کے بغیر خبروں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس وقت افریقہ کے کسی ملک میں غذائی بحران کی دستاویزی فلم دکھائی جارہی تھی۔ شاید اہم خبروں کا ابتدائی حصہ گزر چکا تھا جو ایک مقررہ وقفے کے بعد دوبارہ سنایا جاسکتا تھا۔

"نیویارک سے پرواز کرنے تک میرا دل ڈوب رہا تھا۔" ویرا نے میری طرف کروٹ لے کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "مجھے یقین تھا کہ جینی نے ہم دونوں کے خلاف اپنے کمپیوٹر پر لکھا ہوا خط نشے کی جھونک میں نیویارک کے پولیس چیف کو فیکس کردیا ہوگا اور نیو آرک ایئرپورٹ سے ہماری روانگی ناممکن ہو کر رہ جائے گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے تقریباً آدھی مسافت طے کرلی ہے۔"

"میں اس کے بارے میں کچھ کہوں گا تو پھر تمہارا منہ بن جائے گا۔"

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "تمہیں جو کچھ کہنا ہے' دل کھول کر کہو۔ اب میں برا نہیں مانوں گی۔ ہم نیویارک سے ہزاروں میل دور ہیں۔ تم چاہو تو بھی اس جادوگرنی سے ملاقات کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

"تم اس کی طرف سے بلاوجہ ہی حسد اور رقابت میں مبتلا ہو۔ وہ بہت کھلے اور صاف ستھرے ذہن کی مالک ہے۔ اس نے ہمیشہ تم سے وہی کہا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔"

"اپنے بارے میں اس کی گھٹیا باتیں یاد کرو۔ وہ آخر تک تمہیں مجھ سے چھین لینے کی کوشش کرتی رہی۔ ایسی باتیں صاف ستھرے نہیں' غلیظ ذہن میں آتی ہیں۔ بس تم اسے منہ پھٹ کہہ سکتے ہو۔ وہ اپنی کسی بات کو راز میں رکھنے پر قادر نہیں ہے۔"

"میرے بارے میں تم نے خود اس کی حوصلہ افزائی کی۔ مجھے روک کر اسے اکساتی رہیں۔ اس کی بے مہار خواہشوں کو ہوا دینے

Downloaded from https://paksociety.com

میں تمہارا کردار بہت نمایاں تھا۔"

"مجھے خوشی ہے کہ میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس کے باوجود ہم نے اس سے اپنے کئی بڑے کام کروالیے۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں کھیلتی رہی ہے۔"

میں نے ویرا کا وہ مان برقرار رہنے دیا اور دھیرے سے کہا "وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔ آخر تک تم سے سچ بولتی رہی اور تم آخر میں بھی اس سے جھوٹ بول کر آئی ہو۔"

"مجھے اس سے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم کس جھوٹ کی بات کر رہے ہو؟"

"اس سے اگلے چند روز میں ملاقات کا وعدہ کرتے وقت تمہیں معلوم تھا کہ تم نیویارک میں ایک دن سے زیادہ کی مہمان نہیں ہو۔ اب وہ پورے خلوص سے تمہارا انتظار کرے گی۔"

"جو ہوا' بہت بہتر ہوا ہے۔" ویرا یکایک بہت زیادہ سنجیدہ ہوگئی "تم اس سے پہلی بار ملے تھے' میں اسے برسوں سے جانتی ہوں۔ پیشہ ورانہ زندگی میں آنے کے بعد اس کی سوچ میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے جرم اور برائی کے بارے میں وہ اتنی حساس نہیں تھی لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ جارج شلزاور دوسرے تین ڈیوڈ اسٹارز کی موت کے بارے میں اپنے بڑھتے ہوئے ذہنی دباؤ سے نجات حاصل نہیں کر سکے گی اور کسی بھی وقت کسی ذمے دار افسر کے سامنے اپنا اقبالی بیان درج کرادے گی۔"

"وہ تمہاری راز دار یا شریکِ کار نہیں تھی۔ ہم نے اسے نادانستگی میں اپنا آلۂ کار بنایا تھا۔ اگر ہمارے نکل آنے کے بعد وہ اپنی حماقتوں کے ازالے کی کوئی کوشش کرتی ہے تو اسے ایسا کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ تم اس پر بددیانتی یا غداری کا الزام نہیں لگا سکتیں۔"

ویرا تلخی سے ہنسی "یہ ازالہ نہیں ہوگا' وہ ناقابلِ تصور پریشانیوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ سی آئی اے اور ایف بی آئی کے تجربہ کار افسروں کے سینے میں پتھر کا دل ہوتا ہے۔ وہ اسے ہمارا معاون قرار دے کر دھر لیں گے اور پھر اس پر ایسا نفسیاتی تشدد ہوگا کہ اپنے سارے نئے نظریے بھول جائے گی۔ آج کی تہہ بہ تہہ دنیا میں ایمان دار بننے کی کوشش کرنے والے بے ایمانوں کو ہر میدان میں منہ کی کھانی پڑتی ہے۔ اس پر ایسے ایسے گھناؤنے الزام عائد کیے جائیں گے کہ وہ تھرا اٹھے گی۔"

"میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ امریکا میں ہم دونوں کی موجودگی کا پہلا باضابطہ انکشاف اسی کی زبان سے ہوگا۔ بعد میں اس کے ساتھ کیا بدسلوکی کی جاتی ہے' اس کے بارے میں تو شاید کبھی کسی کو کچھ معلوم نہیں ہو سکے گا۔"

"اگر اس نے فورٹ ہاؤس کے واقعے کے بارے میں لب کشائی کی حماقت کی تو پھر وہ اس سے آئزک بیل کے بارے میں بھی ہر بات اگلوالیں گے کیونکہ جینی رنگس میں ایک ذمے دار عہدے پر ملازم تھی۔ اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہاں سے گیپ کی فائل اسی نے اُڑا کر ہم تک پہنچائی تھی۔ اس کا یہ قصور اس کے مستقبل پر بدقسمتی کی مہر لگا سکتا ہے۔"

"مجھے تمہاری کسی بات سے اختلاف نہیں ہے۔ اسے کوئی تکلیف پہنچی تو مجھے دکھ ہوگا۔ امریکا میں وہ ہماری پہلی اور سب سے بڑی حلیف تھی۔ اس نے ہمارا بھرپور ساتھ نہ دیا ہوتا تو ہم آج بھی اندھیروں میں ناک ٹوٹیاں مار رہے ہوتے۔"

"یہ حقیقت ہر شبے سے بالاتر ہے۔ امریکا میں ہمارے دو ہی مددگار تھے۔ جینی نے لب کشائی کر کے مصائب کو از خود دعوت نہ دی تو وہ بچ جائے گی مگر بلیک ڈیڈ کا بچنا محال ہے۔"

"میں اس کے لیے خود کو دل گرفتہ محسوس کر رہا ہوں۔ ہم نے دانستہ اس کے خلاف کوئی سازش نہیں کی۔ ہم نے پوری نیک نیتی سے اس کے تعاون سے فائدہ اٹھایا۔ آثار و قرائن یہی ہیں کہ وہ جلد ہی مشکلات سے دوچار ہو جائے گا۔"

سی این این کی نشریات کے بارے میں مختصر سے اشتہاری وقفے کے بعد سی این این کی ہیڈ لائن نیوز کا آغاز ہوگیا۔ اس میں سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز میں ہونے والے مہلک دھماکے پر سنسنی خیز انکشاف سرفہرست تھے۔

ہم دونوں خاموشی سے ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہوگئے۔

خبروں کا انداز حسبِ معمول ڈرامائی تھا۔ ناظرین کو تجسس میں الجھا کر سی این این کا مزید ایک اشتہار دکھایا گیا پھر نیوز کاسٹر نے ورجینیا میں فیئر فیکس کا ذکر کیا اور کیرا سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹرز کے تباہ شدہ حصے پر مرکوز ہوگیا جہاں چار ہلاکتوں کے ساتھ آٹھ افراد زخمی ہوئے تھے۔

ماہرین نے جائے حادثہ کے معائنے اور وہاں سے ملنے والی شہادتوں کے تکنیکی تجزیے سے یہ سراغ لگالیا تھا کہ اس واردات میں کوئی مسروقہ ٹی این ٹی بلیٹ استعمال کی گئی تھی۔ وہ لوگ بہت تیزی کے ساتھ صحیح نتیجے پر پہنچے تھے۔

اسکرین پر فیئر فیکس میں موجود سی این این کا نامہ نگار بتا رہا تھا کہ جدید لاسلکی ریموٹ کنٹرول سے پھٹنے والی وہ خوف ناک بارودی بلیٹ پینٹاگون کے دو یہودی محققین کی ایجاد تھی۔ وہ بلیٹ اپنی میعاد گزرنے کی وجہ سے محدود پیمانے پر تباہی پھیلا سکی تھی جس کے نتیجے میں صرف چار افراد ہلاک ہوئے تھے۔ اگر اس کی جگہ کوئی نئی بلیٹ استعمال کی جاتی تو تباہی سے ہونے والے نقصانات پانچ گنا سے بھی زیادہ ہو سکتے تھے اور شاید باقیات کا تجزیہ بھی اس قدر آسان نہ رہتا۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بدری ناتھ اپنی کمر پر ٹی این ٹی بلیٹ باندھ کر نیویارک سے سیدھا فیئر فیکس پہنچا تھا۔ وہ ذاتی طور پر کچھ اہم ترین کاغذات کی نقول سی آئی اے کے سربراہ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ کاغذات کیا تھے' بدری ناتھ کے ہاتھ کیسے لگے' اس بارے میں سی آئی اے کے ذمے داروں نے سختی سے اپنی زبان بند رکھی ہوئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

بدری ناتھ کی پچھلی کارکردگی کی روشنی میں یہ نظریہ تقویت پکڑتا نظر آرہا تھا کہ اس نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے محکمے کے خلاف کوئی سازش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اپنے پراسرار مخبر یا زیادہ واضح طور پر عباس کرمانی کی کسی بے رحمانہ سازش کا نشانہ بنا تھا۔

عباس کرمانی نے دانستہ کچھ ایسے کاغذوں کی نقول بدری ناتھ کو فراہم کیں جن کے لیے فیٹر فیکس سے وائٹ ہاؤس تک سب پریشان تھے۔ سرکاری طور پر اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا مگر واشنگٹن کے باخبر حلقوں کے لیے وہ ایک کھلا راز تھا۔

گپ کا نام لیے بغیر نامہ نگار نے کہا کہ وہ نقل حاصل کرتے ہی بدری ناتھ نے نیویارک سے ور جینیا کی طرف دوڑ لگا دی۔ مجرم نقول دینے سے پہلے کسی طرح بدری کوئی این ٹی بیلٹ استعمال کرنے پر آمادہ کرچکا تھا۔ بدری اس چرمی بیلٹ کی تباہ کاری سے بے خبر تھا۔ وہ سی آئی اے کے محافظوں کے سامنے سے گزر کر ایک بارودی انسان کے روپ میں اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو عباس کرمانی نے ریموٹ کنٹرول کے ذریعے ہیڈ کوارٹرز میں خونین دہشت گردی کا ایک المناک باب رقم کرڈالا۔

نیویارک کے فورٹ ہاؤس میں دو مقتولین پر لیزر گن جیسے خفیہ ہتھیار کے استعمال کے محض دو روز بعد سی آئی اے سینٹر میں ٹی این ٹی بیلٹ کے استعمال نے قومی سلامتی کے ذمے دار اداروں سمیت پینٹاگون والوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور یہ سوال پوری شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آگیا تھا کہ اہم ترین دفاعی اداروں کے اسلحہ خانوں میں رکھے ہوئے حساس ترین نوعیت کے آلات کی حفاظت کی کیا ضمانت رہ گئی تھی۔

اگر امریکی ساختہ لیزر گن اور ٹی این ٹی بیلٹ کسی مجرم اور دہشت گرد کے ہاتھ لگ سکتی تھی تو پھر جوہری ہتھیاروں کے ذخائر بھی ایسے مجرموں کی دسترس میں تھے۔ وہ امریکا کے کسی بھی حصے میں کسی وقت دہشت گردی کی تاریخ کا کوئی بدترین مظاہرہ کرسکتے تھے۔

یہ امریکی قوم کی بنیادی خوبی یا خرابی ہے کہ وہ لوگ جب کسی واقعے یا حادثے سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں تو پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں' اس کے ہر مثبت اور منفی پہلو کو پوری طرح کھنگال کر رکھ دیتے ہیں۔ الیکٹرونک ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلائے جانے والے مہلک ترین ہتھیاروں کے عدم تحفظ اور قومی سلامتی پر اس کے اثرات کے سوال پر ٹیلی وژن پر مختلف شخصیات کی آرا کا سلسلہ چل پڑا جو میرے لیے خنک اور غیر دلچسپ تھا۔ امریکیوں کی انفرادی اور قومی سلامتی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"مجھے بلیک ڈیڈ کی شامت کے نمایاں آثار نظر آنے لگے ہیں۔ وہ بے چارہ اپنی نیچیوں اور ہرزہ سرائیوں کی بہت بھاری قیمت ادا کرے گا۔" میں نے ریموٹ سے ٹیلی وژن بند کرکے کہا۔

"ابھی تک اس کا نام نہیں آیا۔ سارا زور عباس کرمانی پر ہے۔" ویرا بولی "دعا کرو کہ ہم لوگوں کے پاکستان پہنچنے تک یہ صورت حال اسی طرح الجھی رہے۔"

"وہ لوگ بہت تیزی سے صحیح سمت میں پیش قدمی کررہے ہیں۔ فورٹ ہاؤس کے واقعے کی بازگشت پھر سنائی دے رہی ہے۔ اس حوالے سے نیویارک کی زیر زمین دنیا میں بلیک ڈیڈ خود اپنے نام کو جھنڈے پر چڑھاتا رہا ہے۔ رشوت خور پولیس اہل کار عام حالات میں ان حقیقتوں سے چشم پوشی اختیار کرسکتے ہیں لیکن اب قومی سلامتی کے سنگین سوال اٹھائے جارہے ہیں۔ فورٹ ہاؤس میں بم گن کے استعمال کی بات کھل چکی ہے۔ سی آئی اے والے بلیک ڈیڈ کو تفصیلی مشوروں کے لیے کسی بھی وقت اٹھا کرلے جائیں گے۔ جسمانی اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس نے ہمارا یا پیری کا ویل کا نام لے ڈالا تو سی آئی اے والوں کا کام بہت آسان ہوجائے گا۔"

"موجودہ نقصانات کے بعد شاید آئزک بیل کی باتوں پر غور کیا جائے گا۔ ابھی تک وہ اکلوتا گواہ ہے جو عباس کرمانی کے بجائے ہم دونوں کو ملوث کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"بدری ناتھ کے راہ سے ہٹ جانے کے بعد بہت کچھ بدل جائے گا۔ اب وہ اپنی کھوپڑیوں سے غورو خوض کریں گے' بھگانے والے کے ہٹ جانے کے بعد ان کے اخذ کیے ہوئے نتائج صحیح بھی ہوسکتے ہیں۔ شاید اگلے ایک دو روز میں معاملات کی تہ تک پہنچ جائیں گے۔"

"امریکی عام طور پر بے وقوف نہیں ہوتے۔ وہ اپنی ذہانت اور مکاری کے سہارے ہی دنیا پر راج کررہے ہیں۔" ویرا نے میرے لہجے میں ابہام محسوس کرکے کہا "یہ ہمارے مقدر کی یاوری تھی کہ پچھلے دنوں وہ کسی سدھائے ہوئے گدھے کی طرح ہماری بجھائی ہوئی راہوں پر چلتے رہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کو بھگانے میں بدری ناتھ کلیدی کردار ادا کررہا تھا۔"

"سی این این والے کاغذوں کی نقول کا حوالہ دے رہے تھے لیکن خبر میں ایک بار بھی گپ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"گپ ایک سرکاری کمزوری کا نام ہے۔ وہ اسے ہر قیمت پر خفیہ رکھنا چاہ رہے ہیں۔ بات زیادہ اچھلے گی تو یہ نام بھی زبان زدِ عام ہوجائے گا۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "اب مجھے تھوڑی سی نیند لے لینے دو۔ میں پورے سفر میں اعصابی کشیدگی میں مبتلا رہی ہوں۔"

"تم عیش کرو۔ میں ذرا کراچی کی خیر خبر لے لوں۔ اپنے چکروں میں ہم انہیں بھول ہی گئے ہیں۔"

"صاف کیوں نہیں کہتے کہ انہیں اطلاع دے کر کراچی میں اپنے استقبال کا بندوبست کرانا چاہتے ہو۔ وہ تینوں جلوس کی صورت میں ائرپورٹ پہنچ جائیں گے۔"

"کسی وقت اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر ڈھنگ کی بات

Downloaded from https://paksociety.com

بھی سوچ لیا کرو۔"

"یہ کام تمہارے ذمے ہے۔ بس اب مجھے ڈسٹرب نہ کرنا۔" اس نے کروٹ لے لی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر اندازہ لگایا کہ غزالہ اور سلطان شاہ کے لیے وہ بہت سویرا تھا۔ وہ دونوں فلیٹ میں فرصت اور فراغت کے دن گزار رہے تھے۔ انہیں صبح سویرے بستر سے اٹھانا مناسب نہیں تھا۔ اول خان کو اس وقت اپنے دفتر میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ اسی سے کچھ کھلی کھلی باتیں کرکے میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرسکتا تھا۔

میں نے آپریٹر کو جوں ہی پاکستان کا نمبر بتایا' اس نے متذبذب مگر مہذب لہجے میں کہا "سر' آپ ٹرانزٹ میں اپنی ائرلائن کے مہمان ہیں مگر وہ اس فون کال کی ادائیگی نہیں کریں گے۔ ان کی ذمے داری کمرے اور ناشتے تک محدود ہے۔"

"مس! تم فکر نہ کرو۔ کال کی ادائیگی میں خود کروں گا۔ تم جلدی سے نمبر ملادو۔"

چند ثانیوں میں کال مل گئی اور اول خان کی چہکتی ہوئی آواز میرے کانوں میں آئی "تم کہاں غائب ہو؟ اتنے لمبے وقفے کے بعد کراچی کا خیال آیا ہے....."

"سچ پوچھو تو ہر وقت کراچی ہی کا خیال رہتا ہے۔ یہاں پڑے پڑے طبیعت اکتا چکی ہے۔"

"پڑے پڑے!" اس نے حیرت سے دہرایا "تو کیا تازہ خبروں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے؟ ان میں تمہارے دوست کا نام بھی اچھالا جارہا ہے۔"

وہ یقینی طور پر فیئر فیکس کا حوالہ دے رہا تھا۔ میں نے متانت سے کہا "تعلق نہ ہوتا تو اس وقت تم سے بات نہ کررہا ہوتا۔ اس واقعے نے قدم اکھاڑ دیے ہیں۔"

"خدا خیر کرے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" میرے جواب پر اول خان دہل گیا "تمہارا واپسی کا کیا پروگرام بن رہا ہے؟"

میں ہنس پڑا "تم بالکل ٹھیک سمجھے ہو۔ آستین کے سانپ کو مار لینے کے بعد وہاں سے نکلنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ اس وقت میں ٹرانزٹ پر لندن میں ہوں۔ شام کی پرواز سے ہم دونوں کراچی آرہے ہیں۔ اب تم سے وہیں تفصیلی ملاقات ہوگی۔"

"اوہ! تو تم لندن آچکے ہو۔ تم نے دل خوش کردیا میرا۔ تم جتنی تیزی دکھا رہے تھے اس کے بعد تمہیں وہاں سے نکل ہی آنا چاہیے تھا۔ کہو تو میں گاڑی ائرپورٹ بھیج دوں؟"

اس کے آخری سوال پر میرا دل بجھ گیا "کیوں؟ کیا تم نہیں آؤ گے؟"

"تم چاہو گے تو سر کے بل آؤں گا مگر میرا مشورہ ہے کہ مجھے نہ بلاؤ۔ تمہاری آمد خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہونی چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ تم دونوں الگ الگ ہی آؤ۔"

"تمہاری باتوں نے مجھے فکر مند کردیا۔ وہاں خیریت تو ہے نا؟"

"بس خیریت ہی سمجھو۔ میں یہ مشورہ احتیاطاً دے رہا ہوں۔ کل تمہارے فلیٹ کے قریب دو مشتبہ آدمی منڈلاتے ہوئے نظر آئے تھے۔ میرے آدمیوں کی باز پرس سے پہلے ہی وہ خطرہ بھانپ کر کہیں روپوش ہوگئے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم واپس آتے ہی کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔"

"میں تمہارا مشکور ہوں۔ کسی کو ائرپورٹ آنے کی ضرورت نہیں۔ ہم دونوں الگ الگ ٹیکسیوں سے خود ہی گھر پہنچ جائیں گے۔ وہیں ملاقات ہوگی۔"

"تمہارے دونوں ساتھی بے وقوف اور جذباتی ہیں۔ ہر خطرے کو بالائے طاق رکھ کر ائرپورٹ پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ میں انہیں تمہاری واپسی کی اطلاع نہیں دوں گا۔"

"اچھا ہوا کہ تم نے مجھے مطلع کردیا۔ یہ سمجھ لو کہ اس وقت فون پر ہماری کوئی بات نہیں ہوئی۔ اب رات کو ہی ملاقات ہوگی۔"

اول خان سے وہ مختصر سی گفتگو کرکے میں نے فون بند کردیا۔

میرے ریسیور رکھتے ہی دوبارہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے چونک کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف ہوٹل کی آپریٹر موجود تھی اور مجھے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ ہوٹل کے سروس چارجز وغیرہ ملا کر اس کال کی مالیت سوا پانچ پاؤنڈ بنتی تھی۔

"کیا وہاں کوئی گڑبڑ ہے؟" ویرا نے تھکی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

میں نے اول خان سے جو کچھ سنا تھا' وہ اس کے گوش گزار کردیا۔

بستر میسر آنے پر مجھے بھی شدت سے نیند کی ضرورت کا احساس ہورہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا کرنے کے چند منٹ بعد ہی میری آنکھ لگ گئی۔

ساڑھے چار بجے آپریٹر نے کال کے ذریعے ہمیں بیدار کیا تو میرے لیے آنکھیں کھولنا دشوار ہورہا تھا مگر مجبوری تھی۔

ہم دونوں جلد ہی منہ ہاتھ دھو کر تیار ہوگئے۔ شکن آلود لباس کی تبدیلی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ آئینے میں اپنا سراپا درست کرتے ہی ہم نے کمرا چھوڑ دیا۔

ہوٹل کے وسیع و عریض ڈائننگ ہال میں مسافر تیزی کے ساتھ جمع ہوتے چلے گئے۔ ان کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ سب لوگ ہال کے ایک گوشے میں سما گئے۔ ہوٹل کی انتظامیہ نے ہمارے ناشتے کے لیے ہال میں سیلف سروس کی صرف ایک ہی میز سجائی تھی۔

مسلمانوں کے مذہبی گھرانوں کے سوا دنیا بھر میں کہیں بھی سحر خیزی کی روایت اب موجود نہیں رہی ہے۔ جو لوگ منہ اندھیرے اٹھتے ہیں' وہ کسی ذاتی' کاروباری یا ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے اٹھتے ہیں ورنہ دنیا کی بیشتر آبادی اپنی سہولت کے مطابق دیر سے

Downloaded from https://paksociety.com

اٹھنے کی عادی ہوتی چلی جارہی ہے۔ لندن جیسے شہر میں صبح کے پونے پانچ بجے بیدار بلکہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچنا میرے لیے ایک خوش گوار تجربہ تھا۔

شیشے کی شفاف دیواروں سے باہر ہوٹل کے احاطے میں لگے ہوئے رنگا رنگ پھولوں کے تختے مصنوعی روشنی میں عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ اس وقت آسمان پر اندھیرے کا راج تھا اس لیے احاطے میں لگے ہوئے بلب اور اسٹریٹ لیمپ بدستور روشن تھے۔ رات کو ہونے والی بارش تھم چکی تھی۔ مجھے توقع تھی کہ ہوٹل کی آرام دہ فضا سے باہر نکلتے ہی صبح کی کاٹ دار ہوائیں ہمارا استقبال کریں گی۔

ناشتے کے درمیان میں ائرلائن کی طرف سے ہماری نئی زمینی میزبان وہاں آپہنچی۔ رات والی خاتون کے بدن پر یونائیٹڈ کی وردی تھی۔ اس بار آنے والی امارات کی پُروقار وردی میں ملبوس نظر آرہی تھی۔ وہ ایک جواں سال اور ہنس مکھ مقامی لڑکی تھی۔

اس وقت تک ہماری سفری دستاویزات کا کوئی پتا نہیں تھا۔ ائرپورٹ کی حدود میں داخلے سے پہلے ان کی واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

بڑے طیاروں پر مقامی اور بین الاقوامی پروازوں سے سفر کے لیے ہر ائرلائن زور دیتی ہے کہ مسافر پرواز سے کم از کم دو گھنٹے پہلے ائرپورٹ پر رپورٹ کریں تاکہ آخری لمحات میں ہجوم اور بدنظمی نہ ہو' سارا کام خوش اسلوبی سے پورا ہوسکے مگر ہم لوگوں کے سلسلے میں کچھ رعایت سے کام لیا گیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارا سامان پہلے ہی ائرلائن کی تحویل میں تھا۔ سفری دستاویزات یک جا تھیں۔ گروپ کی صورت میں ہر کام تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا تھا۔

ایک کوسٹر نے ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ہمیں ہوٹل سے گیٹ وک ائرپورٹ کے متعلقہ ٹرمینل پر اتار دیا۔ رات کو ویران اور خالی نظر آنے والی عمارتوں میں اس وقت زندگی کی رعنائیاں اپنے شباب پر تھیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہورہی تھی کہ اتنے سویرے بھی وہاں مسافروں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

دستاویزی کارروائیوں کے مراحل سے گزرنے کے بعد ہم بورڈنگ کارڈ سمیت روانگی کے لاؤنج میں پہنچ گئے جہاں روایتی رونق اور گہما گہمی ہماری منتظر تھی۔

"ابھی تک کچھ نہیں ہوا' اس کا مطلب ہے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل جائیں گے۔" ویرا نے مجھے ایک طرف دھکیلتے ہوئے سرگوشی کی۔

"صبح سویرے ایسے منحوس اندیشوں کے بارے میں نہ سوچو۔" میں نے اسے گھور کر کہا "فکرمندی سے شروع ہونے والا دن پریشانیوں میں ہی نہ گزر جائے۔"

"ہم نیویارک میں تھے تو واقعات کی گرمی اور روانی میں بہت کچھ کرتے چلے جارہے تھے۔ اب سوچتی ہوں کہ تمہارا یہ حال ہے تو گلاس خالی کرنے کے بعد کہ ہم نے مختصر سی مدت میں وہاں کیسی یادگار کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ جب امریکیوں کو علم ہوگا کہ ہم ان کی ناک کے نیچے ان کے سینے پر مونگ دلتے رہے تھے تو وہ اپنی بے خبری پر بال نوچتے رہ جائیں گے۔ ان کے گھر میں شاید ہی کسی نے اتنی بے دردی سے جوتے لگائے ہوں۔"

"اپنی خفت مٹانے کے لیے انہوں نے آئزک بیل کو کچھ رعایتیں دینے کا فیصلہ کرلیا تو وہ زخمی ناگ دم توڑنے کے بجائے دوبارہ جان پکڑلے گا۔" میں نے کہا۔

"یہ ناممکن ہے۔" ویرا نے اپنا فیصلہ صادر کردیا "ہر بات معاف اور نظرانداز کی جاسکتی ہے لیکن امریکا پر راج کرنے والی ایجنسیاں یہ بات فراموش نہیں کرسکیں گی کہ وہ گیپ جیسی اہم دستاویز کی حفاظت کرنے میں بری طرح ناکام ہوچکا تھا۔"

"وہ اندر کی کہانی ہے۔ اس پر ظاہری فردِ جرم بھی سنگین ہے۔"

"ہارلم کے فسادات اور کوئنز ٹرمٹاؤن ایکسپریس وے پر دہشت گردی کے ذریعے ایک پولیس افسر کے قتل کے الزامات سے وہ بری نہیں ہوسکے گا۔"

ویرا لاؤنج کے ایک بار کی طرف بڑھی تو میں چونک پڑا "یہاں کہاں جارہی ہو؟"

"شہری شراب خانوں پر وقت کی پابندی ہوتی ہے۔" وہ ایک آنکھ دبا کر مسکرائی "میں شرط لگاسکتی ہوں کہ اس وقت پورے لندن میں کوئی شراب خانہ نہیں کھلا ہوگا مگر یہاں وقت کے ستائے ہوئے مسافروں کی سہولت کے لیے اس وقت بھی ساقی اپنے مے کدے میں موجود ہے۔"

گول محرابی کاؤنٹر کے پیچھے موجود بھرے بھرے بدن والی خاتون صبح کی اولین مسکراہٹ کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئی اور ویرا نے فرمان جاری کردیا۔

"دو لارج بلیک لیبل.... برف اور سوڈے کے ساتھ۔" یہ سنتے ہی خاتون اپنے عقب میں لٹکی ہوئی بوتلوں کی قطار کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ یہ مے نوشی کا کون سا وقت ہے؟ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔" میں نے اردو میں شدت سے احتجاج کیا۔

"جہاز پر مفت کی ملتی ہے مگر تمہیں علم ہے کہ میں نے نیو آرک سے یہاں تک بیئر کے ایک کین کے سوا کچھ نہیں لیا تھا۔ اب موڈ بحال رکھنے کے لیے یہ ٹانک ناگزیر ہوگیا ہے۔ یہ گلاس تمہارے معدے میں اترے گا تو تمہیں باہر کی دنیا زیادہ رنگین اور پُرامید نظر آنے لگے گی۔"

میں نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ "محض آرڈر دے کر تمہارا یہ حال ہے تو گلاس خالی کرنے کے بعد تمہارا کیا حال ہوگا؟"

Downloaded from https://paksociety.com

"ایسا ہو تو کوئی رسک نہ لینا۔ مجھے یہیں چھوڑ کر تم نکل جانا۔ چند روز کے لیے غزالہ خوش ہو جائے گی کہ تم نے آخر کار مجھ سے اپنا پیچھا چھڑا ہی لیا۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

ساقی گری کرنے والی خاتون نے شیشے کے دو چمکتے ہوئے پیمانوں میں جھلملاتا ہوا سیال ہمارے سامنے رکھ دیا۔ وہ برف کے ڈلے ڈال چکی تھی۔ سانولے سے دونوں پیمانوں میں سوڈے کی دھاریں مارتے ہوئے وہ مسکرا کر بولی "علی الصباح کا یہ ڈرنک مبارک ہو۔ یہ میری آج کی پہلی سیل ہے۔"

"تم کو شرم آنی چاہیے۔" میں نے ویرا کو ملامت کی "یہاں بے شمار سفید فام نظر آ رہے ہیں جن کی گھٹی میں شراب شامل ہوتی ہے لیکن انہوں نے بھی اتنے منہ اندھیرے بار کا رخ نہیں کیا....."

"تقریر مت کرو اور پیگ اٹھاؤ۔" ویرا غرائی "میں ہمیشہ تمہاری خواہشات کا احترام کرتی ہوں۔ اس وقت تم میری بات مان لو گے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔ میں تمہیں زہر کا پیالہ تو نہیں پلا رہی۔"

اس کی بڑی بڑی اور چمک دار آنکھوں میں شرارت سے زیادہ سرکشی ناچ رہی تھی۔ ایسے موڈ میں وہ ہمیشہ جارح اور زبان دراز ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے خاموشی سے پیگ اٹھا لیا۔

"تمہارے دشمنوں کے اڑے ہوئے چیتھڑوں کے نام۔" اس نے اپنا پیگ میری طرف لہرایا۔

میں نے جواب میں کچھ کہے بغیر اپنے لب تر کر لیے۔ اس وقت ویرا کے منہ لگ کر مجھے کوفت اور جھلاہٹ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

میں اس وقت اکھڑے اکھڑے رویّے کا مظاہرہ نہ کرتا تو شاید ویرا جہاز کا رخ کرنے تک وہیں جمی رہتی۔ میرے تیور دیکھ کر اس نے مزید فرمائش نہیں کی۔ ادائیگی کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔

ویرا نے ایک سرشتی صوفے پر نیم دراز ہو کر سگریٹ سلگائی اور میں لاؤنج میں ٹہلتا ہوا آگے نکل گیا۔ دنیا کے سفر پر نکلے ہوئے دنیا جہان کے لوگوں کی ارادی اور اضطراری حرکات کا گہرا مشاہدہ میرے لیے ہمیشہ دلچسپی سے بھرپور ثابت ہوتا تھا۔

ویرا سے الگ رہ کر میں نے مٹرگشت میں اپنا وقت بہت آسانی سے گزار لیا۔ سوا چھ بجے ہماری فلائٹ کی بورڈنگ کے اعلانات ہر جگہ نظر آنے لگے۔ اسکرین کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ اگلے ایک گھنٹے میں گیٹ وک سے کم از کم سات پروازیں روانہ ہونے والی تھیں۔ اس اعتبار سے ہماری صبح سات بجے کی پرواز انوکھی نہیں تھی۔ اپنی اگلی منزل پر زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنے کے خواہش مند مسافر صبح سویرے سفر کے آغاز کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ لاؤنج بہت تیزی سے بھرتا جا رہا تھا۔

ہم وہاں پہنچے تو ایشیائی باشندوں کی ظاہری تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسافروں کی بھیڑ میں نہ صرف ایشیائی بلکہ بہت سے پاکستانی چہرے بھی نظر آنے لگے تھے۔ میں ان لوگوں کا دور دور سے محتاط جائزہ لیتا رہا تاکہ اپنے کسی ممکنہ شناسا سے دور رہ سکوں۔

کراچی میں میری سرگرمیاں اپنے کاموں تک محدود رہتی تھیں۔ میں نے کبھی بھی تقریبات وغیرہ میں شامل ہو کر لوگوں سے میل جول بڑھانے کی کوششیں نہیں کی تھیں، اسی وجہ سے میرے واقف کاروں کی تعداد کبھی بھی زیادہ نہیں رہی تھی۔ یہ خامی یا خوبی میرے کاموں میں ہمیشہ معاون ثابت ہوئی تھی۔

میں نے شکستے ہوئے طائرانہ نظروں سے ہال کا جائزہ لیا تو ویرا کے صوفے پر جاپانیوں کی ایک ٹولی کو قابض پایا۔ ویرا کہیں نکل چکی تھی۔ میں بے پروائی سے اپنے گیٹ کی طرف چل دیا۔

جہاز کا سفر قدرے طویل وقفے کے بعد ہو تو اس میں سنسنی اور نئے پن کا احساس ہوتا ہے ورنہ سب کچھ ایک لگے بندھے معمول کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ میں راہداری سے گزر کر جہاز میں داخل ہوا اور ٹرالی سے تازہ اخبار لیتا ہوا اپنی نشست کی طرف چل دیا جس کی نشان دہی ایک ائرہوسٹس کر چکی تھی۔

جہاز... میں غیر ملکیوں کے ساتھ متعدد پاکستانی چہرے بھی نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے بعض اپنے بال بچوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ان پر نگاہ پڑتے ہی میں نے غیر ارادی طور پر دو حصوں میں بانٹ لیا۔ اپنے ظاہری احوال اور بول چال سے ایک وہ طبقہ نظر آ رہا تھا جو مستقل بنیادوں پر برطانیہ میں مقیم تھا۔ وہ لوگ رشتے داروں سے ملنے جلنے یا کسی تقریب میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔ دوسرے پاکستانی وہ تھے جو سیر و تفریح یا تجارتی کاموں کو نمٹانے کے بعد اپنے وطن لوٹ رہے تھے۔

میں ان دونوں طبقوں کی معاشرت، بود و باش، بول چال اور زندگیوں کا موازنہ کرتا ہوا اپنی نشست تک پہنچا تو ویرا مجھ سے پہلے وہاں موجود تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے دانت نکال دیے۔

"اس وقت تم کوئی شوخ بندریا معلوم ہو رہی ہو۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"شکریہ!" اس نے برا مانے بغیر خوش دلی سے کہا "مجھے معلوم ہے کہ بہتیرے پاکستانی سفید فاموں اور خاص طور پر امریکیوں کو پیار سے بندر کہتے ہیں۔ اس رعایت سے تم مجھے بندریا ہی کہہ سکتے ہو۔"

"یہ نام پیار سے نہیں، تحقیر کے لیے دیا جاتا ہے۔" اس کی ڈھٹائی پر مجھے غصہ آ گیا۔

"جھوٹ مت بولو۔" وہ اٹھلا کر بولی "میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم کبھی میری تحقیر کا تصور بھی کر سکتے ہو۔ یہ مذاق مجھے پسند نہیں آیا۔"

وہ پوری سنجیدگی سے مجھے سلگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور میرا

Downloaded from https://paksociety.com

پارہ چڑھ گیا۔

"ہم اپنے کمرے میں نہیں' جہاز میں بیٹھے ہیں۔ یہ پاگلوں کی طرح کیوں ہنس رہی ہو؟"

"تمہارا بایاں نتھنا یوں ہولے ہولے پھڑک رہا ہے۔" اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی پانچویں انگلی ملا کر انہیں خفیف سی جنبش دیتے ہوئے کہا "جب تم اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہے ہوتے ہو تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ بس یہی دیکھ کر میری ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ کیا مجھ پر غصہ آرہا ہے؟"

"بول چال میں احتیاط کرو اور خود پر قابو رکھو۔" میں نے اسے گھور کر سرزنش کی "ہمارے ساتھ پاکستانیوں کی خاصی تعداد سفر کررہی ہے۔ تمہاری بے لگام باتیں کسی کو بھی ہماری طرف متوجہ کرسکتی ہیں۔"

"خاصی تعداد کا ذکر غیر ضروری ہے۔ تمہارے ساتھ شاید سارے پاکستانی برسوں سے سفر کررہے ہیں۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔

اس کی بات فوری طور پر میرے پلّے نہیں پڑ سکی "اب کہاں کی ہانک رہی ہو؟"

"حقیقت اتنی ہی کڑوی ہوتی ہے۔ تم اردو والے سفر کی بات کررہے تھے' مجھے انگریزی والا سفر یاد آگیا۔ تمہارا قومی ابتلا میرے لیے ہمیشہ تشویش ناک رہا ہے۔ پتا نہیں تمہاری قوم اپنی قیادت کے گناہوں کی سزا بھگت رہی ہے یا پھر قوم کی بے راہ روی کی سزا میں اس پر خود غرض اور بدعنوان حکمراں مسلط کیے جاتے رہے ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے ورنہ اول خان جیسے شخص کو معطلی اور پھر معزولی کا خطرہ درپیش نہ ہوتا۔ وہ واقعہ میرے ذہن سے جونک کی طرح چمٹ کر رہ گیا ہے۔"

میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کی ذہنی رَو اسی طرح اچانک بدلتی تھی۔ کہاں وہ مجھے چڑا کر لطف اندوز ہورہی تھی اور کہاں یکایک پاکستان کا ایک سنگین ترین مسئلہ لے بیٹھی تھی۔

"یہ صرف ایک گناہ کی سزا ہے۔" اس کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے میں نے بھی غصہ تھوک دیا "ہر شخص ہوسِ زر میں مبتلا ہوچکا ہے اور اپنی توفیق کے مطابق لوٹ مار میں مصروف ہے۔ یہ ملک ان گنے چنے نیک لوگوں کی وجہ سے چل رہا ہے جو اس بھیڑ چال سے بچے ہوئے ہیں۔"

"میں تو یہ پڑھ پڑھ کر حیران ہوتی ہوں کہ تمہارے ملک میں رشوت' کمیشن اور کِک بیک کے ساتھ ساتھ بھاری قرضوں کی معافی کا فیشن بھی برسوں سے پروان چڑھ رہا ہے۔ ایسی ننگی لوٹ تو ترقی یافتہ ملک بھی نہیں سہہ سکتے۔ یہ ساری لوٹ مار وہ طبقہ کرتا ہے جو اقتدار اور اختیار پر قابض ہوتا ہے۔ عام لوگ حسرت اور محرومی سے یہ تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ اہل کار جو ان دونوں کے درمیان آتے ہیں' اپنی چاندی کررہے ہیں۔ یہ کیسا اندھیر ہے کہ اربوں روپے ڈکار جانے والے تمہارے ملک میں معزز کہے اور سمجھے جاتے ہیں۔ اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے کسی کے گھر میں چوری کرنے والے کا ہاتھ قلم کردینے کے نکتے اٹھائے جاتے ہیں مگر ان معزز ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لیے اجازتوں کے عذر پیش کیے جاتے ہیں۔ جب قانون موجود ہے اور جرم کے سارے شواہد موجود ہیں تو پھر کس اجازت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ عام ڈاکوؤں' چوروں اور لٹیروں کو کس کی اجازت سے' کس قانون اور اختیار کے تحت اور کیوں گرفتار کرکے سزایاب کرایا جاتا ہے؟ حیرت ہے کہ آج تک تمہارے ملک میں کسی نے بھرپور انداز میں حکمرانوں سے ان سوالوں کے جواب دریافت نہیں کیے۔"

"ابھی تک تم ہمارے معاشی ناسور کی باتیں کررہی تھیں اور میں تمہیں جواب دے رہا تھا۔ اب تم سیاست کی طرف آگئی ہو۔ ساری اجازتیں سیاسی مصلحتوں اور سودے بازیوں کی پابند ہوتی ہیں۔ میں سیاست سے دور بھاگتا ہوں۔ میں نے جس دن یہ سب سوچنا شروع کردیا' میں اپنا اصل کام بھول جاؤں گا۔"

"یہ انفرادی لاتعلقی ہی تمہاری قوم کا اجتماعی مرض ہے۔" وہ یکایک جذباتی ہوگئی "سیاست کوئی غلاظت یا حرام کاری نہیں ہے جو تم اس سے یوں دور بھاگتے ہو۔ وہ تمہاری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے' تم پر ہر طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ تم نے اپنے حق سے دست بردار ہوکر اسے دوسروں کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ سیاست داں جو چاہیں' کرتے رہیں۔ تم نے اپنے اوپر ایک خود ساختہ مسکینی' مایوسی اور بے بسی طاری کی ہوئی ہے۔ اپنا ووٹ بدمعاشوں کو مسترد اور نیک نام لوگوں کو کامیاب بنانے کے لیے استعمال کیوں نہیں کرتے۔ رائے شماری کا وقت آتا ہے تو تم لاتعلقی اختیار کرکے ٹیلی وژن پر خاص پروگرام دیکھنے بیٹھ جاتے ہو یا پھر بستر میں پڑے اینڈتے رہتے ہو۔ تمہارا ووٹ بالا ہی بالا ان بدمعاشوں کے حق میں استعمال ہوجاتا ہے جن سے تم نفرت کرتے ہو۔ ایسی مجرمانہ لاتعلقی کے بعد جب کوئی تیکھا سوال سامنے آتا ہے تو جنم جلی بوڑھیوں کی طرح سیاست کو کوسنے بیٹھ جاتے ہو۔"

"ہمارے تجربے تم سے مختلف اور ذرا تلخ ہیں۔" میں نے سہلاتے ہوئے دھیرے سے کہا "یہ لاتعلقی خود بہ خود ہی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے اسباب بہت گہرے ہیں۔ لوگوں نے مخلص قیادت کو سامنے لانے کے لیے پورے جوش و خروش سے تپتی دھوپ میں قطاریں لگا کر ووٹ کی پرچیاں ڈالیں۔ نتائج آئے تو وہ دنگ رہ گئے۔ ان کا مخالفانہ ووٹ بھی قیادت بدلنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا....."

"ایک دو بار ایسا ہوسکتا ہے لیکن ہمیشہ یہ سب یوں ہی نہیں رہے گا....."

"اسے بدلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بھی ایک پوری سنڈیکیٹ ہے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ پاکستان میں ہیروئن کی تجارت سے کالے دھن کی کتنی بڑی منڈی پیدا ہوچکی ہے؟ ہماری پوری قوم اس ہولناک معاشی ریلے کے حصار میں ہے۔ یہ رقم قانونی تجارت

Downloaded from https://paksociety.com

اور لین دین میں نہیں کھپ سکتی۔ یہ اسمگلر اپنی پسند کے سیاسی گھوڑوں پر گڑیوں کے حساب سے نہیں' بوریوں کے حساب سے سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ یہ گھوڑے جیت جاتے ہیں تو انہیں رعایتوں' مراعتوں اور اجازتوں کی صورت میں اپنا سرمایہ منافع سمیت واپس مل جاتا ہے۔ یہ کالا دھن خوف ناک رفتار سے روز بہ روز بڑھتا جارہا ہے۔ نودولیتوں کی ایک ایسی کھیپ وجود میں آچکی ہے جو اپنی پسند کی چیز منہ مانگے داموں پر خریدنے کی شوقین ہے۔ انہوں نے بازاروں میں آگ لگائی ہوئی ہے جس کی چنگاریاں عام آدمی کے دامن کو دھیرے دھیرے راکھ کررہی ہیں۔"

"خرابیاں اس قدر ہیں کہ بات کہیں سے بھی شروع کی جاسکتی ہے لیکن گہرائی میں جھانکا جائے تو تمہارے ملک کی بربادی میں ہیروئن کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کی ناجائز آمدنی نے تمہاری سرزمین پر ہتھیاروں کی غیر قانونی تجارت کو فروغ دیا اور یہی سیاست کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔"

"ہمارے یہاں معاشرتی سطح پر بھی ہیروئن کے اسمگلروں کو بہت برا نہیں سمجھا جاتا۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر کوئی پاکستانی ہیروئن برآمد کرکے دولت کماتا ہے تو کیا ہوا' پورا مغرب بھانت بھانت کی شرابیں بیچ کر دنیا کی دولت بٹور رہا ہے۔ مغرب کی منافقت کی وجہ سے اس کے بنائے ہوئے معیار بھی ہمارے یہاں نفرت اور تعصب کا نشانہ بننے لگے ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" اس نے تفہیمی انداز میں سرہلا کر اعتراف کیا "تمہارے مذہب میں ہر نشہ حرام ہے۔ اس میں شراب' ہیروئن اور بھنگ کا فرق نہیں ہے۔ اگر کچھ لوگ اس قسم کا موازنہ کرتے ہیں تو وہ سمجھ میں آتا ہے۔ پھر جو ہری قوت کا مسئلہ بھی تمہارے یہاں بہت حساس ہے۔ یہ طاقت جب تک مغرب کے پاس رہی' جائز تھی۔ جب چین نے دھماکے کئے تو مغرب میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ آج کئی ایشیائی ممالک اس صف میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں تو پابندیوں' معاہدوں اور سزاؤں کا شور بلند ہورہا ہے۔"

"یہ کھلے تعصبات ہیں جنہیں نام بدل کر کسی بھی طرح نہیں چھپایا جاسکتا۔"

"میں خود یہ تسلیم کررہی ہوں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مغربی فلسفے سے بیزاری کے اظہار میں تم اپنا کیا نقصان کررہے ہو۔ یہ درست ہے کہ ہیروئن کی اسمگلنگ سے پاکستانیوں میں پیسہ آرہا ہے لیکن یہ کالا دھن بے فیض بلکہ خطرناک ہے۔ اس سے چند خاندان ضرور ارب پتی بن سکتے ہیں' ملک اور عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا بلکہ ان کے مصائب بڑھتے چلے جائیں گے۔"

"ابھی تک ہم ہیروئن کے خلاف عالمی جنگ لڑتے رہے ہیں۔ شاید اب مجھے اندر بھی توجہ دینی ہوگی۔ اس تجارت کے چند بڑے سرخیل بھی میرے قابو میں آگئے تو حالات میں نمایاں تبدیلی آئے گی۔"

"تم نے پاکستان سے مافیا کے پاؤں اکھاڑے' شی کو عملاً نیست ونابود کردیا' داؤدی ستارے موت کی سرد اور بے رحم کھائیوں کے اندھیروں میں کہیں غروب ہوچکے ہیں مگر عالمی منڈیوں میں ہیروئن کی طلب آج بھی موجود ہے۔ اسے پورا کرنے والے پاکستان یا اس کے آس پاس رہتے ہیں۔ انہیں مجبور کرنا ہوگا کہ وہ اپنے سرمائے کی غیر قانونی گردش کو روک کر ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ کاری کریں۔"

"ہر حکومت نے کسی نہ کسی روپ میں کالے دھن کو جائز بنانے کے لیے مراعات کا اعلان کیا لیکن یہ لوگ اس جال میں نہیں آئے۔ لمبی مدت میں وہ بھاری ٹیکسوں کے بوجھ تلے نہیں دبنا چاہتے۔ اس سے زیادہ رعایتیں دی گئیں تو ملک پر منی لانڈرنگ کا الزام آجائے گا۔"

جہاز میں اعلانات ہورہے تھے۔ ہماری بے خبری میں نہ جانے کب بورڈنگ مکمل ہوچکی تھی۔ اس وقت جہاز نے رینگنا شروع کردیا تھا۔ ہم نے جلدی سے حفاظتی بند باندھ لیے۔

آدمی کتنا ہی صحت مند اور چاق وچوبند کیوں نہ ہو' جہاز کی لینڈنگ اور ٹیک آف کے دوران میں اس کے اندرونی جسمانی نظام میں لازماً چند اندرونی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ بعض لوگ انہیں آسانی سے برداشت کرلیتے ہیں' کچھ پریشان ہوجاتے ہیں۔

میرا اور ویرا کا شمار پہلی قسم کے مسافروں میں ہوتا ہے۔ ہم نے ہنستے بولتے وہ مرحلہ طے کرلیا اور آخر کار اپنے دشمنوں کی سرزمین سے ہمارا ہر رشتہ ٹوٹ گیا۔

طیارہ بادلوں کو چیرتا ہوا بلندی کی طرف محوِ پرواز تھا۔ میں نے لندن کا تازہ اخبار کھول لیا۔

مجھے اخبار میں صرف اور صرف فیٹر یکس کے بارے میں کسی تفصیلی خبر کی تلاش تھی اور وہ مجھے پہلے ہی صفحے پر مل گئی۔ سی آئی اے کے خلاف خونیں دہشت گردی۔ سراغ ملنے لگے۔ وہ اخبار کی جلی سرخی تھی۔ اس کے نیچے وہی کچھ تفصیل سے دیا گیا تھا جو ہم رات گئے سی این این سے سن چکے تھے لیکن بین السطور میں یہ نشان دہی کردی گئی تھی کہ امریکا کی مالی اعانت سے چلنے والی ایک این جی او کے چند عہدے دار تفتیش کے لیے حراست میں لے لیے گئے تھے۔

این جی او ایک نئی اصطلاح تھی جب کہ شی اس اصطلاح کے متعارف ہونے سے بہت پہلے وجود میں آچکی تھی۔ عملی طور پر شی' این جی او کا بہترین تصور پیش کرتی تھی۔ اس کی ساری مالیاتی ضروریات امریکی سرکار پوری کرتی تھی اور وہ ہیروئن کے انسداد کے لیے سرکاری اہداف کے حصول کے لیے سرگرمی سے کام کرتی تھی۔

خبر پڑھ لینے کے بعد مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ سی آئی اے والوں نے لیزر یا بیم گن کے بعد ٹی این ٹی بیلٹ کا استعمال سامنے آنے کے بعد شی کے ان مشتبہ آئی مین پر ہاتھ ڈال دیا تھا جن کے روابط مانیسہ وہ لوگوں سے تھے۔ اس فہرست میں بلیک ڈیڈ

Downloaded from https://paksociety.com

کے دوست پیری کاویل کے نام کی شمولیت ناگزیر تھی۔ کھوپڑیوں پر جمی ہوئی برف پگھلنے کے بعد سی آئی اے والے تیزی سے پیش رفت کررہے تھے۔

ادھر وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہے تھے اور ادھر ہمارا طیارہ ہمیں تیزی کے ساتھ پاکستان کی طرف اُڑائے لیے جارہا تھا۔ اگر ہم بلیک ڈیڈ کی فرمائش پر نیویارک سے اپنی روانگی کے پروگرام کو چند روز کے لیے ملتوی کردیتے تو امریکا ہی ہمارا مقتل ثابت ہوسکتا تھا۔

لندن سے دبئی تک کی پرواز چھ گھنٹوں کی تھی مگر وقت میں تین گھنٹوں کے فرق کی وجہ سے ہم شام کے وقت وہاں پہنچے۔ ہماری پرواز وہاں کافی دیر رکی رہی۔ مسافروں کی ایک بڑی تعداد دبئی میں اتر گئی۔ آگے جانے والوں کو ٹرانزٹ لاؤنج میں جانے کی اجازت مل گئی۔

دبئی کی ڈیوٹی فری شاپ سے ویرا نے میرے منع کرنے کے باوجود کچھ ایسی چیزیں خرید ڈالیں جو پاکستان میں ممنوعہ تھیں۔ لاؤنج میں ہماری پرواز کی آگے روانگی کا اعلان ہوا۔ مسافر سمٹ کر واپسی کی راہ ہولیے۔ اس وقت تک جہاز میں دبئی سے مسافروں کی نئی کھیپ سوار ہوچکی تھی۔ ان میں سے بیشتر پاکستانی تھے جو اپنے روزگار کے سلسلے میں وہاں مقیم تھے اور چھٹیوں پر یا معاہدہ ختم کرکے پاکستان جارہے تھے۔

دبئی سے کراچی تک کی پرواز بہت طویل نہیں تھی۔ کھانے پینے کا ایک بھرپور دور ختم ہونے کے کچھ دیر بعد ہی کراچی پہنچنے کا اعلان ہوگیا۔

میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ کراچی میں گزارا ہے۔ جوانی میں لاہور کو خیرباد کہنے کے بعد میں نے ایک بے سروسامان مہمان کی طرح اس شہر کی مٹی پر پہلا قدم رکھا تھا اور پھر کراچی کی زمین نے میرے قدم یوں پکڑے کہ میں یہیں کا ہوکر رہ گیا۔

لاہور میں میرے سوتیلوں نے مجھ سے جو کچھ اور جتنا کچھ غصب کیا تھا، کراچی نے مختصر سی مدت میں اس سے کہیں زیادہ مجھے لوٹا دیا اور اتنا سیر چشم بنادیا کہ مجھے کبھی مڑ کر پیچھے دیکھنے کی ضرورت تک پیش نہیں آئی۔ مجھے کراچی سے پیار تھا، اس پیار میں جہاں کراچی کی خوبیوں کا حصہ ہے وہیں اس کی خامیوں اور خرابیوں کا بھی کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے۔

شہر میں رہتے اور شب و روز اس کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے مجھے اب بھی محسوس ہوتا ہے کہ چند حصوں کو چھوڑ کر پورا شہر بے ترتیبی اور بدنظمی کا شکار ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی منظم منصوبہ بندی کے بجائے ہنگامی ضرورتوں کے تحت بڑے بڑے میدانوں کو آبادی میں بدل کر شہر کو وسعت دی گئی ہے مگر اس رات شہر پر جہاز کی پرواز کے دوران میں مجھے یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ دنیا کے دوسرے مشہور شہروں کی طرح رات کے اندھیرے میں کراچی کا فضائی منظر بھی بہت حسین ہوتا ہے۔

فضا سے شہر میں ہر طرف لمبی لمبی روشن اور اندھیری سڑکوں کا جال پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ روشن شاہراہوں کی پہچان ان کی روشنیاں تھیں اور جو سڑکیں تاریک تھیں، ان کی نشان دہی گاڑیوں کی روشنیوں کی قطاروں سے ہورہی تھی۔ پارک، عمارتیں، کارخانے اور میدان، سب ایک دوسرے سے الگ اور خوش نما نظر آرہے تھے۔

میرے دل میں خواہش ابھری کہ کاش امارات کا وہ جہاز کچھ دیر تک شہر کی فضاؤں میں یوں ہی منڈلاتا اور میری آرزوؤں کو تھپکیاں دیتا رہے لیکن کنٹرول ٹاور جہاز کے استقبال کے لیے تیار تھا۔ چکر پورا کرتے ہوئے جہاز نے اپنی بلندی مزید کم کی اور لینڈنگ پوزیشن لیتا چلا گیا۔

رن وے اور ٹرمینل کی عمارت کے درمیان جہاز سے اتر کر بس میں سوار ہوتے ہوئے مجھے دل ہی دل میں بے نام سی ندامت ہورہی تھی۔ نیو آرک، گیٹ وک اور پھر دبئی کے بعد کراچی ایئرپورٹ کا تاثر کچھ بہتر نہیں تھا۔ یوں معلوم ہورہا تھا جیسے کسی نے مجھے زیب النساء اسٹریٹ کے بھرے پُرے بازار سے اٹھا کر پنڈی بھٹیاں کے گرد آلود چوک پر کھڑا کردیا ہو۔

عمارت اور سہولتوں کی طرح کراچی ایئرپورٹ خدمات کے میدان میں بھی پس ماندہ تھا۔ اہل کار اپنے فرائض تندہی سے انجام نہیں دے رہے تھے۔ صاف معلوم ہورہا تھا کہ وہ اپنی دانست میں مسافروں پر احسان کررہے تھے۔ نیویارک سے کراچی تک کے سفر میں میرے متعدد تجربات کے درمیان اتنا کم وقفہ تھا کہ مجھے وہ فرق شدت سے محسوس ہورہا تھا اور شاید ادھر آنے والا ہر مسافر ہی محسوس کرتا ہو۔

اول خان کی ہدایت کے مطابق ویرا مجھ سے پہلے طیارے سے نکل گئی تھی۔ گو ہم دونوں ایک ہی بس میں سوار ہوکر ٹرمینل تک آئے تھے مگر وہاں میں نے پھر پسپائی اختیار کرلی اور ویرا آگے نکل گئی۔

میں کسٹم کے مرحلے پر پہنچا تو سوٹ کیس پر لگے ہوئے بیجز نیک سے ظاہر ہورہا تھا کہ میں نے اپنے سفر کی ابتدا نیویارک سے کی تھی۔ میرے حصے میں آنے والے افسر نے ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ مجھے سوٹ کیس کھولنے کی ہدایت دی۔ اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ میں نے کسی بیجز کے بغیر اس کی ہدایت پر عمل کرنا شروع کردیا تھا۔

"سوٹ کیس ایک ہی ہے؟" آخر کار وہ مجھ سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"اور یہ بھی بڑی حد تک خالی ہے" میں نے اسے مزید مایوس کردیا۔ امریکا سے آنے والے مسافر سامان کے ضمن میں وزن کی قید کے بجائے مقررہ سائز کے اندر دو سوٹ کیسوں کی اجازت ہونے کی وجہ سے عام طور پر لدے پھندے آتے ہیں۔ وہ افسر اسی معیار کا عادی تھا۔ میرا ایک ہلکا پھلکا سوٹ کیس اس کی نگاہوں میں شاید چبھ رہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اسکاچ وغیرہ تو ضرور ہوگی؟" اس نے بے تکلفی سے اگلا سوال کیا۔

"معدے میں موجود ہے۔ سوٹ کیس اور بریف کیس میں کچھ نہیں ہے" میں نے جواب دیا۔

"بھائی' تو پھر امریکا کیوں گئے تھے؟" اس نے طنزیہ لہجے میں یہ کہتے ہوئے میرا کھلا ہوا سوٹ کیس بے اعتباری سے اپنی طرف گھمالیا۔

کپڑوں وغیرہ کو اچھی طرح زیروزبر کرنے اور سوٹ کیس کی دیواروں کو ٹٹولنے کے باوجود اسے کچھ نہ ملا تو اس نے میرا بریف کیس بھی کھلوالیا۔

اپنی ہر کوشش میں ناکام ہوکر اس نے بددلی کے ساتھ مجھے جانے کی اجازت دے دی۔

خاصا وقت برباد کرکے میں باہر آیا تو ویرا کا دور تک پتا نہیں تھا۔ میں ایجنٹوں کی بھیڑ سے بچتا بچاتا خود ہی ایک باریش ٹیکسی ڈرائیور تک جا پہنچا۔

"صاب! میٹر سے پچاس روپیہ زیادہ دینا ہوگا" اس نے کسی مول تول کے بغیر اپنا فیصلہ سنادیا۔

"جب میٹر موجود ہے تو پچاس روپے کس بات کے لوگے؟" رقم معمولی ہونے کے باوجود مجھے اس کا تحکمانہ لب ولہجہ پسند نہیں آیا تھا۔

"ام نئیں لے گی" اس نے اسی تیور سے جواب دیا "اِدر سے سواری اٹھانے والے ڈریور سے پولیس پچاس روپیہ لیتی ہے۔ ام اُس کو دے گی۔"

میں سرہلا کر رہ گیا۔ بات سمجھ میں آگئی تھی۔ وہ واقعی شریف ڈرائیور تھا ورنہ سنا یہ تھا کہ کراچی کے بیشتر ٹیکسی ڈرائیور باہر سے آنے والوں سے ڈالروں اور ریالوں میں کرایہ طے کرتے ہیں۔

ڈرائیور نے میرا سوٹ کیس ڈکی میں رکھا اور اپنی نشست پر بیٹھ کر بسم اللہ پڑھتے ہوئے سیلف لگایا۔ میں پہلے ہی اس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا۔

پارکنگ ایریا سے نکاس کے راستے پر سفید وردی میں ملبوس ٹریفک کا ایک سپاہی ٹریفک کنٹرول کرنے کے بہانے ٹیکسیوں کی نگرانی اور وصولی پر مامور تھا۔ میرے ڈرائیور نے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر اپنی مٹھی میں دبا ہوا پچاس روپے کا نوٹ سپاہی کے ہاتھ میں منتقل کیا اور زیرِ لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے ٹیکسی کی رفتار بڑھادی۔

"کیا لاحول پڑھ رہے تھے؟" میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو چھیڑنے کی نیت سے سوال کیا۔

وہ سر جھٹک کر غصے سے اپنے لب ولہجے میں بولا "ہم جانتی ہے کہ رشوت لینے اور دینے والے دونوں جہنمی ہوتے ہیں مگر کیا کرے؟ روزی کیسے کمائے؟ پٹرول مہنگا ہوچکا' کرائے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ بابو لوگ اب ٹیکسی کا رخ ہی نہیں کرتے۔ شہر میں خالی ٹیکسیاں ماری ماری پھرتی ہیں۔ ادھر سواری ملتی ہے تو رشوت دینی پڑتی ہے۔ ہم یہ برا کام کرتی ہے تو لاحول پڑھتی ہے۔"

وہ کراچی نہیں' شاید پاکستان کے ہر بڑے شہر کا المیہ تھا کہ وہاں خدا ترس اور سادہ لوح لوگوں کے لیے پیسہ کمانا ذرا بھی مشکل نہیں تھا لیکن رزقِ حلال کمانا بہت مشکل ہوتا جارہا تھا۔ رشوت' ناپ تول کی چوری' معیار میں ملاوٹ اور جھوٹ کے بغیر کسی بھی چھوٹے یا بڑے دھندے میں چار پیسے کمانا روز بہ روز مشکل تر نظر آرہا تھا۔

ائرپورٹ سے فلیٹ تک کا فاصلہ خاصا طویل تھا لیکن راستہ سیدھا اور صاف ہونے کی وجہ سے میں ٹھیک نو بجے اپنے فلیٹ والی عمارت کے نیچے پہنچ چکا تھا۔

ٹیکسی رکتے ہی سلطان شاہ میرے قریب آپہنچا۔ ویرا سے خبر ملنے کے بعد شاید وہ میرے استقبال کے لیے پہلے سے نیچے آن موجود ہوا تھا۔

میرے نیچے اترتے ہی وہ دونوں بازو پھیلا کر والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وہ خاصا کمزور ہوچکا تھا۔

میرے اصرار کے باوجود سوٹ کیس سلطان شاہ نے اٹھایا' اپنی مادری زبان میں ٹیکسی ڈرائیور سے چند دوستانہ فقروں کا تبادلہ کیا اور پھر میرے ساتھ لفٹ کی طرف چل پڑا۔

"تمہیں دیکھ کر میرا دل کھل اٹھا ہے مگر یہ شکوہ رہے گا کہ تم اطلاع دیے بغیر خاموشی سے یہاں پہنچ گئے۔ کہیں سے ایک فون ہی کردیا ہوتا تو ہم ائرپورٹ پر پہنچ گئے ہوتے۔"

"ہم خیریت سے آپہنچے ہیں۔ اب سارے گلے شکوے بھول جاؤ۔ وہاں کی کہانیاں سنوگے تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ ہم ان کے چنگل سے نکلنے میں کیسے کامیاب ہوئے" میں نے محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا پھر پوچھا "ویرا تو آگئی ہے نا؟"

"وہ نہ آتی تو مجھے تمہارے آنے کی اطلاع کیسے ملتی؟ تھوڑی سی موٹی ہوکر آئی ہے۔ اوپر پہنچتے ہی غزالہ سے گلے مل کر یوں رو رہی تھی جیسے اسے برسوں کے بعد دیکھا ہو۔"

مجھے اندازہ تھا کہ ویرا اپنی ساری فطری عیاریوں اور خودغرضیوں کے باوجود ہم لوگوں کے ساتھ بہت مخلص تھی۔ اس کے ساتھ امریکا تک کا دو طرفہ سفر کرکے میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کے دعوے صرف زبانی نہیں تھے۔ اس نے عملی طور پر اپنے وطن کی مٹی سے اپنا ہر رشتہ توڑ کر اپنا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ کرلیا تھا۔ اس کی وہ قربانی بہرحال قابلِ قدر تھی۔

ڈوربیل کے جواب میں فلیٹ کا دروازہ غزالہ نے کھولا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فرطِ جذبات سے اس کے یاقوتی لبوں کے گوشے کانپنے لگے۔ میرے وجود کے کسی حصے سے سرور و آسودگی کی ایک طاقت ور لہر ابھری اور مجھے اپنی گرفت میں لیتی چلی گئی۔

Downloaded from https://paksociety.com

سلطان شاہ سوٹ کیس لیے میرے پیچھے موجود تھا۔ ویرا' غزالہ کی پشت پر تھی۔ میں نے ویرا کی پروا کیے بغیر مغلوب ہو کر غزالہ کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے سلطان شاہ کے کمرے میں لیتا چلا گیا کیونکہ اس وقت وہی دروازہ سب سے قریب نظر آرہا تھا۔

غزالہ سسکیاں لیتی ہوئی میرے سینے سے لپٹ گئی اور میں نے پوری قوت سے اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔ اس سے دور رہ کر میں نے اس سے جن بے وفائیوں کا ارتکاب کیا تھا' ان کی یاد اس وقت میرے دل اور ضمیر پر ملامت کے کوڑے برسا رہی تھی۔ میرا دل چاہا کہ میں اپنا سروفا کی اس دیوی کے قدموں میں ڈال کر اس سے اپنے ان گناہوں کا اعتراف کروں اور پھر اس سے معافی کی التجا کروں مگر وہ بڑا فیصلہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ ان جذباتی لمحات میں کیا ہوا کوئی غلط فیصلہ مجھے ہمیشہ کے لیے غزالہ کی نظروں سے گرا سکتا تھا۔

دل اور وہ بھی ٹوٹ کر چاہنے والی ایک حسین اور نوجوان بیوی کا دل ایسے آئینے کے مانند ہوتا ہے جس پر آیا ہوا بال کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ میری سزا کے لیے میرے ضمیر کا بوجھ ہی کافی تھا۔ میں تلخ حقیقتوں کا اعتراف کر کے غزالہ کا دل نہیں دکھا سکتا تھا۔

کرنل ذوار زیدی' شمع خاتون اور کامران جیسے قریب ترین رشتے داروں کی بدری' مادری اور برادرانہ محبتوں کو یکے بعد دیگرے کھو دینے کے بعد غزالہ نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے مجھے اپنا آئیڈیل بنا لیا تھا۔ اس کی خوشی' سربلندی اور پندار کی خاطر میں اس کے سامنے اپنی کسی کمزوری کا اعتراف کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ میں بس اپنے عمل سے ہی اس کے ہر خاموش سوال کا جواب دے سکتا تھا۔

میں نے لات مار کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

○☆○

اول خان مخلص' راست گو اور صلح جو آدمی ضرور تھا مگر اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ ہم سے پہلے فلیٹ پہنچ کر اپنی پوزیشن مشکوک بنا لیتا۔ ہم چاروں ڈرائنگ روم میں بیٹھے' ویرا کی بنائی ہوئی گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اول خان آپہنچا۔

وہ ایسے پُرتپاک اور بے ساختہ انداز میں ہم دونوں سے ملا جیسے وہ ہماری آمد کے پروگرام سے واقعی بے خبر رہا ہو۔ ویرا کو اس نے محض علیک سلیک کر کے ہی بخش دیا لیکن مجھ سے اس کی کسر پوری کر لی۔ بغل گیر ہو کر میرے رخسار اور پیشانی کے یوں بوسے لیے کہ میں شرمسار ہو کر رہ گیا۔

"تم نے کمال کر دیا۔ تم واقعی ذہین اور ناقابل شکست انسان ہو۔ مار کھا کر بھرپور بدلہ لینے کے فن سے واقف ہو۔" وہ مجھے لپٹائے پُرجوش لہجے میں کہے جا رہا تھا "مجھے پل پل کی خبریں مل رہی تھیں۔ تم نے ان کے حلق میں ہاتھ ڈال کر ان سے حساب کتاب کیا ہے۔ میرا دل خوش ہو گیا۔"

"ضرور ہوا ہو گا مگر یہ قصور ایسا تو نہیں ہے کہ تم میری ہڈی پسلی ایک کر دو۔ اب چھوڑ بھی دو تاکہ میں چند پورے اور گہرے سانس لے کر اپنے اوسان بحال کر سکوں۔"

"اب وہ تمہارے نام سے کانپنے لگیں گے" اول خان نے ہنستے ہوئے مجھے آزاد کر دیا۔

"تمہاری باتیں تو سمجھ میں آرہی ہیں لیکن یہ چوہا چاٹی کی کیا تُک تھی؟" میں نے ہتھیلی سے اپنی پیشانی اور رخساروں کو رگڑتے ہوئے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"اسے بھائیوں والی پچھائی مبارک باد سمجھ لو۔ دل چاہ رہا تھا کہ تمہیں گود میں اٹھا کر ناچنا شروع کر دوں" اول خان کے ایک ایک لفظ سے اس کی دلی مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"وہ کارنامے میں نے انجام نہیں دیے۔ ان میں ویرا بھی میرے ساتھ شامل تھی۔ ایسی ہی تھوڑی سی مبارک باد اسے بھی دے دیتے۔" میں نے کہا "اسے کیوں بھول بیٹھے؟"

"ہاں' دیکھو' وہ بے چاری حسرت سے اپنی باری کا انتظار کر رہی ہے۔" سلطان شاہ بول پڑا۔

"میرے منہ نہ لگنا" ویرا اس پر برس پڑی "میں تمہاری طرح گئی گزری نہیں ہوں کہ دوسروں کی ستائش کے لیے تڑپتی پھروں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دماغی طور پر تمہاری صحت ابھی تک بحال نہیں ہو سکی ہے۔"

"بس!" اول خان نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے دونوں کو خاموش کر دیا "حیرت ہے کہ اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور رہ کر بھی تمہارے دلوں کی کدورت کم نہیں ہوئی۔ ہمیں صرف وہی باتیں معلوم ہیں جو ڈینی نے فون پر بتا دیں یا امریکہ کے اخباروں نے چھاپ دیں۔ ہمیں ان دونوں سے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ بے مقصد لڑائی جھگڑے میں وقت مت برباد کرو۔"

"وہ لمبی کہانیاں ہیں۔ چلتی رہیں گی۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کا کیا حال چال ہے؟" میں نے صوفے پر پہلو بدل کر بے تکلفی سے پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ بدری ناتھ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" سلطان شاہ نے ٹانگ اڑا دی "یہاں کے اخباروں نے فیٹر فلیکس میں سی آئی اے کے سربراہ کے ساتھ بدری ناتھ اور دو دوسرے افسروں کی موت کی خبر چھاپی تھی۔ ہم سب کا خیال تھا کہ وہ تمہارا ہی کام ہو سکتا ہے۔"

میں نے لندن سے فون کر کے اول خان کو اس بارے میں بتا دیا تھا مگر اول خان نے وہ گفتگو غزالہ اور سلطان شاہ سے پوشیدہ رکھی تھی اس لیے اس کا وہ سوال حق بجانب تھا۔

"ڈیوڈ اسٹارز کے بعد بدری ناتھ ہمارا آخری نشانہ تھا۔ حالات کچھ ایسے سازگار ہوتے چلے گئے کہ ہم نے اس کے ساتھ سی آئی اے والوں کو بھی اڑا دیا۔ وہ لوگ تفتیش کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم وہاں سے فوراً نہ نکلے ہوتے تو اب تک پھنس چکے ہوتے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"تم بھول رہے ہو" ویرا نے میری تصحیح کی "ڈیوڈ اسٹارز اور بدری ناتھ کے درمیان نک موڈلے کو بھی ٹھکانے لگایا گیا تھا۔ اب اس کی چٹھیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔"

"واہ..... وہ خبیث بھی مارا گیا" اول خان خوشی سے اچھل پڑا۔ "اس کے بارے میں ابھی تک کہیں سے کوئی سن گن نہیں ملی۔ بس یہ معلوم ہے کہ وہ باہر گیا ہوا ہے۔"

"اسے گم شدہ تصور کیا جارہا ہے جبکہ اس کی لاش اب تک دریائے ہڈسن کی مچھلیوں کی خوراک بن چکی ہوگی۔ اسے ویرا نے اپنے دستِ خاص سے مشینی سولی پر ٹانگا تھا۔"

"تم ڈیڑھ آدمی وہاں اس قدر خوں ریزیاں کرتے پھر رہے تھے اور کوئی روکنے والا نہیں تھا....."

سلطان شاہ نہ جانے مزید کیا کہنا چاہ رہا تھا' میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "تم شرانگیزی سے باز نہیں آؤ گے؟ یہ تم ڈیڑھ آدمی کی منطق کہاں سے نکال لائے؟"

میرے تیور دیکھ کر سلطان شاہ بوکھلا گیا "ہم..... میرا مطلب تھا کہ ویسے تو تم دو ہی تھے لیکن گواہی کا کوئی چکر ہو تا تو تم ڈیڑھ ہی رہ جاتے۔ وہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے نا۔"

"اگر تم اپنی زبان اور کھوپڑی پر قابو نہیں رکھ سکتے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔ کچھ اہم باتیں طے کر کے ہمیں آرام بھی کرنا ہے۔ تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ ہم بہت طویل اور مسلسل سفر سے آئے ہیں۔ اس وقت تمہاری چھیڑ چھاڑ کسی بدمزگی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔"

کرلیا۔ "میں محتاط رہوں گا۔" سلطان شاہ نے سنجیدگی سے وعدہ

میں کن انکھیوں سے دیکھ چکا تھا کہ سلطان شاہ کی زبان سے ڈیڑھ آدمی کا ذکر سنتے ہی ویرا کے تیور خراب ہوگئے تھے۔ اگر میں بروقت دخل اندازی نہ کرتا تو ویرا سلطان شاہ پر برس سکتی تھی۔ میری سرزنش کے نتیجے میں ویرا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"میں یہاں کے حالات کے بارے میں پوچھ رہا تھا" میں نے اول خان کو یاد دلایا۔ مجھے لندن ہی سے یہ فکر لاحق تھی کہ اول خان کے آدمیوں نے ہمارے فلیٹ کے پاس کن مشتبہ افراد کو منڈلاتے دیکھا تھا۔

"سلطان شاہ کی واپسی کے بعد سے میرے دو آدمی مسلسل اس فلیٹ کی نگرانی کررہے ہیں" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اول خان بتانے لگا "سلطان شاہ نے میری ہدایت کو نظرانداز کرکے را کے دو مقامی انفارمرز کو گھٹنے توڑ کر جب سے معذور کیا ہے' حالات نے نئی کروٹ لی ہے۔ وہ دونوں بارسوخ سرکاری اہل کار ہیں اور اسی وجہ سے ضمانت پر رہا ہونے میں کامیاب ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان ہی کے کچھ آدمی بدلہ لینے کے لیے تمہارے فلیٹ کے قرب وجوار میں منڈلاتے پھر رہے ہیں۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے؟" غزالہ نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم نے مجھ سے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"میں تمہیں ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دو روز پہلے میرے آدمیوں نے یہاں دو مشکوک آدمیوں کو منڈلاتے دیکھا تھا۔ وہ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔"

"اگر گھٹنوں سے معذور ہوجانے کے باوجود ان کا گھمنڈ خاک میں نہیں ملا ہے تو میں ان کا قصہ ہی پاک کردوں گا۔ مجھے صرف تمہاری اجازت درکار ہوگی" سلطان شاہ نے مجھ سے کہا۔

"تمہاری یہی خودسری نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ جب اول خان نے تمہیں کسی مہم جوئی سے روکا ہوا تھا تو تمہیں ان کا رخ کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟ وہ تمہارا کیا بگاڑ رہے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"اول خان نے دن رات ایک کرکے نیچرل انفارمیشن سیل کو توڑا تھا۔ ان کے لیے کام کرنے والوں کی گرفتاری بھی آسان نہیں تھی۔ بعد میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر قیدیوں سمیت وہ کیس پولیس کو منتقل کرنا پڑا اور وہاں سے وہ دونوں رہا کردیے گئے۔ تم یہاں نہیں تھے مگر میں نے دیکھا تھا کہ اس واقعے نے اول خان کو کس قدر مایوس اور بددل کیا تھا۔ میں صرف اول خان کی اشک شوئی کے لیے ان کے پیچھے گیا تھا۔"

"اگر ان کے دو آدمی یہاں تک پہنچے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے اوپر کیے جانے والے حملے میں تمہارے ملوث ہونے کا سراغ لگا چکے ہیں۔ تم پر کہیں بھی وار کیا جاسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ میں ان حرام زادوں سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔"

"وہ ہیں کون لوگ؟" ویرا نے اس گفتگو میں پہلی مرتبہ حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"گریڈ سترہ اور اٹھارہ کے سرکاری افسر ہیں۔ انتہائی اوباش اور رنگین مزاج ہیں۔ ان ہی چکروں میں وہ انڈین ہائی کمیشن کی دعوتوں میں جاتے تھے جہاں وہ را والوں کے نیچرل انفارمیشن سیل کے چنگل میں پھنس گئے۔" اول خان نے وضاحت سے بتایا۔

"را والے ان کے کسی کام نہیں آسکتے اور نہ اس گریڈ کے افسر بہت زیادہ طاقت ور ہوتے ہیں۔" ویرا نے اعتراض کیا "آخر ان کے اثر ورسوخ کا وہ کون سا ذریعہ ہے جو ان کی رہائی میں مددگار ثابت ہوا۔"

میں ابتدا ہی میں ویرا کے سوال کا مقصد سمجھ گیا تھا مگر میں نے اس کی جرح میں بالکل مداخلت نہیں کی۔ خاموش بیٹھا اس کی اور اول خان کی باتیں سنتا رہا۔

"اگر مجھے مزید دو دن مل جاتے تو میں ان سے سب کچھ اگلوا لیتا۔ مجھے یقین کی حد تک شبہ ہے کہ وہ دونوں مقامی ڈرگ مافیا کے کارندے تھے۔ ان کی پشت پناہی کرنے والوں نے ہی ان کی

Downloaded from https://paksociety.com

رہائی کا بندوبست کرایا ہوگا۔ ایسے لوگ اعلیٰ افسران اور طاقت ور مقامی وڈیروں' جاگیرداروں وغیرہ سے گہرا میل جول رکھتے ہیں۔"

اول خان نے مزید تفصیل میں جاتے ہوئے کہا "شاید ان ہی کے ایما پر یہ کیس پولیس کو دیا گیا تھا۔"

"مقامی ڈرگ مافیا!" ویرا نے معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ بات اسی نکتے پر آگئی جو جہاز میں ہماری گفتگو کا موضوع تھا۔ "یہ مافیا ہی اس ملک اور سسٹم کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ کسی کو اپنے مفاد کے خلاف نہیں چلنے دیتی۔"

اس نے خاموش ہو کر سگریٹ سلگائی پھر اول خان کی طرف متوجہ ہوگئی "تم کو کیسے شبہ ہوا کہ وہ کسی ڈرگ مافیا کے کارندے ہیں؟"

"وہ جن کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں وہاں بڑی رشوتیں لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دونوں متوسط بلکہ غریب دیہی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے ٹھاٹ باٹ رئیس زادوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ انہیں یہ پیسہ ایسے ہی لوگ دے سکتے ہیں جن کی اندھی آمدنیاں ہوں۔"

"ان کے عہدے غیر اہم ہیں پھر کوئی ان پر پیسہ کیوں لٹا رہا ہے؟" ویرا بال کی کھال نکالے جا رہی تھی۔ سلطان شاہ خوش تھا کہ ویرا نے اس معاملے میں گہری دلچسپی لینی شروع کردی تھی۔

اول خان کو لاجواب پا کر میں نے زبان کھولی "بظاہر ان کے عہدے غیر اہم ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اسمگلر ان کی بے خبری میں ان سے کوئی بڑا فائدہ اٹھا رہا ہو۔ یہ کسی اسمگلر کی سرمایہ کاری بھی ہو سکتی ہے۔ وہ دونوں عمر بھر اسی گریڈ اور عہدے پر نہیں رہیں گے۔ وہ ترقی پا کر کہیں بھی پہنچ جائیں' اپنے محسن یا محسنوں کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔ ایسے زر خرید افسر ہمیشہ بہت کام آتے ہیں۔"

"مجھے تمہاری کسی بات پر شبہ نہیں تھا۔" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں اگل کر اول خان سے کہا "جہاز میں ہم یہی باتیں کر رہے تھے۔ ہم دنیا بھر میں اپنے دشمنوں کو مارتے پھر رہے ہیں مگر اپنی آستین میں پلنے والے دشمنوں کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ میں یقین کرنا چاہ رہی تھی کہ سلطان شاہ کے ہاتھوں معذور ہونے والوں کے بارے میں تمہارے شبہات کس حد تک درست ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم جہاز میں بات کر رہے تھے اور یہاں ہمارے لیے وہی کام تیار تھا۔" میں نے ہنس کر کہا "اگر آج کی رات مجھے گہری نیند آگئی تو کل سے میں میدان میں آجاؤں گا۔"

"سلطان شاہ کے بعد اب تم خود ان لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کرو گے؟" اول خان نے بوکھلا کر پوچھا "وہ چھچھورے لوگ ہیں۔ کسی طرح بھی اس قابل نہیں کہ تم ان پر اپنا وقت برباد کرو۔"

"وہ آئزک بیل سے زیادہ چھچھورے نہیں ہو سکتے۔ ہم یہاں تھے تو وہ نیویارک سے فون پر ہمیں گریڈ بھپکیاں دیتا رہتا تھا۔ وہاں پہنچے تو وہ تیسرے درجے کے کسی چور کی طرح ہم سے چھپتا پھر رہا تھا۔"

"اس وقت سب سے اہم مسئلہ گیپ کا ہے۔" اسے اچانک ہی وہ معاہدہ یاد آگیا "میں نے تمہاری ڈی کوڈ کی ہوئی تحریر اپنے کمانڈر کو بھجوا دی تھی۔ اسے اب تک یقین نہیں ہے کہ امریکا جیسی جمہوری ریاست میں صدر کسی فرد یا تنظیم کے ساتھ ایسا مجرمانہ معاہدہ کر سکتا ہے۔"

"پھر تم بھی اسے بھول جاؤ۔ مشکل یہی ہے کہ امریکا کی ساکھ کی وجہ سے کسی کو اس کا اصل چہرہ نظر نہیں آتا۔ واٹر گیٹ اور اس جیسے کئی اسکینڈل آج امریکی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"تم برا مان گئے.... مجھے تمہارے جذبات کا پورا احساس ہے۔ تم نے اپنے ہر سکھ کو تج کر اور بھیانک خطرات مول لے کر ان کاغذوں تک رسائی حاصل کی ہوگی۔ ان پر بے اعتباری سے تمہیں ضرور دکھ ہوا ہوگا مگر میں نے تمہیں صحیح صورت حال بتا دی۔ مجبر جنجوعہ کے بھیجے ہوئے پانچوں اصل کاغذ میرے پاس محفوظ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں کوئی بھی جھٹلانے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔"

"مجھے ذرا بھی دکھ نہیں ہوا۔ تم چاہو تو اب ان تمام کاغذوں کو آگ لگا سکتے ہو۔"

اول خان اپنی جگہ چھوڑ کر میرے برابر میں آبیٹھا "تم زندگی کی بدترین حقیقتوں سے روبہ رو لڑنے والے سپاہی ہو۔ تمہیں اتنا حساس نہیں ہونا چاہیے۔"

"کسی کی طرف سے بے اعتباری کے اظہار سے ہمارے کام کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔" ویرا نے لقمہ دیا "ہم نے گیپ کا مسودہ کسی انعام یا عزت افزائی کے لالچ میں حاصل نہیں کیا تھا۔ اسے متعلقہ لوگوں تک پہنچانے کے بعد تمہارا کام ختم ہوگیا' وہ جو چاہیں' کریں۔"

"یہ وہ لاتعلقی ہے جو اجتماعی روپ دھار لے تو ایک ذرا سا روگ بن جاتی ہے۔" میں نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اسے یاد دلایا "اسے تم نے ہمارا بنیادی مرض قرار دیا تھا اور اب خود اسی میں مبتلا ہو رہی ہو!"

"یہ ایک مختلف معاملہ ہے۔" ویرا نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔ "گیپ کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے ملک کے بارے میں امریکا کے گندے عزائم سے شاید ساری دنیا واقف ہے۔"

"وہ زبانی باتیں ہیں۔ ایک ٹھوس دستاویزی ثبوت کے ساتھ امریکا کو دنیا کے سامنے بے نقاب کرنے یا..... نہ کرنے کا معاملہ ایک آدمی کی صوابدید پر نہیں چھوڑا جا سکتا' خواہ وہ آدمی اسپیشل ٹاسک فورس کا نیک نام سربراہ ہی کیوں نہ ہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ گیپ صرف پاکستان کے خلاف گھڑ جوڑ نہیں ہے۔ اس میں ایران اور افغانستان کا بھی ذکر ہے جب کہ اس کی روح اسلامی دنیا

Downloaded from https://paksociety.com

کی بدترین مخالفت ہے۔"

"میں بھی یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔ ایسی اہم دستاویز کو ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اجازت دو کہ میں وہ پانچوں اصل کاغذ اپنے سربراہ کو بھیج دوں۔ وہ مجھ سے زیادہ ایمان دار اور محبِ وطن ہے۔ وائٹ ہاؤس کے لیٹر ہیڈ پر ٹائپ کیے ہوئے' اصل دستخطوں اور مہروں والے وہ کاغذ مسترد نہیں کیے جاسکتے۔"

"میرے لیے ان کاغذوں کی رازداری اسی وقت تک ضروری تھی جب تک ہم دونوں امریکا میں پھنسے ہوئے تھے۔ اب تم جس طرح چاہو انہیں استعمال کرسکتے ہو مگر یہ یاد رہے کہ ان کاغذوں کا اتلاف میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کروں گا۔ وہ استعمال نہ ہوں تو واپس مجھے مل جانے چاہئیں۔"

"میں اس کی ضمانت لیتا ہوں۔" اول خان نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کے یقین دلایا۔

"ایسا نہ ہو کہ گیپ کا اصل مسودہ نیجرل انفارمیشن سیل کے مجرموں کی طرح ایس ٹی ایف کی تحویل سے کسی اور کے پاس جائے اور وہاں سے غائب کردیا جائے۔" غزالہ نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"سب سے بڑا خطرہ یہی ہوسکتا ہے۔" میں نے پُرزور الفاظ میں اس کی تائید کی۔

اول خان بے بسی سے شانے اچکا کے بولا "تم بھول رہے ہو کہ اسپیشل ٹاسک فورس اپنی جگہ بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں ہے۔ گیپ کی بنیاد پر کسی اجلاس یا احتجاج کی ضرورت پیش آئی تو یہ کام دفترِ خارجہ یا کوئی اور مرکزی محکمہ انجام دے گا۔ ہمارا سربراہ مسودہ متعلقہ لوگوں کو پہنچادے گا۔ آخری فیصلہ وہ اپنی مرضی سے کریں گے۔ بعد میں ہم ان سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھ سکیں گے۔"

"یعنی بے بس ہوجائیں گے۔ غزالہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔" میں نے کہا۔

گیپ کے اصل مسودے اور میرے ڈی کوڈ کیے ہوئے متن کو اول خان نے غزالہ اور سلطان شاہ سے پوشیدہ نہیں رکھا تھا۔ میری کارکردگی سے آگاہ کرنے اور اپنی خوشی میں شریک کرنے کے لیے اس نے ان دونوں کو اعتماد میں لے لیا تھا۔

غزالہ کے سوال اور اول خان کے جواب پر ہمارے درمیان ایک طویل بحث شروع ہوگئی۔ مسئلے کے سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ گیپ کی بنیاد پر صرف اور صرف سرکاری سطح پر ہی کوئی احتجاجی کارروائی ہوسکتی تھی۔ انفرادی طور پر ہم اسے کہیں استعمال نہیں کرسکتے تھے۔ وہی فیصلہ ہوا جو ہونا تھا یعنی گیپ کے بارے میں اول خان کو پورا اختیار دے دیا گیا۔

اس بحث میں بعض ایسی باتیں بھی سامنے آئیں جو اس سے پہلے میرے ذہن میں نہیں تھیں۔ پہلا اور قوی امکان یہی تھا کہ امریکی حکومت گیپ کو اپنی سرکاری دستاویز تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیتی۔ اس طرح وہ بہت سی وضاحتوں اور تلخیوں سے اپنا دامن صاف بچا سکتے تھے۔ گیپ کے وجود اور گم شدگی کا قصہ نیویارک اور واشنگٹن کی فائلوں میں دفن ہو کر رہ جاتا۔

سرکاری رازوں کے قانون کے تحت مقررہ مدت گزرنے کے بعد وہ دستاویز کبھی منظرِ عام پر آتی تو قصۂ پارینہ ہونے کی وجہ سے اپنی اہمیت کھو چکی ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ اتنا فرق پڑتا کہ امریکا پاکستان کے خلاف سرکاری سطح پر صیہونی مفادات کو بروئے کار لانے میں محتاط ہوجاتا۔

دوسرا اور موہوم سا امکان یہ تھا کہ وہ امریکا سے ایک اہم سرکاری راز کی چوری پر زبردست احتجاج کرکے پاکستان کے اعتراضات کو یکسر مسترد کردیتے اور ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کردیتے کہ گیپ کے ساتھ اسے چرانے والے مجرم کو فوری طور پر امریکا کے حوالے کیا جائے۔ یہ امکان کمزور اس وجہ سے نظر آرہا تھا کہ ایسی صورت میں وہ ایک بھڑکتا ہوا عالمی اسکینڈل بن جاتا جسے دنیا بھر کے اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ میں زبردست تشہیر ملتی۔ اس تشہیر کے نتیجے میں امریکا کو صرف رسوائیاں ہی مل سکتی تھیں۔ وہاں کی کوئی بھی حکومت ذلت کے اس طوق کو اپنے گلے کی زینت نہیں بنا سکتی تھی۔

ہم دونوں امارات کی پرواز پر دبئی اور کراچی کے درمیان سفر کے دوران میں شکم سیر ہو کر آئے تھے۔ گھر میں جو کچھ موجود تھا' وہ ان تینوں کے لیے کافی تھا۔ اول خان کے انکشاف کی روشنی میں غیر ضروری طور پر گھر سے نکل کر کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہیں تھا۔ کھانے کے مختصر سے دور کے بعد اول خان رخصت ہوگیا اور ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے آئے۔

گھر پہنچتے ہی غزالہ سے تخلیے میں میری ملاقات ہوچکی تھی مگر وہ شدید جذباتی ابال کے نازک لمحات تھے۔ وہ اچانک مجھے اپنے روبرو دیکھ کر شادیِ مرگ کی سی کیفیت سے دوچار تھی۔ اپنی گزشتہ تنہائی اور پھر میری رفاقت کے بھرپور یقین سے اس کے دل پر ایسی رقت طاری تھی کہ وہ میرے وجود کو چھو چھو کر اپنی آنکھوں سے مسرت آمیز موتیوں کی شفاف لڑیاں بہاتی رہی اور کوشش کے باوجود کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاسکی۔ دوسری طرف میں خود اپنی پشیمانیوں میں گھرا ہوا تھا اور اپنی شرمساری مٹانے کے لیے غزالہ کی دلجوئی کی کوششوں میں مصروف تھا۔ ہمارے وہ لمحات خاموش مگر سرگرم وفاؤں کی تجدید میں بہت تیزی سے گزرے تھے اور ہم ذرا سی دیر بعد ہی ویرا اور سلطان شاہ کی محفل میں شریک ہوگئے تھے۔

کھانے کے بعد اپنی خواب گاہ کے تخلیے میں غزالہ پُرسکون تھی۔ اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں بہت کچھ تھا جو میرے لیے اجنبی نہیں تھا مگر میں نے اسے چھیڑنے میں پہل نہیں کی۔ وہ کچھ کہتی تو اس کے جواب میں میرے پاس بہت کچھ مواد موجود تھا۔ مجھے ندامت کے ساتھ یہ اعتراف ہے کہ میں نے اپنی عزیز از جان غزالہ کے اطمینان کے لیے امریکا کے سنگین تجربات میں مبالغہ

Downloaded from https://paksociety.com

آمیزی سے کام لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"مجھے اپنی آنکھوں پر ابھی تک یقین نہیں آرہا" وہ بستر پر میرے قریب بیٹھ کر سرجھکائے کہہ رہی تھی "بے کیف شب و روز یہی سوچتے گزر رہے تھے کہ آپ کا کام بڑا ہے اور سفر بہت طویل ..... شاید آپ کی واپسی مہینوں سے پہلے نہیں ہوسکے گی۔"

"آدمی ہر طرف سے خون آشام دشمنوں کے نرغے میں آیا ہوا ہو تو اسے اپنی ذات سے آگے کچھ سوچنے کی مہلت نہیں ملتی" میں نے پیار سے اس کے ریشمیں بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا "مگر پھر بھی میں تمہارے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی تو یہ سوچ کر میرا دل ڈوبنے لگتا تھا کہ کہیں مجھے تم سے ہزاروں میل دور اپنے کسی ناکہانی انجام سے دوچار نہ ہونا پڑے۔"

اس نے گھبرا کے میرے ہونٹوں پر اپنا نرم و نازک ہاتھ رکھ دیا۔ "وہ ایک ڈراؤنا خواب تھا جو گزر گیا۔ اب اپنے منہ سے ایسی بدفال نہ نکالیے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ تھیں' سلطان شاہ جب سے آیا تھا' رو رو کر آپ کی سلامتی کے لیے گڑگڑاتا رہتا تھا..... اس نے موت کو بہت قریب سے دیکھ لیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ زندگی کیا ہوتی ہے۔ وہ اسٹریچر پر گھر آیا تو میں اسے دیکھ کر لرز اٹھی تھی..."

"اسے صرف میری ہی فکر تھی یا وہ ویرا کو بھی یاد کرتا رہتا تھا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر درمیان میں سوال کیا۔

"امریکا میں آپ دونوں ایک جان' دو قالب تھے۔ میں خود بھی آپ کے بارے میں سوچتی تھی تو ویرا خود بہ خود میرے ذہن میں آموجود ہوتی تھی۔ اسے بھلایا ہی نہیں جاسکتا تھا۔ کبھی کبھی تو مجھے اس سے حسد محسوس ہونے لگتا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ ہوتے ہوئے آپ سے اتنے قریب تھی کہ میرے لیے بھی آپ دونوں کے لیے الگ الگ کچھ سوچنا ممکن نہیں تھا..... عورت محبت کے بارے میں بہت چھوٹے دل کی مالک ہوتی ہے جسے اپنے دل میں بسالیتی ہے اس کے ساتھ کسی اور کا نام گوارا نہیں کرتی' وہ اس کے لیے گالی بن جاتا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے دل کو ٹھیس لگتی ہوگی مگر تمہارا یہ حسد بے بنیاد تھا۔ میں اس کے ساتھ گھومنے پھرنے نہیں' جان جوکھوں کا کام کرنے گیا تھا۔"

وہ دھیرے سے مسکرائی "اس کے رخساروں پر خفیف سے گڑھے نمایاں ہوگئے "مجھے سب معلوم تھا' میں یہاں بیٹھ کر اپنی چشم تصور سے سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر میں دل کا کیا کرتی۔ میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہی' اپنے دل کی بے ایمانیاں بتا رہی ہوں۔"

وہ کراچی میں بیٹھ کر اپنی چشم تصور سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس کے ان الفاظ کی چبھن نے مجھے مضطرب کردیا "ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم کیا دیکھ رہی تھیں۔"

"پاگل پن کی باتیں تھیں۔" اس نے ہنس کر مجھے ٹال دیا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی "مجھے معلوم تھا کہ آپ دونوں اپنی اپنی حفاظت کے خیال سے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہ رہے ہیں مگر دل بہکا تا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ آپ مجھے ٹوٹ کر چاہتے ہیں تو کیا ہوا' ویرا بہت تیز و طرار لڑکی ہے۔ میرے سامنے آپ کو ستانے سے باز نہیں آتی تو امریکا میں آپ کو آپ کے حال پر کیسے چھوڑ دے گی۔"

"یہاں اسے فرصت میسر ہوتی ہے۔ وہاں وہ بھی ہر وقت مسائل میں الجھی ہوئی تھی۔ پتا نہیں تمہارے ذہن میں ان خرافات کو جگہ کیسے مل رہی تھی۔" اس کی باتوں میں چھپی ہوئی میٹھی میٹھی سی کسک مجھے اندر سے بے چین کیے دے رہی تھی۔

"میرے دل کے کسی گوشے میں سب سے بڑا خوف یہی چھپا ہوا تھا کہ وہ آپ کو یہاں سے امریکا لے گئی ہے جہاں آپ کے لیے بہت زیادہ خطرات ہوسکتے ہیں۔ یہ سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگتا تھا کہ آپ سے اپنے پرانے رشتے استوار کرنے کے لیے وہ آپ کے گرد مکڑی کی طرح ایسا خوف ناک جال بُن دے گی کہ آپ کے لیے امریکا سے نکلنا ناممکن ہوجائے گا اور آپ اس کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ میں عمر بھر یہاں بیٹھی آپ کا انتظار کرتی رہوں گی۔ وہ رفتہ رفتہ آپ کے دل و دماغ پر ایسا جادو چلائے گی کہ میرا خیال تک آپ کے ذہن سے نکل جائے گا اور وہ آپ کو مجھ سے چھین لے گی۔"

میں نے بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگالیا "غزالہ! ڈارلنگ! تم کیسی خوفناک باتیں سوچ رہی تھیں؟ تمہارا دماغ تو شیطان کا کارخانہ بنا ہوا تھا۔"

"خالی دماغ شیطان کا کارخانہ ہی ہوتا ہے۔" وہ معصومیت سے بولی "اس نے میری گرفت میں جنبش کرنے کی کوئی کوشش تک نہیں کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی درندے سے پیچھا چھڑانے کے بعد میری پناہ میں آکر پُرسکون ہوگئی ہو۔

"دشمنوں کے دانت کھٹے کرکے آپ دونوں لوٹ آئے ہیں۔ اس وقت میرا سر غرور سے بلند ہے۔ مجھے خود شرم آرہی ہے کہ میں کیسی بری بری باتیں سوچتی رہی تھی لیکن میں کیا کروں۔ خیالوں پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ یہ آتے ہیں تو بس آتے ہی چلے جاتے ہیں۔ رات کی اندھیری تنہائیوں میں یہ وسوسے آسیبی روپ دھار کر مجھے ستاتے تھے۔ میں یہ باتیں کسی کو نہیں بتاسکتی تھی۔ سلطان شاہ میرا بہت ہمدرد ہے مگر میں اس سے بھی یہ باتیں نہیں کرسکتی تھی۔ اس لیے آپ کو اپنی نادان سوچوں کے بارے میں بتا کر دل کا بوجھ ہلکا کررہی ہوں۔"

غزالہ سادگی میں اپنا حال دل بیان کررہی تھی اور میں اس سے اپنی مدافعت کی نرم سی لفظی لڑائی لڑرہا تھا مگر دل ہی دل میں' میں غزالہ کی ان باتوں سے ہلکا سا خوف محسوس کررہا تھا۔ اس نے ماں' باپ اور بھائی کے بعد روئے زمین پر صرف مجھے چاہا تھا' اپنی زندگی مجھے سونپ دی تھی' میری ذات کو اپنی ہر سوچ کا مرکز و محور سمجھ

Downloaded from https://pakSociety.com

لیا تھا۔ یہ اس چاہنے والی کا وجدان تھا جو اسے کراچی میں بیٹھے بیٹھے لندن اور نیویارک کی خبریں دے رہا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ خود غزالہ کو اپنی ان خام خیالیوں پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ اپنی سادگی اور معصومیت سے میرے لیے خود ہی نجات کی راہ تجویز کرتی جارہی تھی۔

"مجھے تمہاری تنہائی کے کرب کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ وہ دن گزر گئے' ان برے اور ڈراؤنے خیالوں کو بھول جاؤ۔ اچھی باتیں سوچو تاکہ ایسے وسوسے بچھو کے ڈنک کی طرح ہمارے ذہنوں میں کسی بدگمانی کا زہر نہ پھیلا سکیں۔ چند روز میں تم خود ہی بہتر ہوجاؤ گی۔"

"آپ کو دیکھتے ہی میں بہتر ہو چکی ہوں۔ اب ان گزری ہوئی باتوں کا ذکر نہیں کروں گی۔"

"میں تمہیں صاف بتادوں کہ ویرا ہمارے لیے ایک دوست سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر تمہارے دل میں اس کی طرف سے اسی قدر بدگمانیاں پروان چڑھ رہی ہیں تو میں خوش اسلوبی کے ساتھ اسے یہاں سے رخصت کرسکتا ہوں۔ اس کی وجہ سے ہماری زندگی میں تلخیاں پیدا نہیں ہونی چاہئیں۔"

"ارے نہیں۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی "آپ بلاوجہ سنجیدہ ہورہے ہیں۔ میں تو خود ویرا کے سامنے نادم ہوں۔ اسے پتا چل جائے کہ میں اس کے بارے میں کیا کچھ سوچتی رہی ہوں تو وہ میری صورت بھی دیکھنی گوارا نہیں کرے گی۔ آپ اس سے ان باتوں کا کوئی ذکر نہ کیجئے گا۔"

"بند کمروں کی باتیں زبان پر لانے کے لیے نہیں سینے میں دفن کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ اس کی تم پروا نہ کرو لیکن میں ایک بات بتادوں کہ آج مجھے تمہاری بے وقوفی کا صحیح اندازہ ہوا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسی روشن خیال اور پڑھی لکھی لڑکی کی پرواز اتنی محدود ہوسکتی ہے۔"

"اچھا اب یہ جھگڑا ختم کریں اور یہ بتائیں کہ آرٹک بیل اور نک موڈلے کے ساتھ کیا ہوا اور بدری کو راستے سے ہٹانے کی ضرورت کیوں پیش آئی" اس نے سر اٹھا کر تیکھی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنے وجود میں عجیب سی ٹھنڈک اترتی محسوس کی۔ غزالہ کی نگاہوں میں دور دور تک کسی بے اعتمادی کا شائبہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت سراپا پیار و محبت بنی ہوئی تھی۔

میں نے پاکستان سے باہر پیش آنے والے واقعات دھیرے دھیرے بیان کرنے شروع کردیے۔

میں گھر پہنچا تو سفر کی تکان کے باعث نیند کا غلبہ محسوس کررہا تھا۔ کمرے کی بے تکلفانہ فضا میں غزالہ سے باتیں شروع ہوئیں تو آنکھوں سے نیند ہی کافور ہوگئی۔

ہم نہ جانے کب تک باتیں کرتے رہے۔ غزالہ ایک ایک بات کریدکرید کر بہت دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اس دوران میں باہر سے کئی مرتبہ ویرا اور سلطان شاہ کی بلند آوازیں سنائی دیں مگر میں نے انہیں نظرانداز کردیا۔ میں نے سوچا کہ غزالہ مجھ سے سفر کی کہانیاں سن رہی تھی' شاید سلطان شاہ نے ویرا کو گھیرا ہوا تھا۔

باہر سے ایک مرتبہ پھر تیز آوازیں آئیں اور پھر کسی نے زور سے ہماری خواب گاہ کا دروازہ پیٹ ڈالا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور میں بستر سے اچھل کر نیچے اتر گیا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ چوکیدار کی غفلت کی بنا پر کوئی مشتبہ شخص ہمارے فلیٹ میں پہنچنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

میں نے بولٹ گرا کر دروازہ کھولا تو باہر سلطان شاہ غصے کی حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے گریبان کے دو بٹن ٹوٹے ہوئے تھے اور وہ شکن آلود ہورہا تھا۔

"نکالو..... میں کہہ رہا ہوں کہ اسے میرے کمرے سے نکال دو" اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان غصے میں کہا۔

"کس کی بات کررہے ہو؟" غزالہ نے پوچھا۔ میرے پیچھے وہ بھی دروازے پر آگئی تھی۔

"گھنٹوں سے کمرے میں گھسی میرے کان کھارہی ہے۔ اب میں ایک لمحے کے لیے بھی اسے برداشت نہیں کرسکتا۔ اس سے کہو کہ وہ اپنے کمرے میں جاکر منہ کالا کرے" سلطان شاہ بھنا کر بولا۔

اسی وقت ویرا اٹھلاتی ہوئی لابی میں نکل آئی۔ اس کے ہونٹوں پر پُرسکون مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ کس بات پر اتنے برہم ہورہے ہو؟" اس نے باہر نکل کر پوچھا۔

"پورا شہر بے خبری کی نیند سورہا ہے اور وہ میرے سر پر سوار ہے....."

ویرا سلطان شاہ کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی "میرا قصور صرف اتنا سا ہے کہ میں نے ہمدردی میں آکر اس کے زخم دیکھنے کی فرمائش کی تھی اور یہ آپے سے باہر ہوگیا۔"

"کیسے زخم؟" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

غزالہ نے سرہلا کر کہا "اس کے بدن پر امریکیوں کے لگائے ہوئے کچھ زخم ابھی تک باقی ہیں۔"

"میں اتنے دن بعد آئی ہوں۔ اس کی تعزیت کررہی تھی کہ ضرورت ہو تو مرہم پٹی کردوں" ویرا نے بہت نرمی اور تحمل سے وضاحت کی۔ "پتا نہیں یہ کیوں اتنا بھڑک رہا ہے۔"

"ابھی میں مرا نہیں ہوں جو تم میری تعزیت کررہی تھیں....." سلطان شاہ کو طرارہ آگیا۔

"چلو' معاف کردو۔ میرا مطلب عیادت سے تھا۔ کبھی کبھی میری اردو میں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ عیادت ہے" سلطان شاہ نے دونوں ہاتھ کی چٹکیوں سے قمیص تھام کر اپنا گریبان آگے کرتے ہوئے احتجاج کیا۔ "اسے منع کردیا کہ زخم نہیں دکھاؤں گا تو ہاتھا پائی پر اتر آئی' گریبان کے یہ بٹن اسی نے توڑے ہیں۔"

"بہت افسوس کی بات ہے" میں نے ویرا کو ملامت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا "تم نے آتے ہی اپنی پرانی فتنہ انگیزیاں پھر شروع کردیں۔"

"اس میں کون سی فتنہ انگیزی ہوگئی؟" ویرا نے شرمندہ ہونے کے بجائے مجھ پر آنکھیں نکالیں۔ "مرنے سے بال بال بچا ہے' سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے۔ کیا ہوا جو میں نے ذرا اس کی مزاج پرسی کرلی؟ نخرے کرتا ہے تو میری طرف سے بھاڑ میں جائے۔ اس کے زخموں میں کیڑے بھی پڑجائیں گے تو اب نہیں پوچھوں گی۔ یہ کسی ہمدردی کے قابل ہی نہیں ہے۔ تم دونوں نے اسے بری طرح بگاڑ دیا ہے۔"

ویرا بکتی جھکتی اپنے کمرے میں آگئی اور زور سے دروازہ بند کرلیا۔

"لو' وہ چلی گئی۔ اب تم بھی جاکر اطمینان سے سوجاؤ۔ بلاوجہ دروازہ پیٹ کر بات کا بتنگڑ بنادیا" میں نے ترش لہجے میں سلطان شاہ کو اس کی حماقت کا احساس دلانا چاہا۔

ویرا کی رضاکارانہ واپسی پر سلطان شاہ سٹپٹا کر رہ گیا تھا۔ وہ بولا۔

"وہ ناراض ہوکر کیڑے پڑنے کی بددعائیں دیتی ہوئی گئی ہے۔ یہ موٹی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ میں اسے اپنے سارے زخم نہیں دکھاسکتا۔ اپنے بعض زخموں کی ڈریسنگ میں خود کرتا ہوں۔"

میں مشکل سے اپنی مسکراہٹ ضبط کرسکا "چلو' اب اس سے تمہاری جان چھوٹ گئی۔ کم از کم چند روز تک وہ تمہاری مزاج پرسی نہیں کرے گی۔"

"ضرور کرے..... عیادت کے بری لگتی ہے لیکن زبردستی میری نرس بننے کی کوشش نہ کرے۔"

میں نے معنی خیز نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا پھر سلطان شاہ سے پوچھا "یہ نرس کا کیا چکر ہے؟"

"اس کا یہی اصرار ہے۔ کہہ رہی تھی کہ مریض کو ڈاکٹر اور نرس سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے' اس کے بغیر صحیح تیمارداری ہو ہی نہیں سکتی۔"

"اب جاکر سوجاؤ' صبح میں تمہارے زخم دیکھنے کے بعد فیصلہ کروں گا کہ اس کا اصرار درست ہے یا تمہاری ضد جائز ہے۔ دوبارہ ہمارا دروازہ توڑنے کی کوشش مت کرنا" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں" اس نے جاتے جاتے اڑیل پن کا مظاہرہ کیا۔ "سارے زخم تو میں تمہیں بھی نہیں دکھاؤں گا۔"

"مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے" میں نے سختی سے جواب دیا "ضرورت ہوئی تو معائنے سے پہلے تمہیں بے ہوش بھی کیا جاسکتا ہے۔ اپنا علاج خود کرتے رہے تو ویرا کی بددعا ضرور قبول ہوجائے گی۔"

وہ برا سا منہ بنا کر پلٹا اور بڑبڑاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"ویرا سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا" غزالہ گہرا سانس لے کے بولی "ہر شخص کی دکھتی رگ اتنی پھرتی سے تلاش کرتی ہے کہ وہ خود ششدر رہ جاتا ہے۔"

"اس میں ذہانت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے۔ وہ اس کا استعمال بھی جانتی ہے۔ تم سونے سے پہلے لاحول ضرور پڑھ لینا ورنہ وہ خواب میں دوبارہ تمہیں ڈراتی رہے گی۔"

صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ غزالہ غائب تھی اور سائیڈ ٹیبل پر تازہ اخبار موجود تھا۔

طویل تعطل کے بعد میں نے اخبار پر نظر ڈالی تو وہ اجنبی سا محسوس ہوا۔ اہم خبروں کے روزانہ تسلسل کی وجہ سے بعض سرخیاں میرے پلے ہی نہیں پڑ سکیں۔ میں خبروں کا سرسری جائزہ لے کر باتھ روم میں جاگھسا۔

تیز شاور کے نیچے غسل کرتے ہوئے مجھے سی ایس ڈی کا خیال آیا۔ الیکٹرونکس کے میدان میں وہ چھوٹی سی کرشماتی ایجاد امریکا میں ہر قدم پر میرے لیے مددگار ثابت ہوئی تھی۔ جس روز میں نے سی ایس ڈی کو پہلی بار آزمایا تھا' اسی دن یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ آلہ بدری ناتھ کو واپس نہیں کروں گا۔ اس وقت دور دور تک یہ امکان نہیں تھا کہ امریکا چھوڑنے سے پہلے مجھے بدری ناتھ کو اپنے راستے سے ہٹانا پڑجائے گا۔ موت کے بعد بدری ناتھ کے اس ورثے کا اصل حق دار میرے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔

میں نے سی ایس ڈی کو اسپیکر فون لائن سے منسلک کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے بریف کیس کھولا تو غزالہ بھی کمرے میں آموجود ہوئی۔ میں نے نیو آرک "گیٹ وک اور دبئی کی ڈیوٹی فری شاپس سے خریدے ہوئے علامتی تحفوں کی تھیلیاں اس کے حوالے کیں تو مسرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"میں یہی سوچ رہی تھی کہ آپ آدھی دنیا کا چکر لگا آئے لیکن میرے لیے کچھ نہیں لائے" خوب صورت طلائی انگوٹھیوں کو اپنی انگلیوں میں پھنساتے ہوئے غزالہ کے اندر کی عورت بول پڑی۔

"خریداری کے لیے ذہنی سکون میسر تھا نہ فرصت" میں نے اسے بتایا "سرِراہ چلتے چلتے جو نظر آیا' لیتا چلا آیا۔ ان تھیلیوں میں چند مردانہ تحفے بھی ہیں۔ وہ سلطان شاہ اور اول خان کے لیے نکال لینا۔"

"ساری ہی تھیلیاں ڈیوٹی فری شاپس کی ہیں" وہ آویزے دیکھتے ہوئے بولی "اس خریداری سے ہی پتا چل رہا ہے کہ قیام کے دوران میں آپ کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ آپ کے ذاتی

Downloaded from https://paksociety.com

سامان میں بھی مجھے کوئی قابل ذکر اضافہ نظر نہیں آرہا۔"

ایسا نہیں تھا کہ ہم ہر وقت کام میں جتے ہوئے تھے۔ فرصت بھی مل جاتی تھی لیکن لمحے کے پیاسے ہماری تلاش میں ہر طرف سرگرداں رہتے تھے۔ ہم غیر ضروری مٹرگشت سے گریز ہی کرتے تھے۔

شاید ویرا کو تیاری کے دوران میں ہماری مصروفیات کی بھنک مل گئی تھی۔ وہ ہاتھ میں کچھ لیے ہمارے کمرے میں آئی اور پھر اس نے ایک پیکٹ غزالہ کے حوالے کیا تو میں تعجب میں پڑ گیا۔

"یہ تو وہی نیکلس ہے جو تم نے نیو آرک سے اپنے لیے خریدا تھا۔" میں نے کہا۔

اس نے ہنسی کے ساتھ مجھے بتایا "اس نیکلس کے لیے وہاں گردن میری اور پسند تمہاری تھی مگر میں نے یہ تحفہ غزالہ کے لیے ہی خریدا تھا۔"

پھر ویرا اسے نیکلس کی خریداری کا قصہ سنانے لگی اور میرا دل خوش ہو گیا۔ نیکلس والی دکان میں ہم دونوں دو اجنبیوں کی طرح ملے تھے۔ اس تفصیل سے غزالہ کو یہ اطمینان ہو سکتا تھا کہ ہم دونوں "ہر جگہ" ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے۔

"مخلوط مغربی معاشرے میں تم دونوں کو ایک دوسرے سے یوں الگ تھلگ رہنا عجیب تو لگتا ہوگا؟" غزالہ نے یہ سوال ویرا سے کیا تھا۔

"الگ تھلگ کیا' بس ایک دوسرے پر نگاہ رکھتے تھے۔ ڈینی چاہتا تو اس کے لیے وہاں لڑکیوں کی کمی نہیں تھی۔ دراصل ہم دونوں میں سے کسی کے پاس ان خرافات کے لیے وقت نہیں تھا۔ اس کے باوجود ایک آدم خور لڑکی ڈینی کے پیچھے لگ ہی گئی تھی۔"

پتا نہیں ویرا کیا شگوفہ چھوڑنے والی تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"آدم خور لڑکی! امریکا جیسے ملک میں آدم خور لڑکی کہاں سے آگئی؟"

"جو لڑکیاں خوبرو مردوں پر ڈورے ڈالتی پھرتی ہیں' میں انہیں آدم خور ہی سمجھتی ہوں۔ یہ سمجھ لو کہ میں ڈینی کو جینی سے بہت مشکل سے بچا کے لائی ہوں۔ میں نہ ہوتی تو وہ اس کی ممی تیار کر کے اپنے بیڈ روم میں سجا لیتی" جینی سے اپنے بغض کو ویرا' غزالہ سے پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ توڑ مروڑ کر اس کا نام غزالہ کے کانوں میں ڈال ہی دیا۔

میرا دل چاہا کہ اٹھ کر ویرا کا سر توڑ دوں۔ اس نے بالکل غیر ضروری طور پر جینی کے بارے میں ایسی پُرتجسس کہانی سنائی تھی کہ غزالہ اس کے بارے میں سوچے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

میں نے بالکل چپ سادھ لی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے زبان کھولی تو ویرا مزید کچھ ایسا زہر اگلے گی کہ بات بننے کے بجائے مزید بگڑ جائے گی۔

"جینی کا نام بھی ان کے نام سے ملتا جلتا تھا۔ کیا وہ کوئی آوارہ گرد لڑکی تھی؟" ویرا کا پیدا کیا ہوا تجسس فوری طور پر غزالہ کے ذہن پر سوار ہونے لگا تھا۔

"وہ بہت پڑھی لکھی' خوب صورت اور برسرروزگار لڑکی تھی۔ ایمان داری کی بات ہے کہ ڈینی نے اسے زیادہ منہ نہیں لگایا۔ ایک آدھ مرتبہ ڈینی کو اس پر ترس آیا تو میں راستے کی دیوار بن گئی" ویرا اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے اس موقع کو پوری طرح استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

"وہاں یہ سب رائج ہے" غزالہ کے غیر متوقع جواب نے میرا دل خوش کر دیا۔ وہ ہنس کر کہہ رہی تھی "تم بلاوجہ ان کی کردار کشی کر رہی ہو۔ وہاں کا پانی ہی کچھ ایسا ہوگا کہ اچھے خاصے آدمی کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہوں گے۔ وہاں کے بارے میں' میں نے کہیں پڑھا تھا کہ وفادار بیوی یا شوہر کا تصور صرف اتنا رہ گیا ہے کہ وہ کبھی ایک دوسرے سے بے وفائی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں نہ پکڑے جائیں۔"

"امریکا کو بھول کر اب خود کو یہاں کے ماحول میں واپس لانے کی کوشش کرو" میں نے اسے مشورہ دیا "یہاں تمہیں دل بہلانے کے لیے سلطان شاہ کی نرسنگ کے سوا کچھ اور مشاغل بھی مل سکتے ہیں۔"

سلطان شاہ کا نام آتے ہی ویرا اٹھ گئی "میں ناشتا بنانے جا رہی ہوں۔ اب بھوک برداشت نہیں ہو رہی۔"

غزالہ ناشتا بنا چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ میں نے سی ایس ڈی فون سے منسلک کر دی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی۔ نیویارک کے وقت کا حساب لگایا اور ناشتا کرنے کا ارادہ کر کے ڈائننگ روم کی طرف چل دیا جہاں دونوں عورتیں ناشتے کا آغاز کر چکی تھیں۔

"کمرے میں بیٹھے تم کس جوڑ توڑ میں مصروف تھے؟" ویرا نے مزاحیہ انداز میں پوچھا۔

"فون پر سی ایس ڈی لگا رہا تھا۔ کسی وقت بلیک ڈیڈ کی خیریت معلوم کرنے کا ارادہ ہو رہا ہے۔"

سی ایس ڈی غزالہ کے لیے ایک نیا نام تھا۔ اس نے سوال کر ڈالا اور مختصر سی وضاحت کے بعد ہی اس کار آمد آلے کی نوعیت کو سمجھ کر نہ صرف مطمئن بلکہ خوش ہو گئی۔

"میری مانو تو بلیک ڈیڈ کو اب اس کے مقدر پر چھوڑ دو" ویرا نے مشورہ دیا "اسے چھیڑو گے تو وہ واویلا ہی کرے گا۔ مجھے اس کا انجام اچھا نظر نہیں آرہا۔"

"ہمیں گیپ کا مسئلہ اٹھانے سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ لوگ کہاں تک پہنچے ہیں۔ جس لمحے انہوں نے ہرواقعے کی کڑی ملائی' بلیک ڈیڈ غائب ہو جائے گا۔"

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو' بس اسے یہ نہ بتانا کہ تم واپس

Downloaded from https://paksociety.com

پاکستان پہنچ چکے ہو۔ اس کے ذریعے یہ خبر تمہارے دشمنوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ تم سے مار کھانے کے باوجود وہ اتنے طاقت ور ہیں کہ یہاں سے سلطان شاہ کو نکال کر لے ہی گئے تھے۔ کسی وقت تم پر بھی وار کر سکتے ہیں۔"

ویرا کا یہ مشورہ مفید تھا۔ میں نے اسے فوراً ہی پلے سے باندھ لیا۔

تھوڑی دیر بعد سلطان شاہ بھی تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکل آیا اور ویرا کو نظرانداز کرتا ہوا میرے برابر میں آبیٹھا۔ میں پُرتشویش نظروں سے اس کی نقل و حرکت کا گہرا مشاہدہ کرتا رہا۔ غور کرنے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے چلنے پھرنے میں زیادہ دشواری نہیں تھی مگر اٹھنے بیٹھنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔

جب سے غزالہ نے اس کے جسم پر زخموں کی موجودگی کی تصدیق کی تھی' میں اس کی طرف سے فکرمند تھا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہو گیا تو میں اشارے سے اسے اپنے ساتھ اسی کے کمرے میں لے گیا اور دروازہ اندر سے بند کر کے بولٹ بھی کر لیا تاکہ ویرا کو کوئی شرارت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

سلطان شاہ کو میرے تیوروں سے میرے ارادے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے میرے کسی مطالبے سے پہلے ہی اپنے زخموں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ اسے اغوا کرنے والوں نے اس پر جو جسمانی تشدد کیا تھا اس کے اثرات بڑی حد تک زائل ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ اصل مسائل دو تھے جن کی نشان دہی انفرہ کے ملٹری اسپتال میں خون وغیرہ کے مختلف تجزیوں کے بعد کی گئی تھی۔

اغوا کے بعد اس کی بے ہوشی کی مدت کو طول دینے کے لیے اسے انجکشن کے ذریعے ایسی موذی ادویہ دی گئی تھیں جنہوں نے اس کے اعصابی اور جسمانی نظام کو بہت تیزی سے کمزور کیا تھا۔ اسی بے ہوشی کی حالت میں وہ بہت دیر تک ایک منجمد لاش کے ساتھ تابوت میں بند رہا تھا۔ لاش پر جمی ہوئی برف کی تہ نے اس کے جسم کے پچھلے حصے پر پشت سے پنڈلیوں تک متعدد بڑے بڑے زخم ڈال دیے تھے۔

وہ زخم کچھ ایسے ہی تھے جیسے برفانی علاقوں میں فرائض انجام دینے والے فوجیوں یا کوہ پیماؤں کے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں آجاتے ہیں جن کے نتیجے میں وہ اعضا کاٹنے پڑ جاتے ہیں۔ معالجوں نے سلطان شاہ کے زخموں کو بڑی حد تک سنوبائیٹ سے مشابہ قرار دیا تھا۔

اس نے قمیص اٹھا کر مجھے اپنی پشت دکھائی تو میں جھرجھری لے کر رہ گیا۔ سلطان شاہ نے بیدار ہونے کے بعد ان زخموں کی ڈریسنگ نہیں کی تھی جس کی وجہ سے مجھے اس کی گلی ہوئی جلد' کھال اور چربی کی گلابی مائل سفید تہیں صاف نظر آرہی تھیں۔ تین خاصے بڑے زخم میرے سامنے تھے۔ دو شلوار کے نیچے کولھوں پر چھپے ہوئے تھے۔ چھٹا اور زیادہ بگڑا ہوا زخم داہنی پنڈلی پر تھا جو اپنی گہرائی میں شاید ہڈی تک پہنچا ہوا تھا۔

ترک ڈاکٹروں کے تجویز کردہ علاج کی توثیق کراچی کے فوجی ڈاکٹروں نے بھی کی تھی۔ وہ جب تک پی این ایس شفا میں زیرِ علاج رہا' وہاں اس کی ڈریسنگ ہوتی رہی۔ اس کے لیے ہر وقت بستر پر دراز رہنا مناسب نہیں تھا۔ جوں ہی اس کی جسمانی قوت کسی حد تک بحال ہوئی' اسے اسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔ زخموں کی ڈریسنگ صرف مرہم اور روئی کی ہلکی سی تہ سے کی جاتی تھی۔ یہ کام سلطان شاہ خود ہی کر لیتا تھا۔

اس کے زخم دیکھ کر میرے دل میں اس کے لیے ترحم کا جذبہ عود کر آیا۔ مجھے یاد آیا کہ وہ برسوں پہلے شی والوں کی گن بوٹ پر بھی ایک آئس بکس میں ایسی ہی خطرناک قید سے دوچار ہو چکا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت اس پر سنوبائیٹ وغیرہ کا حملہ نہیں ہوا تھا۔ انجماد سے بہت گرے ہوئے درجۂ حرارت کی وجہ سے اس کے بدن کے سارے جوڑ اور پٹھے وغیرہ اکڑ کے رہ گئے تھے جو کئی دن بعد نقل و حرکت کے قابل ہو سکتے تھے۔

میں نے دانستہ اس پرانے قصے کا ذکر نہیں کیا۔ اپنے ہاتھ سے اس کے زخموں کی ڈریسنگ کرتے ہوئے میں نے نرمی سے کہا "تم ویرا کی ذرا ذرا سی باتوں پر بدک کر خود اسے چڑانے کے مواقع فراہم کرتے ہو۔ وہ واقعی نرسنگ کورس کر چکی ہے' کمر اور پنڈلی کے زخموں کی دیکھ بھال اچھی طرح کرے گی۔"

"وہ تمہارے سامنے مسکین بن جاتی ہے اور تم دھوکا کھا جاتے ہو" اس نے بے بسی سے احتجاج کیا "تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اکیلے میں کیسی زہریلی باتیں کر کے کچوکے لگاتی ہے۔ اسے میرے اوپر کوئی احسان کرنے کا موقع مل گیا تو وہ چند ہی روز میں میرا جینا حرام کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے پھر یہ ڈریسنگ میں کیا کروں گا۔" میں نے وہ موضوع وہیں ختم کر دیا اور کہا "اب تم آرام سے میرے سامنے بیٹھ جاؤ اور مجھے ان دونوں کے بارے میں بتاؤ جو تمہارے ہاتھوں معذور ہوئے ہیں۔"

"ولی جان جنگلات کے محکمے میں اٹھارھویں گریڈ کا افسر ہے۔ شنکر رائے سترھویں گریڈ کا ملازم ہے۔ شاید محکمۂ داخلہ میں کام کرتا ہے۔ دونوں کے بال بچے گاؤں میں رہتے ہیں اور وہ گلشنِ اقبال کے ایک بنگلے میں اکٹھے رہتے ہیں۔ انہوں نے اس بنگلے کو اپنی عیاشیوں کا گڑھ بنایا ہوا تھا۔"

"تمہیں یہ سب باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟" میں نے نرمی سے استفسار کیا۔

"یہ اول خان کا ریکارڈ بتاتا ہے۔ اس نے بہت محنت کے بعد سات آدمیوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ ان میں سے یہ دونوں صاف نکل گئے۔ اگر وہ ایک ساتھ نہ رہ رہے ہوتے تو شاید میں دوسرے کا

Downloaded from https://paksociety.com

پیچھا نہ کرتا۔ وہ دونوں اپنے بنگلے کے ایک کمرے میں دو لڑکیوں کے ساتھ نشے میں دھت تھے۔ پہلی گولی چلتے ہی دونوں لڑکیاں خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔ شاید ان میں سے کسی نے باہر کھڑی ہوئی گاڑی کا نمبر نوٹ کیا ہو گا ورنہ ان کے فرشتے بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ میں دونوں کا ایک ایک گھٹنا توڑ کر صاف نکل آیا تھا۔"

"دشمن کے گھٹنے توڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم انہیں مار بھی سکتے تھے۔"

"مدن موہن کا ریکٹ یہاں بہت گھناؤنا کھیل' کھیل رہا تھا۔ تم نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ ولی جان مسلمان اور شنکر رائے ہندو ہے پھر بھی وہ ایک ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان غداروں کی ڈوریاں ایک ہی جگہ سے ہلائی جارہی تھیں۔ ان کے لیے موت بہت آسان سزا تھی۔ اب وہ زندگی بھر معذوری کے ساتھ سسک سسک کر زندہ رہیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں دیکھ کر دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔"

"ان دونوں کے ضامن کون تھے؟" میں نے پُرخیال انداز میں سوال کیا۔

"اول خان دل برداشتہ ہو گیا تھا۔ ان کی رہائی کی خبر پانے کے بعد اس نے ان کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بے مقصد بھاگ دوڑ سے نفرت کرتا ہے۔"

"وہ باہر سے نہیں آیا' اسی ملک میں پلا بڑھا ہے۔ یہاں کی یہ ساری خرابیاں اس کی جانی بوجھی ہیں۔ اگر وہ ایک بار ضمانت پر باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے تو انہیں دوبارہ اندر ڈالا جا سکتا تھا۔ اسپیشل ٹاسک فورس اتنی بے بس نہیں ہے کہ مصدقہ مجرموں سے دست بردار ہونے پر مجبور ہو جائے۔"

"ان سوالوں کے جواب وہی دے سکے گا' میرے سامنے وہ مایوس ہو چکا تھا۔"

سلطان شاہ کا کوئی ہوم ورک نہیں تھا۔ اس نے اول خان کی ہمدردی میں' وقتی اشتعال کے تحت ان دونوں کو معذور کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ دونوں اس سے کہیں زیادہ توجہ کے مستحق تھے۔ میں اسے وہیں چھوڑ کر اس کے کمرے سے نکل آیا۔

میں نے اول خان کو فون کیا تو وہ اپنے دفتر میں موجود نہیں تھا۔ اس کے آدمی نے میری آواز پہچان کر بتایا کہ وہ چار بجے کے بعد ہی دفتر آسکے گا۔ میں نے پیغام چھوڑ کر فون بند کر دیا۔

کام میرے سامنے تھا لیکن اس کا کوئی سرا نظر نہیں آرہا تھا۔ لے دے کر دو ہی زخمی تھے جن کے بارے میں سلطان شاہ کو زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ اسے یہ تک علم نہیں تھا کہ وہ شہر کے کسی اسپتال میں تھے یا کہیں اور منتقل کیے جا چکے تھے۔

مجھے اول خان کی اس دلیل میں زیادہ وزن نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ دونوں اپنے خاندانی پس منظر اور موجودہ عہدوں سے میسر ہونے والے وسائل سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر زندگی گزار رہے تھے اس لیے یہ بات یقینی نظر آتی تھی کہ کوئی جرائم پیشہ شخص ان کی مالی اعانت کر رہا تھا یا پھر یہ کہ وہ مقامی ڈرگ مافیا کے کارندے تھے۔ ان کے نامعلوم وسائل کی فراہمی کا ذریعہ مدن موہن بھی ہو سکتا تھا جو راوالوں کی طرف سے کراچی میں نیجرل انفارمیشن سیل کی آڑ میں عیاشی کا اڈا چلا رہا تھا۔ اسے معلومات کی ضرورت تھی۔ اہم معلومات کے لیے وہ آنکھیں بند کر کے بڑی بڑی رقوم بھی خرچ کر سکتا تھا مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ محکمۂ جنگلات کا ایک افسر راوالوں کو کیا معلومات فراہم کر سکتا تھا۔ اس سے زیادہ اہم شنکر رائے تھا جو نچلے گریڈ میں اہم صوبائی محکمے کا ملازم تھا۔

میں سوچتا اور کڑھتا رہا۔ معاً مجھے یاد آیا کہ اول خان نے صرف مالی وسائل کی بات نہیں کی تھی۔ اسی کے ساتھ یہ نکتہ بھی اٹھایا تھا کہ پاکستان میں راوالے اتنے طاقت ور نہیں ہو سکتے کہ اپنے حلیفوں کو اسپیشل ٹاسک فورس کی کڑی تحویل سے شہری پولیس کی حراست میں پہنچا کر ان کی ضمانت کرا سکیں۔

وہ کام کسی مقامی قوت کا ہی ہو سکتا تھا' ایسی قوت جو ضرورت پڑنے پر اپنے کارندوں کے تحفظ کے لیے بے دریغ پیسہ لٹا سکے۔ ان باتوں سے ایک اور اہم بات سامنے آتی تھی کہ ولی جان اور شنکر رائے عام مجرم نہیں تھے۔ ان میں بہت سی ایسی باتیں مشترک تھیں جنہیں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ مذہبی تضاد کے باوجود وہ ایک دوسرے کے گہرے دوست اور ہم ذوق تھے۔ دونوں ہی مدن موہن کے ریکٹ میں گھسے ہوئے تھے' انہیں کسی ایسی قوت کی پشت پناہی حاصل تھی جس نے تمام تر ناموافق حالات کے باوجود انہیں ضمانت پر رہا کرالیا تھا اور اب انہیں معذور کرنے والے سلطان شاہ سے انتقام لینے کے لیے اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے لگایا ہوا تھا۔

طویل اور گہری سوچ بچار کے نتیجے میں مرتب ہونے والے نتائج بہت واضح تھے۔ اگر فوری طور پر کوئی اور سرا ہمارے ہاتھ نہیں آتا تھا تو ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک سے مذاکرات کے ذریعے بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔

چار بجے میں نے بلیک ڈیڈ سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت نیویارک میں صبح کے سات بجے کا عمل ہونا چاہیے تھا۔ کسی کو بستر سے اٹھانے کے لیے وہ وقت بہت زیادہ نامناسب نہیں تھا۔

نیویارک میں تین گھنٹیاں بجنے کے بعد میرے کانوں میں جوڈی کی سخت' کھردری اور گستاخانہ آواز آئی "اتنے سویرے کون بول رہا ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ بددماغ بڑھیا مزید کوئی اشتعال انگیز بات کہتی' میں نے جلدی سے کہا "میں اسلم ہوں کل تک تمہارے

Downloaded From https://paksociety.com

پاس کا مہمان تھا۔ اگر تمہارا سویرا نہیں ہوا تو بعد میں اسے فون کے بارے میں بتا دینا۔"

"اوہ نو سر! میں شرمندہ ہوں۔ وہ رات بھی بے چینی سے تمہاری کال کا منتظر تھا۔" میری دھمکی پر جوڈی کے ہوش ٹھکانے آگئے۔ اس کی آواز سے نیند کا خمار کافور ہو چکا تھا "تم ہولڈ کرو۔ میں اسے دیکھتی ہوں۔"

تقریباً آدھے منٹ بعد بلیک ڈیڈ کی نیند کے نشے میں ڈوبی ہوئی بوجھل آواز سنائی دی "ہائے ڈینی! کیا تم اپنے ملک واپس پہنچ چکے ہو؟ میں تمہارے پیغام کا منتظر تھا۔"

"نہیں ڈیڈ۔ ہم لندن میں رک گئے ہیں۔ ہمارے پاس ویرا موجود تھا۔ بس سامان آف لوڈ کروانے میں تھوڑی سی دشواری ہوئی ورنہ سب ٹھیک ہے۔ پاکستان میں ہمارے لیے خطرات پیدا ہو چکے ہیں۔"

"اوہ گاڈ! تم کو لندن میں بھی محتاط رہنا ہوگا۔ اچھا ہوا کہ تم یہاں سے وقت پر نکل گئے۔ کل سے عباس کرمانی کے بجائے تم دونوں کی تلاش شروع ہو گئی ہے۔ ہوٹل کھنگالے جا رہے ہیں۔ نیویارک کے تینوں ہوائی اڈوں اور زمینی راستوں پر مخبر پھیلا دیے گئے ہیں۔ بدترین خبر یہ ہے کہ پیری کاویل کو اٹھا لیا گیا ہے۔"

"کس نے اٹھایا؟ اس کا جرم کیا ہے؟" یہ خبریں میرے لیے متوقع تھیں پھر بھی بلیک ڈیڈ کی دل جوئی کے لیے مجھے خاصی بے ساختہ حیرت کا اظہار کرنا پڑ گیا۔

"یہ سؤر کے بچے' سی آئی اے والے فرعون ہوتے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔" اس کی برافروختہ آواز آئی "بیم گن کے بعد بیلٹ پھٹنے سے کئی آئی مین شہادت کی زد میں آئے ہیں لیکن کچھ بھی نہیں ہوگا۔ پیری آہنی اعصاب کا مالک ہے اپنی جان پر ہرستم سہہ لے گا مگر زبان نہیں کھولے گا۔"

"میری دعا ہے کہ تمہاری یہ خوش گمانی حقیقت ثابت ہو۔ پیری بکھر گیا تو تمہاری باری بھی آسکتی ہے۔" میں نے پورے خلوص کے ساتھ جواب دیا۔

"یہ بہت دور کی بات ہے لیکن رونما ہو سکتی ہے۔ اس وقت تمہارا مشورہ کیا ہے؟"

"روپوشی اختیار کر لو۔ جب تک مطلع صاف نہ ہو' سامنے آنے کی غلطی نہ کرنا۔"

"وہ میرے آدمیوں کا جینا حرام کر دیں گے۔ ایک ایک کو رگیدنا شروع کر دیں گے۔"

"خاص آدمیوں کو بھی انڈر گراؤنڈ کر دو۔ دوسروں کی طرف سے آنکھیں بند کرنی ہوں گی۔ یہ مجبوری ہے۔ تم نے جلد ہی فیصلہ نہ کیا تو پچھتانے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔"

"میں نے یہ ٹھکانا چھوڑ دیا تو تم سے میرا رابطہ ختم ہو جائے گا۔ ایسا کرو کہ تم مجھے اپنا فون نمبر دے دو۔"

"ابھی تم نے مجھے چوکنا رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ میں بھی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہوں گا۔ آج یہاں ہوں' کل پتا نہیں لندن کے کس ہوٹل میں ڈیرا ڈالنا پڑ جائے۔"

"بس' پھر ہم ایک دوسرے کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ ویسے جوڈی ایک بے ضرر سی بڑھیا ہے۔ وہ یہیں رہے گی۔ تم چاہو تو اس سے بات کرتے رہنا۔ حالات کے تحت میں بھی اس سے رابطے میں رہوں گا۔"

پیری کاویل کی گرفتاری پر بلیک ڈیڈ کی پریشانی بے جا نہیں تھی۔ اس واقعے کے مضمرات کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہوئے بھی وہ خوش فہمیوں کے سہارے لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس سے گفتگو ختم کرتے ہوئے میرے ذہن میں خود بہ خود جینی کا نام ابھر آیا۔ ہماری نیویارک سے روانگی سے ایک رات پہلے ہی وہ ہم دونوں کی طرف سے بد دل ہو کر نیویارک کے پولیس چیف کو ہمارے بارے میں خط لیکس کرنے کا ارادہ کر چکی تھی لیکن ویرا نے اگلے چند روز میں ملاقات کا جھوٹا وعدہ کر کے اسے منا لیا تھا۔

مجھے یقین تھا کہ جینی بس چند روز ہی انتظار کرے گی۔ جب اسے یہ یقین ہو جائے گا کہ اس کے تشنہ سوالوں کے جواب دینے کے لیے ہم اس کے پاس نہیں پہنچیں گے تو وہ خاموشی کے ساتھ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دے گی۔ نیویارک میں ہماری اہم ترین سرگرمیوں کی وہ مضبوط گواہ تھی۔

جینی اور بلیک ڈیڈ میں سے کسی پر ہمارا کوئی زور نہیں تھا۔ وہ دونوں ویرا کے پرانے واقف کار تھے۔ ہم نے امریکا میں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان دونوں کو بدری ناتھ سے زیادہ استعمال کیا تھا۔ بدری ناتھ کو ہم اپنے ہاتھوں سے ختم کر آئے تھے' ان دونوں نے ہمیں سکون سے امریکا سے نکلنے کی مہلت دے دی تھی۔ ہمارے وہاں آجانے کے بعد جینی جو کچھ بھی کر گزرتی اس پر اس سے کوئی شکوہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"اب تم امریکا کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔" ویرا نے مجھے سوچ میں غلطاں دیکھ کر کہا "بھول جاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہوگا۔ ان لوگوں کے ہاتھ کتنے بھی لمبے ہوں' پاکستان میں ہماری گردنوں تک نہیں پہنچ سکتے۔"

"امید تو یہی ہے لیکن ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ انہوں نے اپنے مطلوبہ مجرموں کو دور دراز ملکوں سے اغوا کر کے امریکا میں سخت ترین سزائیں دی ہیں۔ یہاں سے انہیں ہمارے خلاف سرکاری تعاون نہ ملا تو وہ دوسرے حربے استعمال کریں گے۔"

"دوسرے حربے وہ ایک مدت سے استعمال کر رہے ہیں۔ اب ان سے کون سی قیامت آجائے گی؟"

ساڑھے چار بجے ہم چائے نوشی میں مصروف تھے کہ اول خان فون کرنے کے بجائے خود ہی آ ٹپکا "میں نے کافی یقین دہانیاں حاصل کرنے کے بعد گیپ کا اصل مسودہ اسلام آباد بھجوا دیا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔" اس نے آتے ہی اپنی دن بھر کی کارکردگی کے بارے میں بتایا۔ "کل دوپہر تک اس بارے میں پوزیشن سامنے آجائے گی۔"

میں نے اس کے آتے ہی سوالات کی بھرمار کرنے کے بجائے اسے اطمینان سے چائے ختم کرنے کا موقع دیا اور پھر اس کے دونوں ملزموں کے ضامنوں کے بارے میں پہلا سوال کر ڈالا۔

"میرا دل کھٹا ہوگیا تھا۔ میں نے ان کے معاملے میں دلچسپی نہیں لی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا "سنا ہے کہ ضمانتیں معمولی تھیں' کسی ایک ہی شخص نے گاڑی کے کاغذات پر انہیں چھڑالیا تھا۔"

"تم نے یہ معلوم کرنے کی کوشش تو کی ہوتی کہ ضامن کون تھا اور اس نے کس کے ایما پر ان دونوں کی ضمانت لی تھی۔" میں نے محتاط انداز میں اپنی رائے دی "اس کارروائی سے چند چہرے ضرور بے نقاب ہوجاتے۔"

"اگر تم اس بارے میں اسی قدر سنجیدہ ہو چکے ہو تو میں ابھی فون پر معلوم کیے لیتا ہوں۔"

میری طرف سے اثبات میں جواب پاکر اول خان نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ سے فون کیا۔ میں نے سی ایس ڈی مین لائن سے منسلک کی تھی اس وجہ سے مداخلت کے کسی خطرے کے بغیر ایک وقت میں تینوں میں سے کوئی ایک ایکس ٹینشن استعمال کی جاسکتی تھی۔

اس نے چند منٹ کی گفتگو کے بعد فون بند کردیا۔ عدالتی اوقاتِ کار ختم ہوجانے کی وجہ سے اس وقت کچھ معلوم ہونا ناممکن تھا البتہ اول خان سے اگلے روز معلومات فراہم کرنے کا وعدہ کرلیا گیا تھا۔

میں نے اول خان کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتانا شروع کردیا تاکہ وہ اگلے روز زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرسکے۔ پوری بات ذہن نشین کرلینے کے بعد اس نے کہا "تم بلاوجہ ان کے ضامن کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ وہ جو بھی ہے' درمیان کا آدمی ہے۔ اگر ہمیں کچھ کرنا ہی ہے تو ان ہی دونوں کے لیے کرنا ہوگا۔ اصل آدمی تک رسائی کے لیے وہی کار آمد ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"ان کے خلاف کہاں سر کھپایا جائے؟ تمہیں ان کے بارے میں سرے سے کچھ پتا نہیں ہے۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ سکے۔" اس کی آواز میں ہلکا سا جوش عود کر آیا "وہ کیس میرے ہاتھوں سے نکل کر پولیس کے ہاتھوں میں پہنچا تو میں نے اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ بعد میں دو کی ضمانت ہوئی تو میں بددل ہو کر انہیں بھول گیا..... پولیس کی تحویل میں پہنچنے کے بعد سے ان کے زخمی ہونے تک جو کچھ ہوا' میں اس سے واقعی بے خبر ہوں لیکن پھر سلطان شاہ اس چکر میں ملوث ہوگیا تو مجبوراً مجھے ان پر دھیان دینا پڑا۔ دو مشتبہ افراد کے دیکھے جانے کے بعد میری توجہ میں اضافہ ہوگیا۔"

"لاحول ولا قوۃ! اور یہ بات تم مجھے آج بتا رہے ہو۔ کہاں ہیں وہ دونوں؟"

"زخمی ہونے کے بعد انہیں اسپتال ہی لے جایا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے انہیں دیکھتے ہی جواب دے دیا۔ سلطان شاہ نے ان کے گھٹنوں کو بڑی سفاکی سے برباد کیا ہے۔ گولیاں پیچھے سے گھس کر گھٹنے کی پوری ہڈی کو چکنا چور کرتی ہوئی آگے سے نکل گئی تھیں۔ بچے ہوئے ریزوں کو کوئی مائیکرو سرجن یک جا نہیں کرسکتا تھا۔ اس رائے کے بعد کوئی ان دونوں کو گھر لے گیا تھا۔ وہ دونوں ایک ماہر کی نگرانی میں وہیں زیرِ علاج ہیں۔ ان کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لیے نرسنگ اسٹاف کے علاوہ ہر وقت تین محافظ بھی وہاں موجود رہتے ہیں۔"

"تم ان کے بارے میں پوری طرح باخبر ہو پھر میں یہ کیوں سمجھتا رہا کہ تم اندھیرے میں ہو؟"

"تم نے کل کھل کر کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔" اس نے یاد دلایا "تم قسطوں میں سوال کرتے رہے' میں اسی طرح نپے تلے جواب دیتا رہا۔ کل تم نے امریکا سے یہاں قدم رکھا تھا۔ تمہیں یہاں کے حالات کا علم نہیں تھا اور میں تمہارے ذہن پر آتے ہی غیر ضروری بوجھ نہیں ڈالنا چاہ رہا تھا۔"

"یہ بات تو مجھے بھی اب معلوم ہو رہی ہے کہ وہ اسی گھر میں زیرِ علاج ہیں۔" سلطان شاہ نے کہا۔

"میں نے تم سے یہ تفصیل دانستہ پوشیدہ رکھی تھی۔ تم ان کے دوسرے گھٹنے توڑنے کا ارادہ کرلیتے تو میں تمہیں کیسے روک سکتا تھا؟ تمہیں دلیری اور خودسری کے فرق کا اندازہ نہیں ہے۔"

"وہ گھر میں ہیں تو ان کے بال بچے بھی وہیں آگئے ہوں گے؟" دیرانے دریافت کیا۔

"بنگلا چھوٹا ہے۔ شاید ان کی بیویاں آگئی ہوں۔ بچے وہاں نہیں دیکھے گئے۔"

"ایسی مہلک چوٹوں کا گھر پر کیا علاج ہو رہا ہوگا؟" غزالہ نے حیرت ظاہر کی "انہیں سرجری کی ضرورت تھی۔ گھر پر رہ کر وہ یقیناً معذور ہوجائیں گے۔"

"کیا ہو رہا ہے' یہ مجھے نہیں معلوم۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ اپنے گھر پر ہیں۔" اول خان بولا۔

سلطان شاہ کے حملے نے ان دونوں کو خوف زدہ کیا ہوا تھا۔ اسپتال میں انہوں نے خود کو غیر محفوظ تصور کرتے ہوئے گھر پر رہنے کو ترجیح دی ہوگی۔ ان کے گھٹنوں کے جوڑ اور چپنی ہڈی کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ ان کی ضرورت یہ تھی کہ زخموں سے ہڈیوں کے ٹکڑے نکال کر زخموں کی بھرپور دیکھ بھال کی جائے۔ ایسی صفائی شاید کسی باقاعدہ آپریشن کے بعد ہی کرلی گئی ہو۔

"اگر ان پر نظر رکھی جارہی ہے تو تمہیں یہ اندازہ ضرور ہوگا کہ ان پر دوبارہ کیسے ہاتھ ڈالا جاسکتا ہے؟" میں نے اس سے سوال

Downloaded from https://paksociety.com

کیا۔

"آج تم ہاتھ ڈالو گے۔ کل پھر قیدی کو پولیس اسٹیشن چھوڑنا پڑ جائے گا۔" ویرا نے ٹکڑا لگایا۔

"وہ باقاعدہ آپریشن تھا۔ بہت سے لوگوں کو علم تھا کہ اسپیشل ٹاسک فورس مدن موہن کے این آئی سی کو تباہ کرنے کے لیے کارروائی کررہی ہے۔ نئی گرفتاری ایس ٹی ایف کی خفیہ مہم ہوگی۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا کہ زخمی کہاں غائب ہوگیا۔"

"میں پہلے بھی یہی کہہ رہا تھا کہ ایس ٹی ایف کہیں اتنی مجبور نہیں ہوسکتی کہ ایک مسلمہ مجرم کو چھوڑنے کے بعد صرف تماشا دیکھتی رہے۔ یہ قدم پہلے بھی اٹھایا جاسکتا تھا۔" میں نے کہا۔

"ہم دروازے پر دستک دے کر اپنی نفری اور ہتھیاروں کے زور پر کسی کو لائے تو بات پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ یہ کام بالا ہی بالا ہونا چاہیے۔" اول خان نے میرے ایک اندیشے کی وضاحت کر ڈالی۔

"پھر تو ہم کو ہی کچھ کرنا ہوگا۔ ایس ٹی ایف سے بالا ہی بالا کون قیدی کو اٹھائے گا؟" ویرا نے پوچھا۔

"شاید میں اپنی بات واضح نہیں کرسکا۔" اول خان نے پہلو بدل کر کہا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اس معاملے میں اس کی دلچسپی بڑھتی جارہی تھی۔ اس کی بات جاری رہی "کام میرے آدمی کریں گے۔ قیدی میرے لاک اپ میں جائے گا۔ ہمارے طریقوں کے مطابق اس کا اندراج ہوگا اور ہم ہی اس سے پوچھ گچھ کریں گے لیکن یہ کام اس طرح خاموشی سے کیا جائے گا کہ باہر کے کسی آدمی کو اس افواہ میں ایس ٹی ایف کے ملوث ہونے کا شبہ نہ ہو۔ یہ بات لیک آؤٹ ہوگئی تو دباؤ کے ساتھ ہی مجھ سے کڑی باز پُرس بھی ہوسکتی ہے۔"

سب کے چہروں پر اطمینان پھیل گیا۔ غزالہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔

"میں دلی جان کے بجائے شنکر رائے پر ہاتھ ڈالنے کو ترجیح دوں گا۔" میں نے رائے دی "اپنی مذہبی ہمدردیوں اور مخمصے کی بنا پر وہ زیادہ اہم معلوم ہوتا ہے۔"

"یہ سب ہوجائے گا۔" اول خان نے یقین دلایا "میں نے اپنا مدعا بیان کردیا ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ اس تجویز پر عمل کیسے ہوگا۔ تین مسلح محافظوں کی موجودگی میں ادھر کا رخ کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔"

اول خان کا وہ سوال سب سے اہم تھا کہ اس کی تجویز پر عمل کیسے کیا جائے۔

"تین محافظوں کی موجودگی میں اتنی خاموشی سے ایک زخمی کو نکال کرلانا آسان نہیں ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ اس کوشش میں تم اپنے ایک دو آدمی گنوا بیٹھو۔" ویرا نے اپنی تشویش ظاہر کی۔

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ شنکر رائے کی رہائش گاہ کا ایک چکر لگائے بغیر اس کارروائی کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ سلطان شاہ اٹھ کر اندر چلا گیا تھا۔

"اس گھر کے کسی حصے میں بے ضرر سی آگ لگا دی جائے تو محافظوں کی توجہ ادھر مبذول ہوسکتی ہے۔" اول خان نے سوچتے ہوئے کہا "اس دوران میں شنکر کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔"

"دیر ہوگئی تو محافظ تمہارے آدمی کو باڑھ پر رکھ لیں گے۔" ویرا نے اعتراض کردیا "اس سے بہتر ہے کہ تمہارے تجربے کار آدمیوں کی بھاری نفری سادہ کپڑوں میں وہاں دھاوا بول دے۔ تھوڑا سا شور شرابا ضرور ہوگا لیکن تمہارے کسی آدمی کے نقصان کا خطرہ باقی نہیں رہے گا۔"

"دونوں طرف خود کار ہتھیار موجود ہوں تو یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ گولی اپنے اور پرائے میں تمیز نہیں کرتی۔ گھر جانے پر وہ اندھا دھند گولیاں برسا کر نہ جانے کتنے جسموں کو چھلنی کردیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام خون بہائے بغیر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے....."

"تم خوں ریزی سے اس قدر خائف کیوں ہو؟" میں نے ان دونوں کی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اول خان سے نرم لہجے میں سوال کیا "ان تینوں کو بے خبری میں کیوں نہ مار دیا جائے۔"

"بے مقصد خوں ریزی سے کیا حاصل ہوگا؟" وہ بے بس نظر آنے لگا۔

"اس وقت ہمارا مقصد شنکر کو اٹھانا ہے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی خوں ریزی کو تم بے مقصد کیوں قرار دے رہے ہو؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ وہ تینوں محافظ کسی جرائم پیشہ شخص کے پالے ہوئے غنڈے ہیں۔ ان ہی کے دو ساتھی ادھر بھی آچکے ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ طاقت استعمال کیے بغیر ہم اپنا مطلب پورا نہیں کرسکتے!"

"میرے ذہن میں طاقت کے محدود استعمال کی ایک صورت ابھر رہی ہے۔ اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں ان کے ٹھکانے کا جائزہ لینا ہوگا۔"

"چاہو تو ابھی ایک چکر لگا لیتے ہیں۔ اندھیرا پھیلنے تک منصوبے پر عمل کرڈالیں گے۔"

"جاؤ۔ تم سلطان شاہ سے بیم گن لے آؤ۔" میں نے ویرا کو ہدایت کی "اور ہاں، ذرا وہ کین بھی لیتی آنا جو تم نے جارج شلزار اور اس کی کتیا پر استعمال کیا تھا۔ میں نے وہ کین تمہارے سوٹ کیس میں دیکھا تھا۔"

"اس کین میں کیا ہے؟" ویرا کے چلے جانے کے بعد اول خان نے تجسس سے پوچھا۔

"کلورو فارم کی نسل کی کوئی گیس ہے۔ ناک پر پہلی پھوار

Downloaded from https://paksociety.com

پڑتے ہی شکار کو بے ہوش کر دیتی ہے۔"

"بیم گن اور کلوروفارم اسپرے کا مطلب ہے کہ تم کافی دور تک سوچ چکے ہو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا طے کیے بیٹھے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ میرا کوئی آدمی تمہارے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اتر سکے۔"

"اس کی تم پروا نہ کرو۔ ضروری ہوا تو میں خود تمہارے ساتھ اس مہم پر چلوں گا۔"

"تم خود!" میرے انکشاف پر وہ حیران رہ گیا "میں تمہیں یہ خطرناک مشورہ نہیں دوں گا۔"

"یہ کام بہت اہم ہے۔ تم اندازہ نہیں کر پا رہے ہو کہ ہم نے بڑھ کر ان لوگوں کی گردنیں نہ دبوچیں تو وہ ہماری بے خبری میں کسی بھی وقت ہمارے اوپر آ گریں گے۔ ہم روز روز گھر بدل سکتے ہیں نہ ان کے ڈر سے چوبیس گھنٹے گھر میں محصور رہ سکتے ہیں۔"

ویرا ذرا سی دیر میں دونوں چیزیں لے آئی۔ میں نے ہلا کر دیکھا تو کین میں سیال گیس کی خاصی مقدار موجود تھی۔ یہ ویرا کی عقل مندی تھی کہ اس نے جارج شلز کی بے ہوشی کے بعد وہ کین اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا جو بعد میں سوٹ کیس میں منتقل ہو گیا۔ اس نے احتیاط سے کام نہ لیا ہوتا تو فورٹ ہاؤس کی خوف ناک افراتفری میں وہ کین کہیں بھی ضائع ہو چکا ہوتا۔

"ابھی تم صرف جائزہ لینے جا رہے ہو تو ان دونوں چیزوں کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟" ویرا نے میرے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"ساتھ لے جانے میں حرج ہی کیا ہے؟" میں نے اسے آنکھ مار کر سوال کر ڈالا۔

اس نے میرے ساتھ بحث نہیں چھیڑی لیکن ساتھ چلنے کا مطالبہ پیش کر ڈالا۔

"ہم جن حالات سے گزر کر واپس آئے ہیں وہ خوشگوار نہیں تھے۔ کل یہاں کیا رنگ رہتا ہے' اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ فی الحال ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ منظرِ عام پر نہیں آنا چاہیے۔"

"میں ڈینی کے مشورے سے سو فیصد متفق ہوں۔" اول خان نے میری تائید کی "شاید ان ہی دور اندیشیوں نے تم کو ابھی تک دشمنوں سے بچایا ہوا ہے ورنہ وہ تم کو بہت پہلے ٹھکانے لگا چکے ہوتے۔"

میری اور اول خان کی گلشن اقبال روانگی کی خبر غزالہ اور سلطان شاہ نے حیرت سے سنی اور سوالات کی بھرمار کر دی۔ ہم میں سے کسی کے پاس ان بے تکے سوالوں کے جواب نہیں تھے۔

اول خان کی غیر سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تو شام کے چھ بج چکے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ راستے میں ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ اور فاصلے کی وجہ سے ہمارے گلشن اقبال پہنچنے تک ہر طرف خاصا اندھیرا پھیل جائے گا۔ ایسا ہونے کی صورت میں ہمیں دوبارہ ادھر جانے کی ضرورت نہ رہتی۔

ہم ڈیفنس سے نکل کر کورنگی روڈ پر بائیں طرف مڑتے ہوئے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رک جانا پڑا۔ ہمارے آگے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئی تھیں جو رینگ رینگ کر آگے سرک رہی تھیں۔ اول خان نے آگے کا جائزہ لے کر گاڑی واپس گھمانے کا قصد کیا لیکن وہاں گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ پیچھے جمع ہونے والی بسوں اور دوسری گاڑیوں نے واپسی کی راہ مسدود کر دی تھی۔

"پھنس گئے..... اب دیکھو کہ اس ٹریفک جام سے کتنی دیر میں نجات ملتی ہے۔"

سورج غروب ہو رہا تھا۔ شام کے سائے بہت تیزی کے ساتھ دراز تر ہوتے جا رہے تھے۔ ہماری گاڑی جوں کی چال سے رینگتی ہوئی ریلوے لائنوں پر بنے ہوئے پل پر پہنچی تو اندھیرا پھیل چکا تھا' اسٹریٹ لائٹس روشن ہو گئی تھیں۔ منزل پر پہنچنے تک رات ہو ہی جانی تھی۔

پل پر سے گزرتے ہوئے ٹریفک جام کا سبب بھی نظر آ گیا۔ وہ سامان سے لدا ہوا کوئی ٹرک تھا جو سڑک کے بائیں کنارے پر بند تھا۔ سڑک کا کچھ حصہ ٹرک نے روکا ہوا تھا۔ تقریباً اتنا ہی حصہ اس کے گرد سڑک پر رکھے ہوئے پتھروں نے بند کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ پیچھے سے تین اور چار قطاروں میں آنے والا ٹریفک اس مقام پر صرف ایک قطار میں گزر رہا تھا۔ قطاروں کے ایک قطار میں سمٹنے کی وجہ سے مزید بدنظمی پھیلی ہوئی تھی جسے سنبھالنے کے لیے دور دور تک کوئی سپاہی نظر نہیں آ رہا تھا۔

پل پر ناگہانی طور پر پیدا ہونے والی رکاوٹ کی وجہ سے سڑک کا اگلا حصہ صاف تھا اور اس پر ٹریفک تیزی کے ساتھ رواں دواں تھا۔ ہم شہر کے قلب میں مزید ٹریفک جام میں پھنسنے کا خطرہ مول لیے بغیر سوسائٹی ٹیز اور پھر اسٹیڈیم روڈ سے گلشن اقبال کے چوراہے پر پہنچ گئے۔

میں اس علاقے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اول خان نے اپنے دونوں زخمی مجرموں کا ٹھکانا دیکھا ہوا تھا۔ اس نے چند ثانیوں

ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی مطبوعات سسپنس ڈائجسٹ' جاسوسی ڈائجسٹ' ماہنامہ سرگزشت اور ماہنامہ پاکیزہ کی تقسیم کے لئے پشاور میں زر باغ خان نیوز ایجنسی کو مقرر کیا گیا ہے۔ ہاکر اور قارئین نوٹ فرمالیں۔

پتا :

دکان نمبر 33 حفیظ مارکیٹ' چوک یادگار' پشاور سٹی

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے یونیورسٹی روڈ پر آکر اپنی گاڑی حسن اسکوائر کی عقبی سڑک پر موڑی۔ اونچے فلیٹوں کے درمیان شکستہ سڑکوں سے ہوتے ہوئے ہم ایک لیول کراسنگ تک پہنچ گئے جو شاید سرکلر ریلوے کی ٹرینوں کے لیے بنایا گیا تھا۔

لیول کراسنگ کے بعد داہنی طرف بل کھاتی ہوئی سڑک ریلوے لائن کے متوازی دور تک چلی گئی ہے۔ سڑک کی داہنی جانب ریلوے کی بیش قیمت زمین قبضہ گروپوں کو دعوتِ فکر و عمل دے رہی تھی۔ اول خان نے بتایا کہ بائیں طرف کا علاقہ بلاک نمبر تیرہ ڈی کہلاتا تھا۔

اس سڑک پر ہمیں زیادہ دور تک نہیں جانا پڑا۔ اول خان نے کھیل کے میدان کے ساتھ گاڑی گھماتے ہوئے رفتار کم کردی اور کہا "بائیں ہاتھ پر سبز رنگ کا پانچواں مکان انہی کا ہے۔"

اول خان کا وہ انکشاف سنتے ہی میری طبیعت خوش ہوگئی۔ وہاں بتی کھمبے موجود تھے لیکن اسٹریٹ لائٹس کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ میدان کے کناروں پر بے ترتیبی سے اگی ہوئی گنجان اور خودرَو جھاڑیوں کی وجہ سے اس سڑک پر سرِشام ہی ہُو کا عالم طاری تھا۔

پانچواں مکان درحقیقت پانچواں نہیں تھا کیونکہ درمیان میں کم از کم دو خالی پلاٹ تھے جن پر کوڑے کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ سبز رنگ کے پانچویں مکان سے متصل پلاٹ بھی خالی تھا۔ میں نے گہری نظروں سے جائزہ لے کر وہ پوزیشن ذہن نشین کرلی۔

اس مکان کے سامنے خودرَو جھاڑیوں سے اَٹا ہوا تاریک میدان ہونے کی وجہ سے مجھے کام خاصا سہل نظر آنے لگا تھا۔ میدان کے اختتام پر پتلی سی سڑک کے ساتھ دو رویہ مکانات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ وہ سب آباد اور بارونق نظر آرہے تھے۔ بیشتر مکانوں پر گیٹ لیمپ روشن تھے جو اسٹریٹ لائٹس کی کمی پوری کررہے تھے۔ اس تنگ سڑک سے نکل کر اول خان نے گاڑی داہنی طرف موڑلی۔

"مکان دیکھ لیا۔ یہ بتاؤ کہ اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" اول خان نے پوچھا۔

"ارادہ نیک ہے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر وقت گزار لیں پھر گاڑی اسی طرف گھما لینا۔"

"کیوں؟ کیا کوئی بات نگاہوں میں آنے سے رہ گئی ہے؟"

"میں نے سب دیکھ لیا ہے۔ اب تو کام کرنا ہے تاکہ ہاتھوں ہاتھ نمٹ جائیں۔"

"کیا مطلب؟ کسی تیاری کے بغیر ہی ان لوگوں سے ٹکرلو گے؟" وہ بوکھلا گیا۔

"بیم گن اور گیس اسپرے موجود ہے۔ تیاری تو پہلے ہی مکمل ہے۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ جائزہ لینے کے بعد پروگرام طے کرو گے؟"

"جائزہ لے لیا۔ اسی کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ابھی نمٹ لیا جائے۔"

"سوچ لو۔ آس پاس گنجان آبادی ہے۔ اس سڑک پر ویرانی ضرور ہے مگر دونوں طرف سے گاڑیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ کہیں ہم رنگے ہاتھوں پکڑے نہ جائیں۔"

"میری خاطر آج یہ تجربہ بھی کرڈالو۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت تمہارا آدمی کہاں چھپ کر اس مکان کی نگرانی کررہا ہوگا۔ اسے بتانا ہوگا کہ ہم سے کوئی تعرض نہ کرے۔"

"نگرانی بس دن میں ہوتی ہے۔ مغرب کے بعد باہر اتنا سناٹا ہوجاتا ہے کہ خوف آنے لگتا ہے۔ میں رات کو کسی کو ادھر نہیں بھیجتا۔" اس نے مطلع کیا۔

"دس پندرہ منٹ گزارنے ہیں تاکہ میں اپنے ذہن میں کوئی خاکہ بنا سکوں۔ ہم اس سڑک پر آبادی کے اندر سے داخل ہوں گے تاکہ ہماری گاڑی کا رخ واپسی کے راستے کی طرف رہے۔ کام مکمل ہونے کے بعد ایک منٹ کے لیے بھی ہم نہیں رکیں گے۔"

"ابھی تک میں تمہاری ہر ہدایت پر لفظ بہ لفظ عمل کرتا آرہا ہوں لیکن تمہارے ارادوں سے بالکل بے خبر ہوں۔ مجھے کچھ تو بتادو کہ تم کیا کرنے جارہے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر میرے اور تمہارے درمیان کوئی غلط فہمی رہ جانے کی وجہ سے کوئی گڑبڑ ہوجائے۔"

"تم یقین کرو کہ ابھی تک میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ بس چند موٹی موٹی باتیں طے شدہ ہیں۔ اس گھر میں تین مسلح محافظوں کے علاوہ دو معذور مجرم اور ان کی بے گناہ بیویاں موجود ہیں۔ میں دروازہ کھلوا کر اندر داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ نیت یہ ہے کہ کم سے کم خوں ریزی کرکے باقی لوگوں کو بے ہوش کروں اور شنکر رائے کو اٹھا کر تمہاری گاڑی تک لے آؤں۔ وہاں سے ہم سیدھے تمہارے کیمپ آفس نکل جائیں گے۔"

"یہ کیسے ہوگا؟ وہ تمہیں اندر کیوں گھسنے دیں گے۔" اول خان اعصاب زدہ ہوا جارہا تھا۔

"دیکھنا ہوگا۔ ایک ترکیب یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہم ان کے گھر کے سامنے گاڑی بند کرکے بونٹ اٹھادیں اور میں ریڈی ایٹر کے پانی کے لیے ان کے دروازے پر گھنٹی بجاؤں۔ اگر بات بن گئی تو کوئی محافظ پانی کی بالٹی اٹھانے کے لیے اندر بلا سکتا ہے۔"

"بہت موزوں تجویز ہے لیکن فرض کرو کہ وہ پانی نہیں دیتے پھر کیا کرو گے؟"

"یہ فیصلہ اسی وقت کرنا پڑے گا۔ پہلے سے کچھ طے نہیں کیا جاسکتا۔ شاید میں سامنے آنے والے کو مار ہی ڈالوں۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

"وہ ایک سے زیادہ ہوئے تو کیا ہوگا؟ دو سروں نے شدید ردِعمل کا مظاہرہ کیا تو تمہاری پوزیشن کیا ہوگی؟ مار دھاڑ سے دہشت زدہ ہوکر عورتوں نے بڈیالی آوازوں میں چیخنا شروع کردیا تو

Downloaded From https://paksociety.com

کیا بنے گا۔"

"سوالات بے شمار ہیں۔ میں بھی ان ہی میں الجھا ہوا ہوں مگر ایک بات طے ہے کہ میرا مار دھاڑ کا کوئی ارادہ نہیں۔ بیم گن اور گیس اسپرے کے سوا میں اور کچھ استعمال نہیں کروں گا۔"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔ تم آگ میں کودنے جارہے ہو۔" اس نے متنبہ کیا۔

"اس سے پہلے کہ یہ آگ میرے دامن تک پہنچے، مجھے اس میں کودنا ہوگا۔"

اول خان نے چپ سادھ لی۔ اس کے چہرے پر تناؤ سا آگیا تھا اور اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی ساری توجہ سڑک پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ میری باتیں اسے مطمئن نہیں کر سکی تھیں۔

"بہت صاف اور دو ٹوک انداز میں ایک بات اور بتادوں۔ اگر وہاں گڑبڑ ہوجائے اور تم ایمانداری سے یہ محسوس کرو کہ میرا لوٹ کر تم تک پہنچنا ناممکن ہوگیا تو خود کو کسی خطرے میں نہ ڈالنا۔ تیزی سے واپسی کی راہ لے لینا۔ میں کسی نہ کسی طرح اپنی راہ بنالوں گا۔"

"یہ نہیں ہوگا۔ تمہارے پاس بیم گن ہے تو میری گاڑی میں بھری ہوئی گن ہے۔ دونوں ایک ساتھ ہی واپسی کا راستہ بنائیں گے یا پھر وہیں حالات کا مقابلہ کریں گے۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں ہوگا۔"

حالات قابو سے باہر ہوجانے کی صورت میں غزالہ کو کوئی یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ گلشن اقبال میں کیا ہوا تھا۔ اسے اپنے ساتھیوں سمیت ان ہی خبروں پر یقین کرنا پڑتا جو دوسرے ذرائع سے ملتیں۔ میں نے ایک مرتبہ پھر اول خان کو سمجھانے کی کوشش کی "میرا دامن ہلکا ہے۔ تم بال بچوں والے ہو۔ ضد مت کرو۔ تمہارا نکل جانا ہی بہتر رہے گا۔"

"یہ فیصلہ مجھ پر چھوڑ دو۔" اس نے سرد لہجے میں کہا "کوئی بری گھڑی آئی تو ہم دونوں اپنے اپنے فیصلے کرنے کے لیے پوری طرح آزاد ہوں گے۔"

"گاڑی واپس لے لو۔ آٹھ بج رہے ہیں۔ اگر آج ٹیلی وژن پر کوئی اچھا ڈراما آرہا ہے تو لوگ گھروں میں محصور ہوں گے اور سڑک کی ویرانی ہمارا ساتھ دے گی۔"

اول خان نے یوٹرن لینے کے بجائے گاڑی اگلی سڑک پر موڑ لی۔

میں نے آخری بار اپنی جیبوں کو ہاتھ لگا کر بیم گن اور گیس اسپرے کین کی جگہوں کا تعین کیا اور اپنی سیٹ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

چہرے کے فاضل بال
اور جھریوں و بدنما داغ دھبے خواتین کیلئے ایک عذاب سے کم نہیں۔ اب پریشانی اور فکر کی ضرورت نہیں
گلیسی یونانی کریم
کا استعمال کیجئے ہزاروں خواتین کی آزمودہ کریم
قیمت _____ 105/=

موٹاپے سے نجات
بڑھے ہوئے جسم کو صرف ایک ماہ میں ۲۰ پونڈ وزن یقینی کم کرکے جسم کو سڈول و اسمارٹ بنا کر پروقار شخصیت کا مالک بنیئے اسمارٹلین غذا کا استعمال کیجئے
اسمارٹلین غذا
قیمت _____ 275/=

مردوں میں مقبول ترین دوا
فربا اور طاقتور بننے کیلئے
کمزور جسم اور سوکھے پچکے گال کو طاقت پہنچا کر جسم کو فربا بناتا ہے چہرے پر سرخی لاتا ہے۔ جسمانی و اعصابی کمزوری دور کرکے طاقت بحال کرتا ہے
نیچرل پاور (یونانی)
قیمت _____ 150/=

اسٹاکسٹ:
خواجہ اسٹور ایمپرس مارکیٹ صدر کراچی
صدر میڈیکل اسٹور ایمپرس مارکیٹ صدر کراچی
سلیم جنرل اسٹور لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
ابراہیم حسن لیاقت مارکیٹ ملیر کراچی
بھٹی اشارہ جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ ریشم بازار حیدرآباد۔
نیو دہلی دواخانہ و کنڈیرہ روڈ سکھر
پیرزادہ میڈیکل اسٹور بیراج روڈ سکھر
حافظ میڈیکل اسٹور گنج پور روڈ لاڑکانہ
طاہر شاپنگ سینٹر ریل بازار اوکاڑہ
علی ہومیو اسٹور اچھرہ موڑ لاہور
ایس اے ہومیو اسٹور ریلوے روڈ لاہور
راحیہ برادرز تحصیل بازار سیالکوٹ
پاکستان جنرل اسٹور کچہری بازار گوجرانوالہ
عظیم ہومیو سینٹر مدینہ مارکیٹ متاندر روڈ فیصل آباد
شاہی طبی دواخانہ پیپلز بازار فیصل آباد
پنجاب جنرل اسٹور کچہری روڈ سرگودھا
شہناز جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ متاندر روڈ فیصل آباد
جرنیلی ہومیو اسٹور آر دو بازار گوجرانوالہ
علی ہومیو اسٹور سرگلر روڈ گجرات
سٹی ہومیو اسٹور اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
لطیف کیمسٹ چاندنی چوک راولپنڈی
بمبئی دواخانہ مین بازار جہلم
بیاں ہومیو اسٹور کرمانوالہ ساہیوال
المدینہ جنرل اسٹور سی ایم ایچ روڈ راولاکوٹ
ابن سینا اسٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازی خان
گنجوی دواخانہ شاہی بازار بہاولپور
محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان
حنیف القیوم جنرل اسٹور ہسپتال روڈ چکوال
بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
خالد دواخانہ مرغہ بازار ایبٹ آباد
احسن محمود میڈیکل اسٹور ریاں خیرپور روڈ بہاولپور
عوامی دواخانہ مین بازار مظفرآباد آزاد کشمیر
یو پی بنسار اسٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
وکٹر بنسار اسٹور ہری کشن روڈ کوئٹہ
انعام کیمسٹ شمسی روڈ مردان
سعید فینسی اسٹور اندرون کنگ کیٹ کوئٹہ
دلاالشفاء مینا بازار منگورہ سوات
ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور

ڈسٹری بیوٹر:۔ ریاض محمود ۶۹ تیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور ۶ بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی۔ فون:۔ ۵۰۲۹۰۳
محمد صالحین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان۔
گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی۔ پی پارسل منگوانے کے لیے
حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

گیا۔

ہم ان دونوں کی کمین گاہ سے بہت دور نہیں نکلے تھے۔ چند منٹ بعد ہم دوبارہ اسی سڑک پر تھے۔ گاڑی کی رفتار دھیمی تھی۔ سڑک دور تک صاف نظر آرہی تھی۔

دو رویہ مکانوں سے آگے ویران میدان اور سبز مکان کے درمیان اول خان نے گاڑی کنارے سے لگا کر انجن بند کردیا۔ بونٹ لیور کے کھٹکے کی آواز کے ساتھ ہم دونوں نیچے اتر آئے۔ وہاں دور تک کوئی ہمیں نہیں دیکھ رہا تھا پھر بھی ہم بونٹ اٹھا کر خاموشی سے اندر جھانکتے رہے۔

اندھیرے میں ہماری آنکھیں چار ہوئیں۔ اول خان کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی "فی امان اللہ۔" میں نپے تلے قدموں سے سبز مکان کی طرف ہولیا۔

ڈور بیل بجاتے ہوئے میرا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز کے بعد سناٹا چھا گیا۔ ایک طویل انتظار کے بعد پختہ فرش پر قدموں کی چاپ کے ساتھ کسی کی آواز گونجی "کون ہے؟"

بولنے والا اجڈ اور تند خو محسوس ہوا تھا۔ میں نے جواب دیا "بھائی پانی کی ضرورت ہے۔"

آہٹیں قریب آگئیں اور بھانک کی آہنی کھڑکی کھول دی گئی۔ خطرناک چہرے اور بڑی بڑی مونچھوں والا ایک جسیم شخص میرے سامنے آگیا۔ اس کے داہنے شانے پر کلاشن کوف لٹکی ہوئی تھی جس سے جڑا ہوا میگزین نمایاں نظر آرہا تھا۔

"گنگ..... گا..... آڑی خراب ہوگئی ہے۔" میں نے لکنت کی اداکاری کرتے ہوئے خوشامدانہ لہجے میں کہا "ایک آدھ بالٹی پانی کی ضرورت ہے....."

"گاڑی میں پیٹرول بھی ہے یا اسے صرف پانی سے چلاتے ہو۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔ اس کے چہرے اور وضع قطع کے ساتھ گفتگو سے بھی ظاہر ہورہا تھا کہ شرافت سے اس کی کوئی پرانی دشمنی تھی۔ میں نے اس کی بدتمیزی پر یوں دانت نکال دیے جیسے اس نے کوئی عمدہ مذاق کیا ہو۔

"ٹنکی میں پیٹرول بہت ہے۔" میں نے اول خان کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا "بس ریڈی ایٹر خالی ہوگیا ہے۔ پانی مل جائے تو انجن ٹھنڈا ہوجائے گا۔"

اس نے تولنے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور چند ثانیوں بعد پیچھے ہٹ کے مجھے راستہ دے دیا "جلدی سے پانی لو اور چلتے بنو۔ دوبارہ پریشان نہ کرنا۔"

میں اسی موقع کی گھات میں تھا۔ فوراً اندر گھس گیا۔ لمحوں ہی لمحوں میں میں نے دیکھ لیا کہ مختصر سے پورچ میں وہ اکیلا تھا۔ پورچ سے ایک پتلا سا پختہ راستہ عمارت اور احاطے کی دیوار کے درمیان پیچھے جارہا تھا۔ اسی راستے میں ایک جگہ نل نظر آرہا تھا جس کے نیچے بالٹی موجود تھی۔

وہ آہنی کھڑکی بند کررہا تھا کہ میں نے بیم گن نکال کر اس کی کھوپڑی کے عقبی حصے پر بہت قریب سے فائر کردیا۔ نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار اس کی کھوپڑی میں اتری اور وہ کوئی آواز پیدا کیے بغیر وہیں ڈھیر ہوگیا۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ میں نے اس کو کنپٹی کے کالر سے فرش پر گھسیٹتے ہوئے گملوں کی اونچی سی دیوار کے پیچھے ڈال دیا۔

مکان کے سامنے والے حصے کے بند دروازوں کو دیکھ کر میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ عمارت کے بجائے پختہ بغلی راہداری سے گزر کر پھاٹک تک آیا تھا۔ اس کی واپسی میں تاخیر ہونے کی صورت میں اس کے کسی ساتھی کو اس طرف سے نمودار ہونا چاہیے تھا۔

میں نے چوکنے انداز میں دائیں بائیں کا جائزہ لینے کے بعد پیروں کے بل نل کی طرف دوڑ لگادی۔ میرا ارادہ تھا کہ چند لمحوں کے لیے وہاں رک کر عمارت کے عقبی کونے تک پہنچ جاؤں گا تاکہ دھر سے آنے والے کسی بھی حریف کو آمنا سامنا ہوتے ہی بیم گن کا نشانہ بنا سکوں۔

مکان کی کھڑکیوں سے آنے والی روشنی سے بچنے کے لیے میں تقریباً دہرا ہوکر نل کی طرف جارہی رہا تھا کہ روشن کھڑکیوں کے درمیان اچانک کسی کھلتے ہوئے دروازے کا بڑھتا ہوا روشن مستطیل نمودار ہونے لگا اور میں وحشت زدہ انداز میں اپنی جگہ رک کر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ میرے پاس آگے نکلنے کا وقت تھا نہ پیچھے لوٹ جانے کی مہلت تھی۔

دروازہ کھل جانے پر پختہ راہ داری میں ایک انسانی سایہ متحرک ہوا۔ جوں ہی وہ کھلے ہوئے دروازے سے باہر آیا' میں نے آگے بڑھنا شروع کردیا۔ اگلے ہی لمحے اندر سے دوسرا مسلح محافظ باہر آچکا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے بجلی کی سی تیزی سے اپنے کندھے سے لٹکی ہوئی کلاشنکوف اتار کر میرے اوپر تان لی اور دبی دبی غراہٹ کے ساتھ پوچھا "تم کون ہو؟ یہاں کیا کررہے ہو؟ رشید کہاں ہے؟"

"تمہارے کسی ساتھی نے مجھے بالٹی میں پانی لینے کے لیے بھیجا ہے۔" میں نے مبہم سی آواز میں کہا "وہ خود آگے ہی کھڑا ہوا ہے۔"

"پانی کس کے لیے چاہیے؟ جلدی بتاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔" وہ اپنی مہلک رائفل کی نال ہلا کر اضطراری لہجے میں بولا اور اسی لمحے وہ مکان یا شاید پورا علاقہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔

"خبردار! حرکت نہ کرنا ورنہ میں گولی مار دوں گا۔" اندھیرے میں اسی کی آواز ابھری۔ اس وقت تک میں دیوار کے ساتھ لگ چکا تھا۔ کے ای ایس سی کی کارکردگی نے میرے لیے ایک سنہرا موقع فراہم کردیا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

ٹھکانے لگا کر اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے حصار میں آتا چلا گیا اور آخر کار میں نے کشمیر روڈ کے ایک مکان میں اسے اپنا قیدی بنالیا۔ اس ٹھکانے کی نشان دہی کرنے والا ساگا نامی بدمعاش ہمارا زخمی قیدی تھا۔ وہ ایک اعصاب شکن مقابلہ تھا۔ راس ایلیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ساتھی جان' ویرا کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے ویرا کو مجھ سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ویرا کی رہائی کے بدلے راس ایلیڈا کی آزادی کا طلب گار تھا۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں نے ساگا کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کرلی مگر وہ کمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بظاہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری وفاشست میں وہ بازارِ حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے ضرر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی' راس ایلیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس ایلیڈا کے زیرِ سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے بازپرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرادیا جو وہ مکمل الفاظ' نیلور ہابیسے پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں جان کا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہوچکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور طبی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وہاں میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ نیلور ہابیسے ' اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس ایلیڈا امریکیوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہوجانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چار وں آنے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ ابھی تادیر خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس ایلیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہوگا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے مقابلے میں لنگر انداز جہازکے پرواز کرنے والا ایک ہیلی کاپٹر لاپتا ہے' جس میں چار افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس ایلیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس ایلیڈا پر تشدد کر کے چپ برآمد سے تباہ کردیا۔ نیلور ہابیسے کے متعلق راس ایلیڈا نے بتایا کہ یہ ایک کوڈ نیم ہے جس کے تحت راکے دو ایجنٹ پاکستان آئے ہیں۔ ویرا نے اسے مار کر اپنا انتقام پورا کرلیا۔ اول خان نے ہیلی کاپٹر سمیت تمام انتظامات کرلیے تھے' جس کی وجہ سے ہمارا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور مخالف اپنے ہیلی کاپٹر سمیت جہنم واصل ہوگئے۔ بعد کے معاملات کمانڈر سعید نے اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اب ہمارے سامنے راکے ایجنٹوں کی تلاش تھی۔ ساگا کی محبوبہ سے پتا چلا کہ راجن اور وکرم نامی دو افراد کو ساگا نے ایک مقامی ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ اب ہوٹل کے ذمے داروں سے معلومات کرنا تھیں۔ اول خان کی بھاگ دوڑ کافی مفید ثابت ہوئی تھی مگر ہمیں صبح کا انتظار تھا۔ اگلے دن راس ایلیڈا کے جانشین آنرک بیل نے ایک فون کال کر کے ہمیں اضطراب میں مبتلا کردیا کہ ہفتے کے دن پاکستان کا ایک جیٹ طیارہ تباہ کردیا جائے گا۔ ہفتے میں ابھی کچھ دن تھے۔ پہلے راکے ایجنٹوں کی تلاش ضروری تھی کیونکہ انہوں نے یہاں اپنی موجودگی کا ثبوت دو ہم دھماکوں کی شکل میں دے دیا تھا۔ انہیں پاکستان پہنچانے والے غفور بھٹی کی مدد سے ان کے خاکے تیار کرلیے گئے تھے مگر وہ بے کار ثابت ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم نے ساگا کی محبوبہ ہادیہ سے مدد حاصل کی۔ اس کا بیان کردہ حلیہ' غفور بھٹی کی بتائی ہوئی معلومات سے قطعی مختلف تھا۔ ہم نے غفور بھٹی کو اٹھوالیا۔ اس سے ایک اسپیڈ بوٹ میں بازپرس کی گئی کہ اس نے غلط بیانی سے کیوں کام لیا تھا مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ میرا اول خان سے اپریشر پر رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ نادیہ کی مدد سے تیار کیے گئے خاکوں کو ہوٹل کے عملے نے پہچان لیا ہے مگر یہ دونوں ایجنٹ ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ غفور بھٹی کے سلسلے میں اس نے کہا کہ اس کے پیروں میں وزن باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اول خان کی تجویز سن کر وہ پہلی بار سراسیمہ ہوا۔ اس نے ساری زندگی سمندر میں گزاری تھی اور بپھرے ہوئے پانیوں میں آنے والی موت کا مفہوم اچھی طرح جانتا تھا۔ ہمارے تشدد کے نتیجے میں غفور بھٹی نے اگل دیا کہ اس نے مختلف کے کہنے پر خاکوں میں تبدیلی کی تھی۔ یہ مختلف حاجی دل مراد کا آدمی تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس نے راکے ایجنٹوں کو معاونت کے عوض پناہ دے رکھی تھی۔ غفور بھٹی کو سمندر کے حوالے کرنے کے بعد ہم نے مختلف اٹھوالیا۔ اس نے بتایا کہ حاجی دل مراد ان ایجنٹوں کو ہمارے حوالے کردے گا مگر اس وقت وہ اپنے دوست غفور بھٹی کی گمشدگی پر پریشان ہے۔ اسے دوسری راہ پر لگانے کے لیے میں نے اغوا کنندہ بن کر حاجی دل مراد کو فون کیا اور غفور بھٹی کی رہائی کے عوض ایک کوڑ کا مطالبہ کردیا جس پر اس کا سارا جوش ٹھنڈا پڑگیا۔ مختلف نے ہم سے تعاون کرتے ہوئے اپنی محبوبہ ریشم بخت کے گھر میں ان ایجنٹوں سے میری ملاقات کا انتظام کردیا تھا۔ میں مقررہ وقت پر وہاں پہنچا تو مختلف کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ شاید ان شاطر ایجنٹوں کو کچھ شک ہوگیا تھا۔ میں نے بھی سخت رویہ اپنایا۔ ایک مرحلے پر میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ راکے ایجنٹ اپنی نشستوں پر بے مجھے گھورے جارہے تھے۔ پھر کروم کے پتلے پتلے ہونٹوں پر ایک معہوم سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ وہ دونوں بہت ہوشیار بن رہے تھے مگر میرے جال میں پھنس گئے۔ میں انہیں نادرہ کے مکان پر لے آیا۔ ہماری معاونت کے عوض میں ان کی مدد کرنے پر راضی ہوگیا۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ انہوں نے مجھے خود اپنی تلاش کا کام سونپا تھا۔ ان کے ذریعے میں نے بھارتی قونصل خانے میں ملازم مدن موہن کو گھیرلیا۔ اس سے ہمیں اہم معلومات حاصل ہونے کی امید تھی۔ راکے ایجنٹ راس ایلیڈا کے بلاوے پر پاکستان آئے تھے۔ اب اس کی موت کے بعد انہیں امریکی قونصل خانے کے افسر تک موڈلے سے مزید ہدایات ملنا تھیں مگر وہ خود براہِ راست یہ ملاقات نہیں کرسکتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے درمیان رابطے کا کام انجام دوں۔ میں نے ایجی اس کام کی ہامی نہیں بھری تھی کیونکہ اس میں میرے لئے سنگین خطرات پوشیدہ تھے۔ میں نے وکرم (جس کا اصل نام بدری ناتھ تھا) کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ تک کا صورت آشنا نہیں ہے اس لیے اس سے خود رابطہ کرلے۔ اس نے میری اس تجویز کی تعریف کی مگر ساتھ ہی یہ دلیل دی کہ اس کی اور راجن (رمیش اگروال) کی آمد کی اطلاع کے ساتھ ہی تک کے پاس ان کی تصاویر مع کوائف پہنچ گئی ہوں گی۔ میں نے سب کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ اول خان نے بتایا کہ مدن موہن سے اہم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور آنرک بیل کی دھمکی کے مطابق کوئلہ اڈے کے قریب پاور ہاؤس میں دھماکے کے بعد آگ لگ گئی تھی مگر ملزم رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ بھی ڈیوڈ انارز کے ہاتھوں بلیک میلنگ کا شاخسانہ تھا۔ میری جگہ سلطان شاہ تک موڈلے سے ملا۔ اس نے ان ایجنٹوں کے لیے ٹرانسپورٹ بھجوایا تھا۔ میں نے ایف ایم مانک کے ذریعے ان کی گفتگو سنی تو اندازہ ہوا کہ کوئی اہم مشن درپیش تھا۔ بدری اور رمیش کے درمیان پہلے ہی کھچاؤ تھی' بدری کو تک کا تحکمانہ انداز بھی پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرا تعاون حاصل کر کے مجھے اپنے ساتھ امریکا لے جانا چاہتا تھا۔ یہ ڈیوڈ انارز کو تباہ کرنے کا سنہرا موقع تھا۔ رمیش کو مجھ پر شبہ تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ تک موڈلے نے بھی دو افراد کو بھیجا تھا جو ٹرانسپورٹ میں پوشیدہ ڈی ٹیکٹر کی مدد سے ہمارے ٹھکانے کی طرف آرہے تھے۔ بدری نے دونوں کو جہنم واصل کردیا۔ اس دوران میں میری اور ویرا کی لندن جانے کی تیاریاں ہوچکی تھیں۔ بدری سے وہاں رابطے کا نمبر لے کر میں لندن روانہ ہوگیا۔ جہاز میں اتفاقاً مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل کے ایک ممبر سلیم اکبر خان سے ملاقات ہوگئی۔ وہ ملک دشمن سرگرمیوں میں ملوث تھا۔ لندن میں بدری کے دیے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس نمبر پر راکے ایجنٹوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ میری دوست پراکیٹ کینتا کو بھیجا گیا۔ وہ میری طرف سے مشکوک تھی چنانچہ اس نے گھر لاکر اپنے ساتھی کی مدد سے اصلیت اگلوانا چاہی تھی۔ ویرا نے پیچھے سے پہنچ کر دونوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دوہرے قتل کی اس واردات نے سنسنی پھیلادی۔ دوسری طرف پاکستان میں سلیم اکبر خان کے فقدانِ میرے ایجاد پیل کردیے گئے تھے۔ وہ ملک واپس جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر میں نے اسے رضامند کرکے واپس بھیج دیا جہاں اول خان اس کا منتظر تھا۔ بدری کے لندن پہنچتے ہی اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی۔ رمیش اس کی راہ کی رکاوٹ تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اس کی راہ کا یہ کانٹا جلد ہی نکل جائے گا۔ پہلی واردات کے خطرات اور پریشانی کے بعد فی الحال حالات ہمارے حق میں تھے۔ ویرا نے رمیش کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔ وہ واپس لوٹی تو اول خان سے ملنے والی یہ اطلاع اس کی منتظر تھی کہ پاکستان میں سلطان شاہ کو اغوا کرلیا گیا۔ غزالہ اس لیے بچ گئی کہ وہ اول خان کے گھر تھی۔ ہم مختلف تھے کہ یہ کام آنرک بیل کا ہے۔ آنرک بیل سے براہِ راست بات ہوئی تو اس کی تصدیق ہوگئی۔ اس کی معلومات کے مطابق میں پاکستان میں ہی تھا۔ اس نے مجھے ڈیوڈ انارز کے لیے کام کرنے کی پیش کش کی۔ مقوی سلطان شاہ کو لاشوں کے ساتھ نابود

Downloaded from https://paksociety.com

میں بند کر کے امریکا پہنچانا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بد قسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی بحریہ کا سی ون تھرٹی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہو گیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے سی ون تھرٹی اغوا کرلیا ہے۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی سادگی دیکھ کر ہنسی آتی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کر کے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں اٹھوا کے ایک اسپتال میں پہنچوایا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادانستگی میں سنتیاٹ فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں ویرا ڈیوڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری تہہ سے آگاہ ہو گیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کا آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی' اطمینان سے اپنا کام کر آئی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رجنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کر دی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہو چکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ ذمے داری رجنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ گڑبڑ کا امکان غالب دیکھ کر میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوا دی تھی تاکہ وہ اسے ڈی کوڈ کرا سکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کر دیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کر لی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہو گئے۔ یہاں میں نے انٹر نیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں کنورٹ کر دیا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے اسے اس لیزر گائیڈڈ ڈیوائس سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایما پر ان پرزوں میں نصب کر چکا تھا۔ ہوٹل پہنچتے ہی بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ڈی کوڈ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ سی آئی اے' آئزک بیل' راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان' ایران اور افغانستان کے معادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنا دی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے فکری سے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور فائل ڈی کوڈ ہو گئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی فضائیہ کی ائیر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جا رہا ہے اور بک موڈلے امریکا روانہ ہو رہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایجنٹ میں سے آئزک بیل سے فائل کے تبادلے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے پیغام ہوئی کار کی ٹرنک میں سے فائر کر کے آئزک بیل کو زخمی کر دیا۔ بدری ناتھ کے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے علم میں سبز فائل کی گمشدگی آچکی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کر رہا تھا کہ لائن ڈراپ ہو گئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر نکل گئے۔ ہمارے ہوٹل چھوڑنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہو گئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کر رہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں ت ایک اخبار کی چنگھ زتی ہوئی سرخی میں میرا نام سب سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا۔ ہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ اسلم سے نے یہ بات بتائی۔ میں نے حالات کا اندازہ کر کے گیپ نامی معاہدہ ایک پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوا دیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہو گیا تھا۔ اسے کرسانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہو گئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کر دیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا تھا۔ اسے فائل گیپ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کر کے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ نجمن سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلزنامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کر لیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی مستاروں میں طاقت ور مائیکرو فون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ مائیکرو فون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے نجمن فوٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جہنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کر کے ایک ایمبولینس میں ڈال کر نجمن کے گھر پہنچے میں کامیاب ہو گئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز ایمبولینس میں ڈال کر نجمن کے گھر پہنچے میں کامیاب ہو گئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز نے اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھیوں نے فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مرکر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔ میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلاوجہ کی الزام لگا دیا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کر لیے تھے۔ اب صرف بک موڈلے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کر رہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھیجنے پن کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ تک موڈلے تھا۔ تک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین سی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے پرسٹ سٹرینڈ سے اڑان بھرلی۔ ہم طیارے میں بخیافت سوار ہو گئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ ٹیشو پیپر ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہو گئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کر کے طے کر لیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے ٹیلی افغار یشن سیل پر کام کر رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو افغار مراقسران کو گرفتار کرا لیا تھا مگر وہ اپنے اڑور سوخ کی بنا پر چھ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کر دیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے ایک سنہرا موقع مل گیا۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

تاریکی پھیلنے سے پہلے تک میں بالکل غیر مسلح نظر آرہا تھا' اسی کے ساتھ میرے خوف آمیز اور مدافعانہ رویّے نے بھی اندر سے برآمد ہونے والے مسلح شخص کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ یکایک پھیل جانے والی تاریکی میں وہ خود کو میرے مقابلے میں اتنا محفوظ تصور کر رہا تھا کہ اندھیرا ہو جانے کے بعد اس نے اپنی جگہ چھوڑنے کی ذرا بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

میں نے دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے پھرتی سے بیم گن جیب سے نکال لی تھی۔ اندھیرا ہونے پر بس چند لمحوں کے لیے میری بصارت مفلوج ہوئی پھر مجھے تاریکی میں اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

حریف کا تاریک تر ہیولا نظر آنے لگا۔ اس ہیولے کی آنکھوں کے چمکتے ہوئے دائروں کا فاصلہ مجھ سے بہت زیادہ نہیں تھا۔

وہ سب تیز ترین مشاہدے کی باتیں تھیں ورنہ ان میں وقت صرف نہیں ہوا تھا۔

"جواب دو...!" قدرے توقف کے بعد اندھیرے میں وہی غراہٹ ابھری۔

میں نے دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتے ہوئے بیم گن کی نال سیدھی کی اور ٹریگر دبا دیا۔ کسی جھٹکے یا کھٹکے کے بغیر اندھیرے میں نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی دھار بیم گن کے نوزل سے نکل کر اس کے چہرے پر پڑی۔ لمحہ بھر کے لیے اس کا ڈراؤنا چہرہ ان نیلی شعاعوں کی روشنی میں نہا گیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں خوف سے زیادہ حیرت کا عنصر نمایاں تھا۔ پھر وہ مہلک شعاعیں اس کے چہرے میں سے گزرتی چلی گئیں۔ وہ بے جان ہو کر ایک دھماکے کے ساتھ پختہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی کلاشنکوف اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پُرشور آواز کے ساتھ کہیں قریب ہی جا گری تھی۔

ان دو پُرشور مگر محدود آوازوں کے بعد وہاں پھر موت کا بھیانک سناٹا چھا گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں ابتدا سے ہی میرے سوا کوئی اور موجود نہ رہا ہو۔

میں اندھیرے میں دیوار کے ساتھ اسی طرح چپکا بیٹھا رہا۔ اول خان کے ذریعے ملنے والی اطلاعات سے ظاہر تھا کہ ان دونوں کے مارے جانے کے بعد تیسرا مسلح محافظ اندر ہی کہیں موجود تھا اور وہ کسی بھی لمحے کہیں سے نمودار ہو سکتا تھا۔ اسے مار گرانے کے بعد میرے لیے دونوں معذور دشمنوں تک پہنچنا زیادہ مشکل نہ رہتا۔ اگر ان کی عورتیں بھی اندر موجود ہوتیں تو میں آسانی سے انہیں ڈرا دھمکا کر خاموش کر سکتا تھا۔

مکان کی بغلی دیوار والا دروازہ پوری طرح کھلا ہوا تھا اور میری تمام تر توجہ اسی پر مرکوز تھی۔ میرا قیاس تھا کہ مرنے والوں کا تیسرا ساتھی اسی دروازے سے باہر نکلے گا مگر فضا میں آہنی کھٹکوں کی آواز نے مجھے چوکنا کر دیا۔ وہ آوازیں قریب کی تھیں۔ یقینی طور پر کوئی اسی مکان کا پھاٹک کھول کر اندر آ رہا تھا۔

آہنی پھاٹک بند کیے جانے کی تیز آواز کے بعد قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر میری کمین گاہ کے سرے پر روشنی کا ایک تیز اور بے چین دائرہ ناچنے لگا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' اپنی ٹارچ چمکاتا ہوا اسی راستے پر آ رہا تھا جس سے گزر کر میں وہاں تک آیا تھا۔

میرے وجود میں یک لخت سنسنی کی لہریں سرایت کر گئیں اور اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔ بظاہر امکان یہی تھا کہ نووارد مرنے والوں کا تیسرا ساتھی رہا ہو جو کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر گیا ہوا ہو اور اس وقت واپس آ رہا ہو۔ میرے پاس صرف اتنی مہلت تھی کہ میں اس کے کونے تک پہنچنے سے پہلے اس طویل گلیارے میں خود کو کہیں پوشیدہ کر لیتا۔ کونے پر پہنچ کر وہ جوں ہی اس طرف مڑتا' اسے اپنی طاقت ور ٹارچ کی روشنی میں نہ صرف اپنے ساتھی کی لاش نظر آ جاتی بلکہ وہ مجھے بھی دیکھ لیتا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں اسے بیم گن کا نشانہ نہیں بنا سکتا تھا جب کہ وہ اپنے کسی بھی آتشیں ہتھیار کی مدد سے میرا قصہ تمام کر سکتا تھا۔ احاطے کے پختہ فرش پر اس کے قدموں کی دھمک تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں دوڑ کر مکان کے عقبی سرے تک پہنچ پاتا۔ میں نے آؤ دیکھا' نہ تاؤ' اپنی جگہ چھوڑ کر تیزی سے اس دروازے میں گھس گیا جس میں سے رشید کی خبر گیری کرنے والا دوسرا محافظ برآمد ہوا تھا۔

واقعات تیزی کے ساتھ پے در پے رونما ہوتے جا رہے تھے۔ بنگلے کے اصل مکینوں کو اس وقت تک باہر کی خطرناک صورتِ حال کا ادراک نہیں ہو سکا تھا۔ میں اس راہ داری میں گھستے ہی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا تاکہ تیسرے شکار کے نمودار ہوتے ہی اس کی گردن ناپ سکوں۔

میری نظریں باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں جمی ہوئی تھیں۔ مجھے انتظار تھا کہ کونے سے اس طرف گھومے تو مجھے اس کی ٹارچ کی روشنی نظر آ سکے۔ مجھے یقین تھا کہ سکون اور خاموشی سے نمٹتا ہوا وہ خونی کھیل غیر متوقع طور پر شور شرابے میں تبدیل ہونے والا تھا۔

میں نے وہ منصوبہ بناتے ہوئے اس امکان کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا کہ میری کارروائی کے دوران میں گھر کا کوئی فرد باہر سے لوٹ آیا تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔ وہ جوں ہی ٹارچ کی روشنی میں اپنے ساتھی کی لاش دیکھتا' فوراً پیش قدمی ترک کر کے پوزیشن لے لیتا۔ اپنی آمد کے واشگاف اعلان کے لیے وہ بدحواسی کے عالم میں اندھا دھند فائرنگ بھی کر سکتا تھا۔

میری نگاہیں اندھیرے میں اور کان آہٹوں پر مرکوز تھے۔ اچانک مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے زور سے ہچکی لی ہو پھر دھپ کی آواز کے ساتھ کوئی گرا۔ آنے والے کے قدموں کی چاپ معدوم ہو گئی۔ میرے دل میں شدت سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں باہر نکل کر صورتِ حال کا جائزہ لوں لیکن میں اپنی جگہ جما رہا۔

گرنے والا کوئی بھی ہو سکتا تھا' ہچکی کی آواز میرا واہمہ

Downloaded from https://paksociety.com

ہو سکتی تھی' آنے والا محتاط انداز میں پنجوں کے بل چلنا شروع کر دیتا تو کوئی آہٹ پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ میں اسی طرح دم سادھے' آنے والے کی ٹارچ کی روشنی کا انتظار کرتا رہا۔

وہ میرے لیے قیامت کے لمحات تھے۔ وقت گویا ایک جگہ تھم کر رہ گیا تھا۔ اعصاب شکن انتظار کے بعد بھی باہر روشنی کی کوئی جھلک نظر نہیں آئی تو اچانک مجھے خیال آیا کہ میں باہر سے وقفے وقفے سے ابھرنے والی مینڈک کی آواز کو مسلسل فراموش کر رہا تھا۔ میری ساری توجہ ایک سمت میں مرکوز ہو کر رہ گئی تھی اس لیے وہ آواز مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

مختلف مہمات پر اول خان کے ساتھ رہ کر میں نے انسانوں کے حلق سے برآمد ہونے والی متعدد حیوانی آوازوں کے ذریعے خفیہ پیغام رسانی کے بارے میں خاصا کچھ سیکھا ہوا تھا۔ مینڈک کی وہ آواز اندھیرے میں اچانک ہی شروع ہوئی تھی۔ اگر وہ مینڈک کی آواز نہیں تھی تو اول خان مجھ سے میری خیریت دریافت کر رہا تھا۔ میں نے بہت احتیاط کے ساتھ دروازے سے اپنا سر باہر نکالا اور اسی طرح کی ایک آواز میں جواب دے کر پھرتی سے اپنا سر دوبارہ اندر کر لیا۔

اس مرتبہ کسی توقف کے بغیر وہی آواز دوبارہ سنائی دی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ پیغام اول خان کی طرف تھا۔ اس صوتی اشارے کا مطلب تھا کہ باہر کے حالات اس کے قابو میں تھے۔ میں بے فکر ہو کر اپنی کارروائی آگے بڑھا سکتا تھا۔

وہ سگنل ملنے کے بعد مجھے اندر کی راہ اختیار کرنی تھی مگر اس اقدام سے پہلے میں دوبارہ بغلی راستے میں اتر گیا۔ اتنی دیر تک گھور اندھیرے میں رہنے کے بعد میری نظریں تاریکی میں بھی بہت کچھ دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں۔ میں نے قریب ہی پڑی ہوئی لاش کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اپنے مقتول دشمن کی کلاشنکوف اپنی تحویل میں لے لی۔

اول خان کے صوتی اشارے میں پنہاں پیغام یہی ہو سکتا تھا کہ اس نے باہر سے لوٹنے والے تیسرے محافظ کو بے خبری میں جہنم واصل کر دیا تھا۔ فضا میں ابھرنے والی تیز ہچکی میرے وہم کی پیداوار نہیں تھی۔ اول خان نے پیچھے سے اپنے شکار کی گردن پر کراٹے کا ایسا بھرپور ہاتھ رسید کیا ہوگا کہ گردن کا منکا ٹوٹنے کی وجہ سے اس کی دلدوز چیخ محض ایک بلند آہنگ ہچکی میں سمٹ کر رہ گئی ہوگی۔

میں نے باہر کی کھلی فضا میں چند گہرے گہرے سانس لے کر واقعات کو اپنے ذہن میں یک جا کیا۔ تینوں مسلح محافظوں کی

بوقتِ داخلہ

صاحب زادی نے لڑکیوں کے ہاسٹل میں داخلے کے لیے فارم پُر کیا اور اسے میز پر چھوڑ کر کسی کام سے دوسرے کمرے میں گئی۔ باپ نے فارم اٹھا کر پڑھا۔ ایک سوال تھا "تم کس قسم کی لڑکی کی روم میٹ بننا پسند کرو گی؟"

لڑکی نے جواب میں لکھا "جو لڑکوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کی شوقین ہو۔"

اگلا سوال تھا "کیوں؟"

جواب تھا "تاکہ وہ زیادہ وقت روم سے باہر گزارے اور میں سکون سے پڑھ سکوں۔"

موت کے بعد ہمارے دونوں معذور شکار بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ اگر وہاں عورتیں بھی موجود تھیں تو وہ میری تیاریوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتی تھیں۔

میں سر جھٹک کر کھلے ہوئے دروازے سے تاریک راہداری میں داخل ہو گیا۔

کھلے ہوئے آسمان کے نیچے تاروں کی چھاؤں میں ماحول اتنا گمبھیر نہیں تھا لیکن میرے آگے مہیب تاریکی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اگر مکان میں کوئی بھی صحت مند عورت موجود تھی تو اس نے روشنی کا متبادل بندوبست کیوں نہیں کیا تھا۔

میں چوکنّے انداز میں' پنجوں کے بل دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ پھر مکان کے کسی حصے سے ایک غصیلی مردانہ آواز سنائی دی "پتا نہیں یہ تینوں کہاں مر گئے.... ساجد سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ دفعان ہونے سے پہلے یہاں ایک موم بتی ہی جلا دیتا۔"

میرے قدم اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے۔ وہ آواز راہداری کی داہنی سمت میں کہیں قریب سے ہی آئی تھی۔

اس کے جواب میں ایک ہلکی سی تلخ ہنسی سنائی دی پھر کوئی اور بولا "پیارے ولی جان! بلاوجہ اپنا خون مت جلاؤ۔ کسی کسی وقت یہ تینوں مجھے محافظ کے بجائے نگراں نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کا رویہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ہم ان کے قیدی ہوں۔ خدا ایسی معذوری کسی کو نہ دے...."

"معذوری!" آواز میں غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات موجود تھے "اگر ہمارے گھٹنے ہمیں واپس نہیں مل سکتے تو ہم چند گھٹنے توڑ ضرور سکتے ہیں۔ غضب خدا کا! سالوں

Downloaded from https://paksociety.com

نے آج اسکاچ کے بجائے دیسی وہسکی کا صرف ایک اوھا دیا ہے۔ شہر میں ایسی کون سی قیامت آگئی کہ اسکاچ تو درکنار' دیسی بھی ملنا مشکل ہوگئی؟"

"صبر کرو۔" ولی جان کے مقابلے میں شنکر رائے زیادہ سمجھ دار معلوم ہورہا تھا "ہم کسی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہوجائیں تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ ابھی ہم ان کے رحم و کرم پر ہیں۔ انہوں نے ہماری یہ باتیں سن لیں تو ہماری دشواریوں میں اضافہ ہوجائے گا۔"

"اب تو شاید ہم بیساکھیوں کے سہارے ہی چل سکیں گے۔" وہ ولی جان کی آواز تھی "لنگڑے گداگروں پر مجھے ہمیشہ ترس آجایا کرتا تھا۔ یہ پتا نہیں تھا کہ ایک روز میرا بھی یہی حشر ہوگا۔ ان تینوں کو دیکھو کیسے دندنا کر چلتے ہیں۔ دور ہی سے ان کے قدموں کی دھمک سنائی دیتی ہے۔ ہمیں گرمی اور اندھیرے میں ڈال کر وہ تینوں باہر گپیں لڑا رہے ہوں گے۔ ان کے سامنے میں اپنے دل کا غبار بھی نہیں نکال سکتا۔ جب تک ان کے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دیتی' باتیں کرتے رہو۔ ہم دونوں کا دل بہلا رہے گا۔"

"ہائے!" شنکر رائے کے حسرت زدہ سانس کی آواز آئی۔ "کیا برا وقت آگیا ہے کہ اب ہم شہر کی خوب صورت لڑکیوں کے بجائے روکھی سوکھی باتوں سے دل بہلا رہے ہیں۔"

مجھے معلوم ہوچکا تھا کہ آوارگی ان دونوں کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ شنکر کے یاد دلاتے ہی ولی جان کو بیک وقت کئی نام یاد آگئے اور ان کی گفتگو اپنے دھوں سے کچھ مہ جبینوں کی رنگین مزاجیوں کی طرف چل پڑی۔ ان کی آوازیں میری رہنمائی کررہی تھیں۔ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اس راہداری سے داہنی طرف قدرے کشادہ لابی تھی جس میں کئی دروازے موجود تھے اور سب ہی کھلے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے سے ان دونوں کی باتوں کی آواز آرہی تھی۔

وہ معذوری کی حد تک زخمی ہونے کے باوجود جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے باتیں کررہے تھے اس سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے اہلِ خانہ اس چھت کے نیچے موجود نہیں تھے۔ ان کی بیویوں کے بارے میں اول خان کا قائم کیا ہوا مفروضہ بالکل غلط تھا۔

پہلے میں نے دیوار کی اوٹ میں رہتے ہوئے ان کی آوازوں سے اندازہ لگایا اور پھر دیکھ بھی لیا کہ وہ دونوں اس کمرے میں الگ الگ مسہریوں پر دراز تھے۔ دروازوں کی تعداد سے ظاہر تھا کہ زخمی ہونے سے پہلے وہ دونوں الگ الگ کمروں میں اپنی خلوتیں سجاتے ہوں گے۔ زخمی ہونے کے بعد انہیں نظریۂ ضرورت کے تحت ایک ہی کمرے میں یکجا کردیا گیا تھا۔

وہ دونوں آنے والے خطرے سے بالکل بے خبر اپنی باتوں میں مصروف تھے کہ میں کلاشنکوف تان کر ان کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ اس بار بھی میں نے کوئی آہٹ پیدا نہیں ہونے دی تھی مگر ان کی چھٹی حس نے انہیں دروازے پر کسی کی موجودگی کا احساس دلایا۔

"کون ہے؟" دونوں کے دہانوں سے بیک وقت اضطراری آوازیں برآمد ہوئیں۔

"زبانیں بند رکھو ورنہ بھون ڈالوں گا۔" میں نے اندھیرے میں میگزین نکال کر دوبارہ لوڈ کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ میگزین لوڈ ہونے کی خوف ناک آواز نے انہیں دہشت زدہ کردیا۔

"تت... تم کون ہو؟" اس بار صرف شنکر رائے سوال کرنے کی ہمت کرسکا تھا۔

اس دوران میں' میں کلاشنکوف اپنے کندھے پر لٹکا چکا تھا اور گیس اسپرے میری جیب سے نکل کر میرے داہنے ہاتھ میں منتقل ہوچکا تھا۔ میں نے آواز سے اندازہ کرتے ہوئے تیزی سے شنکر رائے کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے چہرے پر گیس اسپرے کردی۔

شنکر نے کوئی سوال کرنے کی کوشش کی اور یوں گیس کی زیادہ مقدار اپنے پھیپھڑوں میں کھینچ کر فوراً ہی بے حس و حرکت ہوگیا۔ اسپرے کی آواز اور شنکر کی غیر فطری خاموشی نے ولی جان کو مضطرب کردیا۔ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی استفہامیہ آواز برآمد ہوئی "تم کیا کررہے ہو... کون ہو؟"

اس کے سوال کا عملی جواب دینے کے لیے میں فوراً ہی اس کے سر پر پہنچ گیا۔ میرے انگوٹھے کے ذرا سے دباؤ پر کین سے سرد گیس کی پھوار ولی جان کے چہرے پر پڑی اور وہ کچھ سوچنے یا سمجھنے سے پہلے ہی بے ہوشی کی اتھاہ دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

تین محافظوں کے ڈھیر ہونے کے بعد میں نے بہت آسانی کے ساتھ اپنے دونوں دشمنوں کو زیر کرلیا تھا۔ ستارے بدستور میرا ساتھ دے رہے تھے' ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ میں نے چند ثانیوں کے لیے غور کیا اور پھر شنکر رائے کے بستر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ زیادہ قد آور یا صحت مند نہیں تھا۔ میں نے اس کے

Downloaded from https://paksociety.com

وزن کا اندازہ لگانے کے بعد ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنے کندھے پر لاد لیا۔ مقتول محافظ کی کلاشنکوف میرے دوسرے شانے سے جھول رہی تھی۔

میں اپنے شکار سمیت لالی اور راہداری طے کر کے باہر نکلا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف ہولیا۔ کونے سے گھومتے ہی مجھے تیسرا محافظ نظر آگیا۔ وہ راستے میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس سے آگے' آہنی پھاٹک کے قریب اول خان میری واپسی کا منتظر تھا۔

اس وقت تک حالات قابو میں تھے۔ اول خان نے مہلت سے فائدہ اٹھا کر گاڑی کو پھاٹک سے تقریباً ملا لیا تھا۔ میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس نے پھاٹک اور پھر گاڑی کا عقبی دروازہ کھول دیا۔

باہر اندھیرے اور سناٹے کا راج تھا۔ اس علاقے کی وحشت ناک ویرانی کے باعث مکین اپنی چاردیواریوں میں محصور تھے۔ کسی نے اندھیرے کے اسباب جاننے کے لیے باہر نکلنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ شاید وہ لوگ بجلی کی ایسی آنکھ مچولیوں کے عادی ہو چکے تھے۔

میں نے شنکر رائے کے بے ہوش وجود کو بے رحمی سے اول خان کی گاڑی کے عقبی پائیدان پر ڈالا' کھلا ہوا آہنی پھاٹک بند کیا اور پسنجر سیٹ پر سوار ہو گیا۔ اس وقت تک اول خان چابی گھما کر انجن کو حرکت میں لا چکا تھا۔

"دوسرے کا کیا حال ہے؟" اول خان نے گاڑی چلانے سے پہلے متجسسانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ بھی اسی کی طرح دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر پڑا ہوا ہے۔" میں نے بتایا۔

"کیوں نہ لگے ہاتھوں اسے بھی اٹھا لیا جائے؟" اول خان کی آواز پُرجوش ہو گئی۔

"گاڑی چلاؤ۔" میں نے سختی سے کہا۔ اول خان نے مزید کچھ کہے بغیر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"موقع ضرور تھا لیکن دونوں کے اغوا سے تمہارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔" چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے اپنے فیصلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میرے کیمپ میں دو کیا' دس قیدیوں کو بھی پوری راز داری کے ساتھ بند رکھا جا سکتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ دونوں تمہارے قیدی تھے' پولیس کی تحویل میں آنے کے بعد ایک ساتھ ضمانت پر رہا ہوئے' پھر ایک ساتھ معذور ہوئے۔ اب وہ دونوں اغوا کیے جاتے تو پہلا شبہ تم پر ہی کیا جاتا۔ ان کے بارسوخ پشت پناہ یہ سمجھ لیتے کہ تم نے بدلہ لینے کے لیے انہیں اٹھایا ہے۔"

"وہ اب بھی یہی سوچیں گے۔ تم انہیں سوچنے سے نہیں روک سکتے۔"

"ولی جان کی موجودگی ہر ایک کو چکر میں ڈال دے گی۔ ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا کہ جب وہ بھی بے ہوش کر دیا گیا تھا اور محافظ مارے جا چکے تھے تو پھر اسے کیوں چھوڑ دیا گیا؟ یہ قضیہ ان لوگوں کے لیے ایک نیا ہی رنگ اختیار کر لے گا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تم شنکر ہی کو لائے ہو؟" اول خان نے نیا سوال کر ڈالا۔

"دونوں لنگڑے اندھیرے کمرے میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ خاموش ہوتے تو مجھے اپنا شکار پہچاننے میں کچھ دشواری ہو سکتی تھی۔ انہوں نے خود میرا کام آسان کر دیا تھا۔"

"اور تم نے یہ بھی فرض کر لیا کہ تیسرا محافظ بے ہوش نہیں ہوا' مارا گیا ہے؟"

"سر پر خون سوار ہونے کے بعد تمہیں اتنا ہوش کہاں رہ سکتا تھا کہ اس کی گردن پر ہلکا ہاتھ رکھو؟" میں نے کہا۔ "اس کی ہچکی میں موت کا کرب میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم اس علاقے کی کوچہ نوردی کرتے ہوئے اتنی آسانی سے اپنے تین حریفوں کو مار ڈالیں گے۔"

"یہ ہونا ہی تھا۔ تم ان پر ذرا بھی ترس کھاتے تو وہ تم کو گولیوں سے بھون ڈالتے۔"

"جب تک تم اندر نہیں گھسے تھے' میرا خون بالکل ٹھنڈا تھا۔ علاقے کی بجلی اڑنے کے بعد میں پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ بعد میں آنے والا بے خبری میں تمہارے سر پر پہنچ جائے گا۔"

"مجھے بھی یہی خوف تھا۔ تیسرے کا صفایا کیے بغیر میں اندر قدم بھی نہیں رکھ سکتا تھا۔"

"ان کی بیویوں کا کیا بنا؟" اول خان کو اچانک ہی مفروضہ بیویاں یاد آگئیں۔

میں بے اختیار ہنس پڑا "اچھا ہی ہوا کہ اندر کوئی عورت نہیں تھی اور میں کسی عورت کے ساتھ سختی برتنے کی کوفت سہنے سے بچ گیا۔ عورتوں کا رونا پیٹنا دشمن کی گولہ باری سے زیادہ خوف ناک ہوتا ہے۔"

"یہ نہ بھولو کہ تم ویرا سے مدتوں لڑتے رہے ہو۔" اس

Downloaded from https://paksociety.com

نے مجھے یاد دلایا۔

"اس کا شمار رلانے والیوں میں ہوا کرتا تھا۔ وہ اب بھی مردوں سے زیادہ مردانگی کا مظاہرہ کرتی ہے۔"

ویرا کے نام میں کچھ ایسا سحر تھا کہ پھر اول خان دیر تک اسی کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ وہ خاص طور پر امریکا میں اس کی کارکردگی کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہا تھا۔

باتیں ہوتی رہیں اور گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اول خان نے اپنے کیمپ آفس تک پہنچنے کے لیے بہت مختصر راستہ اختیار کیا تھا۔ اپنی شکارگاہ سے وہ سیدھا یونیورسٹی روڈ پر آیا تھا جو شہر کی ایک قدیم بستی سے گزر کر چھاؤنی کے علاقے میں پہنچا دیتی ہے۔

اسپیشل ٹاسک فورس کے افسروں اور کارندوں کے لیے اوقاتِ کار کا کبھی بھی کوئی تعین دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ کام سامنے آجانے پر ہر شخص' ہر وقت مستعد کھڑا نظر آتا تھا۔ عارضی رکاوٹ عبور کرتے ہی ہمیں ہر طرف ہلچل سی نظر آنے لگی۔ اول خان کی گاڑی پہچان کر اس کے آدمیوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ اسٹیشن فور کے اس کیمپ آفس میں کوئی سرگرمی شروع ہونے والی تھی۔

اول خان نے اپنی بیرک کے سامنے گاڑی روکی تو اس کے بلائے بغیر متعدد افراد وہاں آموجود ہوئے۔ اول خان نے سرسری انداز میں انہیں بے ہوش قیدی کو جلد از جلد ہوش میں لانے کی ہدایت کی اور میرے ساتھ اپنے دفتر کی طرف بڑھ گیا۔

اول خان کے دفتر کا تالا کھلنے میں بس چند منٹ صرف ہوئے۔ میں نے اندر پہنچتے ہی فون سنبھال لیا تاکہ غزالہ کو اپنی اس رات کی مصروفیات سے آگاہ کرسکوں۔

سلسلہ ملنے پر دوسری طرف سے ویرا کی آواز سنائی دی تو میں بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ہر وقت زیادہ سے زیادہ باخبر رہنے کے چکر میں فون کی گھنٹی کی آواز سنتے ہی چیل کی طرح اس کی طرف جھپٹتی تھی۔ اس کی موجودگی میں کال وصول کرنے کی سعادت کسی اور کو کم ہی حاصل ہوتی تھی۔

"ذرا فون غزالہ کو دے دو۔ اس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"وہ مصروف ہے۔ تم ضروری بات مجھ سے بھی کرسکتے ہو۔" ویرا نے اصرار کیا "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"میں جہاں بھی ہوں' خوش ہوں اور اس وقت صرف غزالہ سے بات کرنی چاہتا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہاری بیوی ہے۔ اس سے بات کرنے کے لیے تمہاری خواب گاہ زیادہ بہتر جگہ ہے۔ اس وقت جو کچھ بتانا ہے' مجھے بتادو۔"

"اگر وہ اتنی ہی مصروف ہے تو میں تھوڑی دیر بعد دوبارہ فون کرلوں گا۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"دوبارہ کیا' تم دس بار بھی فون کرو گے تو میری ہی آواز سنو گے۔ گھر واپس لوٹنے کے بجائے تم اب تک کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟"

"کسی کو بھٹکانے کے لیے تمہاری شیطانی موجودگی ناگزیر ہوتی ہے۔ اسے یہ بتا دینا کہ مجھے واپس لوٹنے میں دیر ہوسکتی ہے۔" میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

"یعنی تم نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟" اس کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"شکار آسانی سے ہاتھ آجائے تو ایسے فیصلے کرنے ہی پڑجاتے ہیں۔" میں نے اپنا خون سلگانے کے بجائے اسے چڑانے کے لیے گول مول الفاظ میں اشارہ دیا۔

"اگر تم نے شنکر رائے پر ہاتھ ڈال دیا ہے تو کھل کر بتاؤ' شاید تمہیں یاد نہیں رہا کہ ہمارے فون پر سی ایس ڈی موجود ہے۔ تم بے خوف ہو کر بات کرسکتے ہو۔"

"اب تم اندازے لگاتی رہو۔ واپسی پر بات ہوگی۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

اول خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی۔ فون بند ہونے پر وہ نرمی سے بولا "یہ ایسی بات تو نہیں تھی کہ تم غزالہ سے بات کرنے پر اصرار کرتے۔ ویرا ہر بات دوسروں کو بتا دیتی ہے۔"

"کبھی کبھی وہ اس طرح خدائی فوج دار بننے لگتی ہے کہ اس کی آواز تک بری لگنے لگتی ہے۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

"اسے ہر وقت آسانی سے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔"

"یہی شکایات سلطان شاہ کرتا ہے تو تم اسے نصیحتیں کرنے بیٹھ جاتے ہو۔"

"اس پر لعنت بھیجو اور عمدہ چائے کا بندوبست کرو۔ شنکر کو ہوش میں آنے میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔"

"مجھے حیرت ہے کہ امریکا جیسے ملک میں ایسے دہرے معیار رائج ہیں۔" اپنے آدمی کو چائے لانے کی ہدایت کرکے اول خان نے کہا "ایک طرف ڈاکٹری نسخے کے بغیر کوئی دوا خریدنی ممکن نہیں ہے اور دوسری طرف عام سہولتوں کے نام پر ایسی خطرناک گیس کے ڈبے کھلے بندوں بیچے جاتے ہیں۔"

"یہ گیس کھلاڑیوں کو کھیل کے دوران میں آنے والی

Downloaded from https://paksociety.com

چوٹوں کو سُن کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ پھٹی ہوئی جلد اور کھلے ہوئے زخم پر اس کا استعمال منع ہے۔ جس دن امریکیوں کو یہ پتا چل گیا کہ جارج شلز کو یہی ڈپا سنگھایا گیا تھا' وہ اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"اس کی زیادہ مقدار مہلک بھی ثابت ہو سکتی ہے؟" اول خان نے استفسار کیا۔

"یقیناً... اسی لیے یہ دشمنوں ر استعمال کی گئی ہے۔ محفوظ ہونی تو میں کسی وقت ویرا پر بھی اس کا تجربہ کر سکتا تھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

شنکر رائے کی بے ہوشی گہری اور طویل ثابت ہو سکتی تھی مگر اول خان کے آدمی اس کا توڑ جانتے تھے۔ ہماری چائے کی پیالیاں خالی ہونے تک اس کے ہوش میں آنے کی خبر مل گئی اور میں اول خان کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں شنکر رائے بستر پر پڑا ہوا تھا۔

وہ بری طرح خوف زدہ تھا۔ اس کے گھٹنے کے زخم کو اغوا اور منتقلی کی کارروائیوں کے دوران میں شدید نقصان پہنچا تھا جس کے نتیجے میں زخم کی پوری ڈریسنگ تازہ خون میں بھیگی ہوئی نظر آ رہی تھی مگر وہ موت کے خوف سے اپنے زخم کی تکلیف کو کسی حد تک بھولا ہوا تھا۔

"تت... تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" ہمیں دیکھتے ہی وہ خوف زدہ اور نیم ہذیانی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔

میں نے فوری طور پر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی سرد نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔ میں اس سے باز پرس کے لیے کوئی مؤثر اور موزوں ترین ابتدائی سوال سوچ رہا تھا۔

میری چبھتی ہوئی بے رحمانہ نگاہوں نے اسے بے چین کر دیا۔ چند ثانیوں کے سکوت پر ہی وہ بری طرح ہلبلا اٹھا "تم بولتے کیوں نہیں... یہاں سب گونگے کیوں بنے ہوئے ہیں؟"

پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اول خان کو خاموش رہنا تھا۔ قیدی سے باز پرس کی ذمے داری صرف مجھے پوری کرنی تھی۔ میں نے پنے تلے انداز میں پوچھا۔ "تمہارے دماغ میں بغاوت کے جراثیم کیوں پرورش پا رہے تھے؟"

"بغاوت...؟ یہ تم کیسی بات کر رہے ہو؟ میں نے کسی سے بغاوت نہیں کی... آخر تم یہ کیوں نہیں بتاتے کہ تم کون ہو... مجھ سے تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"میرے سوال کے بعد تمہیں ہر بات سمجھ لینی چاہیے۔ تین بے جگر اور مسلح آدمیوں کی موجودگی میں باہر کا کوئی آدمی تمہارے گھر میں پر بھی نہیں مار سکتا تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

میری وہ بات ذو معنی تھی۔ اس نے میرے فقروں سے وہی نتیجہ اخذ کیا جو میں چاہتا تھا۔ دہشت سے اس کے سفید دیدے پھیل گئے اور وہ اضطراری انداز میں اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا "میں نے کسی سے بغاوت نہیں کی۔ تم سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ ولی جان سے تم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔"

"ولی جان بھی دوسرے کمرے میں موجود ہے۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے کہ اس نے اپنی کھال بچانے کے لیے کئی باتوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس کے دماغ میں سارا زہر تم نے ہی گھولا تھا۔"

"وہ جھوٹا ہے۔" شنکر رائے بے ساختہ بول پڑا "میرے ساتھ اسے بھی اپنے مستقبل کا خوف تھا۔ زندگی بھر کے لیے معذور ہونے کے بعد ہمیں آگے اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔"

"گول مول باتیں کرنے کے بجائے صاف اور دو ٹوک انداز میں سب کچھ بتاتے چلے جاؤ گے تو ولی جان کی طرح تمہارے بارے میں بھی ہمدردی سے سوچا جا سکے گا ورنہ تمہارے مستقبل کا فیصلہ اسی کمرے کی بند دیواروں میں صادر کر دیا جائے گا۔"

"تم... تم دونوں اجنبی ہو۔" قدرے توقف کے بعد وہ بولا تو اس کی آواز تھکی ہوئی تھی "کوئی شناسا چہرہ ساتھ لے آؤ تو میں تم سے کھل کر بات کر سکوں گا۔ تم مجھ سے زبردستی کچھ نہیں اگلوا سکتے۔"

شنکر رائے کی وہ شرط معقول اور چونکا دینے والی تھی۔ اپنی تمام تر ظاہری بدحواسی کے باوجود اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ اندیشہ رینگ رہا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی کے ہاتھ پڑ گیا ہے۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کا داہنا پنجہ پکڑ کر زور سے اس کے پیر کو جنبش دی اور اس کے حلق سے دردناک چیخیں نکل گئیں۔ میں نے حقارت سے اس کا پنجہ چھوڑ دیا "اس زخمی گھٹنے کی تکلیف تم بھگت رہے ہو۔ جب میں تمہارے جسم پر استرے سے لکیریں ڈال کر ان پر مرچیں چھڑکوں گا تو تم گھٹنے کی اذیت کو بھول جاؤ گے۔ اس قدر کمزور پوزیشن میں ہو کر شرطیں پیش مت کرو۔ ہمیں ہر حال میں وہی کچھ کرنا ہے جس

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے ہمیں اوپر سے حکم ملا ہے۔ تمہاری خاموشی کو جرم کا اعتراف سمجھا جائے گا۔"

"ہو سکے تو تم مجھے تھوڑی دیر کے لیے کھٹومل سے ملوا دو۔" وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دھیرے سے بولا "میں اس سے اپنے معاملات خود صاف کرلوں گا۔ تم درمیان سے نکل جاؤ' وہ میری بات سمجھ لے گا۔"

کھٹومل... میرے ذہن میں اس نام کی بازگشت گونجی لیکن مجھے کچھ یاد نہیں آسکا۔ وہ نام میرے لیے نیا تھا۔ مجھے متذبذب دیکھ کر اول خان نے میرے پہلو میں اپنی کہنی سے ٹھوکا دیا اور شنکر رائے سے بولا "کھٹومل راجوانی کوئی ٹٹ پونجیا نہیں ہے جو تم اس کا نام ایسی بے تکلفی سے لے رہے ہو۔ تمہیں ہم کو جواب دہی کرنی ہے۔ زبان نہیں کھولو گے تو ہم تمہیں ادھیڑ کر رکھ دیں گے۔"

"تم لوگ فراڈ ہو۔" وہ باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولا پھر اس کی نظریں اول خان کے چہرے پر جم گئیں۔ "مجھ سے بہت بڑی چوک ہوئی ہے۔ مجھے پہلی بار اٹھایا گیا تو میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی مگر میں تمہاری ظالمانہ آواز کو نہیں بھول سکتا۔ تم ہی میرے اصل دشمن ہو۔ پولیس کے ذریعے میری رہائی کا انتقام لینے کے لیے پہلے تم نے مجھے معذور کرایا۔ اس پر بھی صبر نہیں آیا تو آج دوبارہ اٹھالائے... میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ میں نے کھٹومل کا نام لے کر سنگین غلطی کی ہے مگر تم یاد رکھو کہ وہ بہت طاقت ور.... آدمی ہے۔ تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکو گے۔"

ایک غلطی کا اعتراف شنکر کر رہا تھا' دوسری غلطی اول خان نے زبان کھول کر کی تھی لیکن حساب برابر نہیں ہوا تھا۔ شنکر رائے کا جواب اشتعال انگیز تھا۔ اول خان نے بڑھ کر اسے گریبان سے تھاما اور ایک ہی ہاتھ سے اسے بستر سے کافی اوپر اٹھا کر داہنے ہاتھ سے اس کے جبڑے پر ایک زوردار مکا رسید کرکے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔ شنکر کے دہانے سے ایک تیز چیخ برآمد ہوئی۔ اول خان کی ایک ہی ضرب نے اس کا جبڑا ادھیڑ ڈالا تھا۔

"اس بار کھٹومل یا تمہارے کسی اور ہمدرد کو ہوا بھی نہیں لگ سکے گی کہ تم کہاں ہو۔" میں نے دھمکی دی "تم سیدھی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔"

"تم مجھے مارلو گے مگر پھر بھی کچھ حاصل نہیں کرسکو گے۔" وہ اپنا جبڑا سہلاتے ہوئے حقارت سے بولا "ہمارے ہاتھ بہت لمبے اور جڑیں گہری ہیں۔ تم ایک شنکر مارو گے تو دس ولی جان اس کی جگہ لے لیں گے۔ تم کس کس کا خون بہاتے پھرو گے؟"

مدن موہن' شنکر رائے اور کھٹومل راجوانی کی تکون میں پھنسا ہوا ولی جان کا نام واقعی خیال انگیز تھا۔ وہ بظاہر کوئی بھارتی سازش معلوم ہو رہی تھی جسے سماجی اور سرکاری سطح پر پروان چڑھایا جا رہا تھا۔ اس میں ولی جان جیسے ذمے دار افسر کا ملوث ہونا اس امر کی نشان دہی کر رہا تھا کہ ان لوگوں نے اپنے کام کو بہت عرق ریزی سے دور تک پھیلایا ہوا تھا۔

ان لوگوں نے کافی دنوں پہلے ملا سرکار کے ذریعے بھی ایک بھیانک سازش تیار کی تھی جس میں مسلح جتھوں کو تربیت دے کر بغاوت پر اکسانے کی آخری تیاریاں کی گئی تھیں مگر عین وقت پر ایس ٹی ایف کے تعاون سے ان طاقتوں کو کچل دیا گیا تھا۔ شاید اس بار پھر وہی کھیل دہرایا جا رہا تھا۔

مدن موہن کے این آئی سی سے شروع ہونے والی اس کہانی میں اول خان اپنی پوری کوشش کے باوجود چند اہم افراد کی گرفتاریوں سے آگے کوئی پیش رفت نہیں کرسکا تھا۔ اس کے سامنے صرف وہی نام تھے جو ان گرفتاریوں کی بنیاد بنے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے قیدیوں کی زبان سے کچھ اگلوا تا' اسے پورا کیس پولیس کے حوالے کرنا پڑ گیا اور معاملہ ٹھپ ہو گیا۔

اس مرتبہ شنکر نے کھٹومل راجوانی کا نام اگلا تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی اہم آدمی تھا جب ہی اول خان اس نام سے واقف تھا۔ شنکر کے سامنے یہ بات کھل چکی تھی کہ ہمارا تعلق اس کے آقاؤں سے نہیں تھا۔ اول خان کی آواز پہچان کر اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے پرانے دشمنوں کے چنگل میں آپھنسا تھا۔ میں نے ہیر پھیر چھوڑ کر اس بارے میں کھلی کارروائی کا فیصلہ کرلیا۔

"اس سے پہلے کہ حجام کے استرے سے شنکر کا جسم ادھیڑا جائے' میں جاننا چاہوں گا کہ کھٹومل راجوانی کون ہے۔ میرے لیے یہ نیا نام ہے۔" میں نے اول خان سے کہا۔

"یہ اقلیتوں کی سیاست کا ایک بڑا نام ہے۔" اول خان نے بتایا "خود سفارتوں اور وزارتوں سے دور رہتا ہے مگر اس کے نامزد کیے ہوئے لوگ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ بظاہر اسے اپنی وسیع زمینوں سے خطیر زرعی آمدنی ہوتی ہے مگر پھر بھی اس کا شاہانہ ٹھاٹ باٹ وسائل سے میل نہیں کھاتا۔"

"یوں کہو کہ وہ بادشاہ نہیں' بادشاہ گر ہے۔" میں نے شنکر کے چہرے پر نظر گاڑ کر کہا "اور شنکر اسی کا پرانا نمک خوار ہے۔ تنخواہ ہماری سرکار سے لیتا ہے مگر کام کھٹومل کے

Downloaded from https://paksociety.com

لیے کرتا ہے۔"

"یہ الزام تراشی ہے۔" شنکر نے احتجاج کیا "کھٹومل سے میرا صرف اتنا تعلق ہے کہ وہ یہاں ہمارے حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ میں اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پر اس سے فریاد کرنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے میرے مذہب کی بنا پر ظلم اور بربریت کا نشانہ بنا رہے ہو۔"

"مذہب!" میں نے دانت پیس کر کہا "تم اس کی آڑ لے کر بچ نہیں سکتے۔ یاد رکھو کہ یہاں تمہاری ڈرامے بازی کو دیکھنے اور سننے والا کوئی تیسرا فرد موجود نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے' اس کا دارومدار صرف ہم دونوں کے فیصلے پر ہوگا۔"

"میری بات لکھ لو کہ بہت جلد تمہاری نوکریاں جاتی رہیں گی۔ تمہاری حرکتوں کی خبر ملتے ہی کھٹومل پوری حکومت کو ہلا کر رکھ دے گا۔ میں ویسے بھی محکمۂ داخلہ کا ایک ذمے دار افسر ہوں۔"

"محکمۂ داخلہ کا ذمے دار افسر' مدن موہن کے نیچرل انفارمیشن سیل میں اپنی کیا ایسی کی تیسی کراتا تھا۔" اول خان نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کر کے درشتی سے سوال کیا۔

"میں ایسے کسی سیل سے واقف نہیں ہوں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا "تم مجھے زبردستی کسی ناپاک سازش میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"یہ شرافت سے راہ راست پر آنے والوں میں سے نہیں ہے۔" میں نے غصیلی آواز میں کہا "اس پر تھرڈ ڈگری آزمائے بغیر ہی اس کی زبان کھلوا سکیں گے۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" اول خان یہ کہہ کر کھلے ہوئے دروازے کی طرف پلٹ گیا۔

میں سیدھا اول خان کے دفتر کی طرف چل دیا۔ وہ اپنے آدمیوں کو شنکر کے بارے میں نئی ہدایات دینے کے لیے بیرک کے برآمدے میں رک گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایس ٹی ایف والے جب تھرڈ ڈگری کی بات کرتے ہیں تو وہ واقعی تھرڈ ڈگری ہی ہوتی ہے جو بڑے بڑے سورماؤں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔

اول خان اپنے کام سے فارغ ہو کر آیا تو میں نے اس بارے میں کوئی سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اس سے کھٹومل کے بارے میں جاننے کا خواہش مند تھا۔

میرا پہلا سوال سنتے ہی وہ افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "کاش اس کا نام تمہارے لیے اتنا اجنبی نہ ہوتا اور مجھے زبان نہ کھولنی پڑتی۔ وہ تمہاری چال میں آگر روانی میں بہت کچھ بتاتا چلا جاتا۔ میری آواز پہچانتے ہی وہ بھڑک گیا۔ اس امکان کو میں بالکل ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔"

"تم نے بروقت زبان کھولی تھی۔" میں نے اس کے احساسِ ندامت کو ہلکا کرنے کے لیے اس کی بات کاٹ کر نرمی سے کہا "کھٹومل سے لاعلمی کی بنا پر میں شنکر کو زیادہ دیر تک چکر نہیں دے سکتا تھا۔"

"تمام بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرح کھٹومل بھی اپنی زمینوں سے غیر حاضر رہتا ہے۔ جاگیر کے معاملات اس کے ملازم سنبھالتے ہیں۔ وہ اپنا زیادہ وقت بڑے شہروں میں گزارتا ہے۔"

"یہاں اس کی مصروفیات کیا رہتی ہیں؟" میں نے سگریٹ سلگا کر پوچھا۔

"کبھی اس کی باقاعدہ نگرانی نہیں کی گئی لیکن سنا گیا ہے کہ سیاست دانوں کے ساتھ ہی وہ نامی گرامی بدمعاشوں سے بھی گہرا میل جول رکھتا ہے۔ کئی سفارت کاروں سے اس کے قریبی مراسم ہیں۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی کام کے آدمیوں کو مدن موہن کے این آئی سی کی طرف ہانکتا رہا ہو۔ بھارتی ایجنٹ ہمیشہ یہاں کام کے آدمیوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔"

"میرے پاس اس بارے میں کوئی مصدقہ اطلاع نہیں ہے۔" اول خان نے اعتراف کیا۔

"کیا اس کی سرگرمیاں ایس ٹی ایف کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کافی نہیں تھیں؟"

اول خان نے اپنے سر کو پُرزور انداز میں نفی میں جنبش دی اور کہا "ایس ٹی ایف صرف قومی سلامتی کے خطرناک دشمنوں کا تعاقب کرتی ہے۔ مذہب اور عقیدے کی بنا پر کسی کو مشتبہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ رہ گئی اس کے ہمہ جہتی مراسم کی بات تو یہ ہمارے یہاں کی ریت بن چکی ہے۔ بہت سے سیاست دانوں نے اپنے حاشیہ برداروں میں خطرناک غنڈے پالے ہوئے ہیں اور کوئی ان سے باز پرس نہیں کرتا۔ وہ عزت و احترام کے ساتھ غیر ملکی سفارتی تقریبات میں مدعو کیے جاتے ہیں۔"

"پھر کھٹومل کا نام تمہاری یادداشت کے خانے میں کیوں محفوظ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ملک کی ممتاز اور نمایاں شخصیات کے بارے میں ہمیں کچھ نہ کچھ یاد رکھنا ہی پڑتا ہے۔ شنکر کی زبان سے اس کا نام سننے تک مجھے اس پر کوئی شبہ نہیں تھا۔"

معاً فضا میں کرب میں ڈوبی ہوئی ایک انسانی چیخ گونجی پھر پے در پے کئی چیخیں سنائی دیں جن کا سلسلہ یک لخت موقوف

Downloaded from https://paksociety.com

ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے چیخنے والے کا منہ زبردستی بند کرکے اسے خاموش ہوجانے پر مجبور کردیا ہو۔

"یہ ہوتا رہے گا۔ شنکر کی آزمائش شروع ہوچکی ہے۔ تم اپنی باتیں جاری رکھو۔" میرے چونکنے پر اول خان نے بے پروائی سے ان چیخوں کے بارے میں تبصرہ کیا۔

"یہ کھٹول اپنا بیشتر وقت کس شہر میں گزارتا ہے؟" وہ نام میرے ذہن میں چبھے جارہا تھا۔

"کراچی کے بعد اسلام آباد اور پشاور اس کے پسندیدہ شہر ہیں۔" اول خان نے جواب دیا۔

"پشاور میں یہ ہندو بنیا کیا کرنے جاتا ہے؟" میں نے پہلو بدل کر اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

"فکر مت کرو۔ چند روز میں تمہیں یہ ساری تفصیل مل جائے گی۔ اس کا نام میری لسٹ پر آگیا ہے تو میرے آدمی اس کا پورا شجرہ کھود نکالیں گے۔"

"تم نے اس کے پسندیدہ شہروں میں پشاور کا نام گنا کر میرے لیے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ پشاور میں ایک ہندو بنیے کے لیے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟"

"کیا تم اس پر ڈرگز کے لین دین میں ملوث ہونے کا شبہ کررہے ہو؟"

"یہ اندھیرے میں چھوڑا ہوا ایک بے جواز تیر ہے جو نشانے پر بھی لگ سکتا ہے۔"

"تمہاری بات بالکل ہی بے جواز نہیں ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پاکستان اور افغانستان کے سرحدی قبائل میں پوست کی کاشت پورے زور شور سے جاری ہے۔ اس افیم کی بھاری مقدار ہیروئن کی تیاری کے لیے استعمال کی جارہی ہے جس کی زبردست عالمی منڈی موجود ہے۔ یہاں سے شی اور مافیا کے قدم اکھڑے جانے کے بعد یہ ہلٹی بلین بزنس مقامی طالع آزماؤں کے ہاتھ آگیا ہے۔ خفیہ اعداد و شمار کے مطابق ماضی قریب میں پاکستان میں بڑی تعداد میں بہت تیزی سے ایسے ارب پتی ابھرے ہیں جو حکومت کو ٹیکس کی مد میں ایک پیسہ بھی نہیں دیتے۔ ان سب کا ماضی بالکل بے نام و نشان ہے۔ یہ باور کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ہیروئن کے ہیر پھیر میں بے اندازہ مال کمایا ہے لیکن سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔"

"اس کالے دھن میں سے سرکاری حصہ وصول کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟ ان کی سرگرمیاں اسی قدر واضح ہیں تو کسی مصلحت کو ٹیکسوں کی وصولی میں آڑے نہیں آنا چاہیے۔"

"سیاسی جماعتوں اور شخصیات کو چوری چھپے دیے جانے والے بھاری چندے ان کو تحفظ کی چھتری فراہم کرتے ہیں۔ جو حکمران ان سے باز پرس کرے گا' یہ اس کا کچا چٹھا اخباروں کو دے دیں گے۔"

"تم بہت خطرناک صورت حال کی نشان دہی کررہے ہو۔ خدا کرے کہ تمہارے اندیشے غلط ہوں۔"

"یہ میرے اندیشے نہیں' خفیہ اعداد و شمار ہیں۔" وہ تلخی سے بولا "تم اخباروں میں آئے دن بڑے مگرمچھوں کا ذکر پڑھتے ہوگے۔ ان کی گرفتاری کے لیے سرکاری اجازت کی دہائی دی جاتی ہے۔ اجازت کی دہائی دینے والے اہل کاروں سے کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ تعزیراتِ پاکستان کے تحت کارروائی کیوں نہیں کی جاتی۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ ایسا شوشہ چھوڑ کر دھمکیاں دی جاتی ہیں اور پانچ بس کروڑ کا چندہ یا بھتا ملتے ہی اجازت کے طلب گار گہری نیند سوجاتے ہیں۔ اگلی کوئی مالی ضرورت اکٹھے تک وہ گہری نیند سوتے رہتے ہیں۔ لوگوں کا حافظہ کمزور ہوتا ہے۔ وہ اس دوران میں سب کچھ بھول بھال جاتے ہیں۔"

"ملزموں کی گرفتاری کی اجازت لینے والی باتیں کبھی بھی میرے حلق سے نہیں اتر سکیں۔" میں نے پوری ایمان داری سے کہا "تمہاری باتیں دل کو لگنے والی ہیں۔"

"تم غلط موضوع میں الجھ گئے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم غیر سیاسی لوگ ہیں۔ ہمیں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ پشاور میں کھٹول کی مصروفیات پر سے پردہ اٹھنے کے بعد کچھ بھی سامنے آسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھو کر اضافی مالی وسائل حاصل کررہا ہو۔"

"دیکھنا پڑے گا کہ کھٹول' شنکر سے کیا کام لے رہا تھا۔" میں نے پُرخیال لہجے میں کہا "ان دونوں کے درمیان گہرے تعلق کی غمازی اسی ایک بات سے ہوتی ہے کہ کھٹول نے اسے نہ صرف ضمانت پر رہا کرایا بلکہ اس کے زخمی ہوجانے کے بعد اس کی حفاظت پر تین گارڈ بھی مامور کیے ہوئے تھے۔"

"کچھ باتیں تو ذرا سی دیر میں ہی سامنے آجائیں گی۔ وہ ہماری تھرڈ ڈگری کو زیادہ دیر نہیں سہہ سکے گا۔ یہ ہم ان ہی پاپیوں پر آزماتے ہیں جن کے کالے کرتوت ہر شک و شبے سے بالاتر ہوں۔"

اول خان کی وہ خود اعتمادی بے جا نہیں تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک آدمی نے اس کے دفتر میں آکر اطلاع دی کہ ملزم نے زبان کھولنے پر آمادگی ظاہر کردی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

چند منٹ بعد ہم دونوں قیدی کے کمرے میں پہنچے تو وہ عبرت کا مرقع بنا چھت کی ایک کڑی سے الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اسے لٹکانے کے لیے اسی پیر میں رسی باندھی گئی تھی جس کا گھٹنا سلطان شاہ اڑا چکا تھا۔ شنکر کا دوسرا پیر آزاد تھا۔ اس طرح اس کے بدن کا سارا زور اس کے زخمی گھٹنے پر مرکوز ہو کر رہ گیا تھا۔

شنکر کا سر زمین سے بہ مشکل تین فٹ بلند تھا۔ اس کے سر کے نیچے رکھا ہوا برقی ہیٹر گو اس وقت بند تھا مگر کمرے کی فضا میں رچی ہوئی حرارت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ہیٹر کی مدد سے شنکر کی کھوپڑی کو بہت اچھی طرح سینکا گیا تھا۔

اس کے منہ پر مضبوط پٹی بندھی ہوئی تھی' دونوں آزاد ہاتھ بے جان ہو کر یوں جھول رہے تھے کہ اس کی انگلیاں برقی چولھے سے بس چند انچ دور تھیں۔ تشدد کے نتیجے میں اس کے اعصاب اس بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے تھے کہ اس کی آزاد ٹانگ بھی غیر فطری انداز میں لٹکی ہوئی تھی۔ بس اس کی آنکھوں کے ڈھیلوں کی حرکت سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی کی لڑی برقرار تھی ورنہ اس کا وجود چھت سے لٹکی ہوئی لاش کا سماں پیش کر رہا تھا۔

"اس کا دہانہ آزاد کردو۔" اول خان نے وہاں پہنچتے ہی اپنے آدمی کو حکم دیا۔

ہدایت کی فوری تعمیل کی گئی۔ دہانہ آزاد ہوتے ہی وہ جگالی کرنے کے انداز میں یوں جلدی جلدی منہ چلانے لگا جیسے کچھ بولنے کے لیے اپنے جامد عضلات کو رواں کر رہا ہو۔

"مجھے اس الٹی سولی سے اتار دو' تم جو پوچھو گے' میں بتادوں گا۔" اس نے ہانپتے اور کراہتے ہوئے نڈھال آواز میں التجا کی "میرے لیے یہ جہنم ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔"

اول خان کے اشارے پر اس کے ایک آدمی نے دھیرے دھیرے اسے نیچے اتارنا شروع کردیا۔ اس عمل میں بوجھ سہارنے والے زخمی گھٹنے کے زاویے بدلنے کی وجہ سے شنکر کی پے در پے کئی چیخیں نکل گئیں۔ وہ زمین پر ڈالا گیا تو پسینوں میں بری طرح شرابور ہو رہا تھا اور اس کا سینہ لوہار کی دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

"ہم تم پر ساری رات برباد کرسکتے ہیں۔" چند ثانیوں کے انتظار کے بعد میں نے درشت لہجے میں کہا "اگر تم نے خود پر قابو نہ پایا تو ہم تمہیں اسی طرح لٹکا کر چلے جائیں گے اور تم سسک سسک کر دم توڑ دو گے۔"

"تمہیں جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔ میں جواب دوں گا۔" وہ اذیت سے فرش پر بل کھاتے ہوئے کراہا "تم لوگ بہت سفاک اور سنگ دل ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کسی پر ترس کھانا نہیں جانتے۔"

"کھٹمل کے لیے تم کیا کام کرتے رہے ہو؟" میں نے اس سے پہلا سوال کر ڈالا۔

"میں اس کا احسان مند ہوں۔ وہ میری سرکاری تنخواہ سے دگنی رقم ہر مہینے مجھے دیتا ہے۔ اس کے عوض میں اس کے لیے ہر کام کرتا ہوں مگر اس نے آج تک مجھ سے کوئی غیر قانونی کام نہیں لیا۔ تم بلاوجہ مجھے اپنے جبر اور تشدد کا نشانہ بنا رہے ہو۔"

"اگر وہ کوئی غیر قانونی کام نہیں لیتا تو تمہیں رقم کیوں دیتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ ہم جیسے متوسط طبقے کے لوگوں کو خوش حال اور بے فکر دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ میری ہی نہیں' مجھ جیسے بہت سے سفید پوشوں کی کفالت کرتا ہے۔ تم کس کس کو پکڑ کر مارو گے۔"

"مدن موہن کے پاس اسی نے تم کو بھیجا تھا؟" میں نے سوالات کا رخ بدل دیا۔

"نہیں' اس نے بس تعارف کرایا تھا۔ مدن نے ایک پارٹی میں شرکت کی دعوت دی اور میں وہاں چلا گیا۔ وہاں ہونے والا ہلا گلا اتنا دل فریب اور رنگین تھا کہ پھر میں باقاعدگی سے وہاں جانے لگا۔ وہ ملنے جلنے' پینے پلانے اور دل بہلانے والی پارٹیاں ہوتی تھیں۔ وہاں بھی کوئی غلط کام نہیں ہوتا تھا۔"

"غلط کام!" میں نے ہونٹ بھینچ کر کہا "اسے تم جیسے لوگ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ نشے میں دھت ہو کر تم جیسے افسر وہاں اپنا کھایا پیا تک اگل آتے تھے۔ اس سے بڑا غلط کام اور کیا ہوگا۔"

"مدن نے مجھ سے کبھی میرے کام کے بارے میں ایک لفظ تک نہیں پوچھا۔ مجھے اس چکر میں بالکل بے گناہ پکڑا گیا تھا۔ تم لوگ بلاوجہ میرے خون کے پیاسے ہو رہے ہو۔"

"بکواس بند کرو۔" اول خان اس پر برس پڑا "اس کی تحویل سے تمہارے محکمے کی خفیہ رپورٹوں کی کئی نقلیں برآمد ہوئی تھیں جو تمہارے سوا کوئی اور اسے نہیں دے سکتا تھا۔"

"میرے لیے وہ بے ضرر کاغذ تھے۔ ان سے کسی کو کوئی نقصان نہیں....."

"شٹ اپ!" میں نے درمیان ہی سے اس کی بات اڑا دی اور پوچھا "کھٹمل سے تم کو رقم کیسے پہنچتی تھی؟ وہ تم سے

Downloaded from https://paksociety.com

کب اور کہاں ملا کرتا تھا؟"

"رقم کا بند لفافہ وہ خود مجھے دیتا تھا۔ کبھی میں اس کے گھر چلا جاتا تھا، کبھی وہ سکریٹریٹ کی طرف آتا تو خود گپ شپ کے لیے میرے دفتر میں آجاتا تھا۔ وہ بہت نفیس آدمی ہے۔ اس میں بڑائی یا تکبر نام کو بھی نہیں ہے۔ تم اس کے پیچھے بلاوجہ اپنا وقت برباد کررہے ہو۔"

کھٹول اس کا اَن داتا تھا۔ وہ اسی کے گن گا رہا تھا۔ اسے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ اپنی ذمے دار سرکاری حیثیت میں وہ کس طرح مدن موہن کا آلۂ کار بنا ہوا تھا اور کھٹول اس سے کیا کام لے رہا تھا۔ اس سے دیر تک سوال و جواب کا سلسلہ چلتا رہا۔ ابتدا میں وہ یہی کہتا رہا کہ کھٹول کبھی کبھار اس سے چھوٹے موٹے کام لے لیتا تھا یا کسی کی سفارش کردیتا تھا۔ چند تھپڑ کھانے کے بعد اسے یاد آیا کہ اس نے کھٹول کے لیے بس ایک ہی اہم کام کیا تھا جو غداری کے زمرے میں نہیں آتا تھا۔

اس نے تھر اور راجستھان کے سرحدی علاقوں میں واقع پاکستان کی اہم غیر فوجی تنصیبات کی فہرست کھٹول کو دی تھی۔ وہ فہرست شہری دفاع کے حوالے سے بنائی گئی تھی۔ اس میں یہ تفصیل بھی موجود تھی کہ ہر مقام کے لیے کس قسم کے حفاظتی انتظامات موجود تھے اور کسی ہنگامی صورتِ حال میں اضافی تحفظ کے لیے کس قسم کے مالی اور افرادی وسائل درکار تھے۔

شنکر رائے کا اصرار تھا کہ وہ فہرستیں کسی بھی طرح راز داری کے زمرے میں نہیں آتی تھیں۔ علاقائی باشندے ان تنصیبات کے بارے میں پورا پورا علم رکھتے تھے اور کوئی بھی شخص ان دور افتادہ مقامات کی سیر کے دوران میں ان فہرستوں سے کہیں زیادہ معلومات یک جا کرسکتا تھا۔

وہ ایک قومی مجرم کا مدافعانہ نقطۂ نظر تھا جو اول خان کے لیے ذرا بھی قابلِ قبول نہیں تھا۔ ہر ملک میں ہر قسم کی تجارتی، فلاحی اور فوجی سرگرمیاں عوام کی آنکھوں کے سامنے ہی انجام دی جاتی ہیں اور ہر شخص کو ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہی معلومات کسی خاص قرینے سے کاغذوں پر جمع کرلی جاتی ہیں تو ان کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

شنکر رائے کی سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ اس کے دل و دماغ پر کھٹول کی حکمرانی تھی۔ اس کے دیے ہوئے ہر کام کو وہ معمولی اور بے ضرر سمجھ کر کرگزرتا تھا۔ اس نے بھارت اور مشرقِ وسطیٰ کی ریاستوں سے آئے ہوئے متعدد بھارتیوں کے قیام کی مدت میں توسیع کرائی اور اسے ہمیشہ انسانی ہمدردی کا ایک پہلو سمجھ کر نظرانداز کرتا رہا۔ اسے بھول کر بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس کی مدد سے پاکستان میں اپنے قیام کو طول دینے والے ایسے لوگ را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کے ایجنٹ بھی ہوسکتے تھے۔

کھٹول ایک معروف آدمی تھا۔ اول خان ذرا سی محنت کرکے اس کی مقامی قیام گاہ کا سراغ لگاسکتا تھا مگر شنکر رائے نے دو دانتوں سے محروم ہوئے بغیر اس کے مقامی ٹھکانے کے بارے میں کچھ بتانے سے انکار کردیا تھا۔ وہ ہمیں کوس رہا تھا کہ ہم کھٹول کے ساتھ بھی وہی سلوک کرگزریں گے جسے وہ بھگت رہا تھا۔

اپنے بے خبر مجرم کے ذہن کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد ہم وہاں سے نکلے تو میرے ذہن میں شنکر کے مستقبل کے بارے میں ایک بڑا سوالیہ نشان جاگزیں ہوچکا تھا۔

"اس کے بارے میں کیا کرنا ہے؟" اول خان نے گویا میرا ذہن پڑھ کر سوال کیا۔

"اسے رہا کرنے میں اندیشہ ہے کہ اس کے سرپرست اس بار تمہارے خلاف زیادہ سرگرم ہوجائیں گے۔ تمہاری آواز پہچان کر اس نے اپنی تقدیر پر خود ہی ایک مہری لگالی ہے۔"

اول خان تفہیمی انداز میں سرہلاتے ہوئے بولا "ویسے بھی اس کی حالت ابتر ہے۔ معذوری کے بعد وہ بُری طرح زخمی بھی ہوچکا ہے۔ تمہارے فلیٹ کا طواف کرنے والوں کے بارے میں وہ ایک لفظ بھی نہیں بتاسکا۔ اسے قید میں رکھ کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟"

اول خان کے آخری سوال پر میں حیران رہ گیا "کیا تم اسے رہا کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟"

اول خان مسکرا دیا "اسے قید حیات سمیت ہر قید سے نجات مل جانی چاہیے۔ تمہارے اندیشے سے واقف ہونے کے بعد میں ایسی احمقانہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔"

ہمارے لیے وہاں رکنا بے سود تھا۔ اول خان نے قیدی سے گلوخلاصی کے بارے میں اپنے ایک آدمی کو محض چند فقروں میں بریف کیا اور ہم وہاں سے واپس روانہ ہوگئے۔

"سلطان شاہ نے ان دونوں کے گھٹنے نہ توڑے ہوتے تو ہمارا کام اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔" میں نے راستے میں اول خان سے ذکر کیا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے ہمیں تین لاشیں عبور کرنے کے

Downloaded from https://paksociety.com

بعد اس تک رسائی حاصل ہوئی تھی۔ سلطان شاہ نے اسے نہ چھیڑا ہوتا تو شاید مسلح محافظ درمیان میں نہ آتے اور ہم براہِ راست اسے گھیر لیتے۔"

"وہ بہت سخت جان ہے۔ صحت مندی کی حالت میں ہرگز زبان نہ کھولتا۔ زخمی گھٹنے کے بل وہ کافی دیر تک لٹکا رہا تھا۔ ایسے مجرموں سے کچھ اگلوانے میں بڑا وقت برباد ہوتا ہے۔"

"تھرڈ ڈگری کا اصول ہی یہی ہوتا ہے۔ اپنے حریف کے بدن میں کوئی کمزوری تلاش یا پیدا کرو اور پھر مسلسل اسی کو نشانہ بناتے چلے جاؤ۔ بلبلا کر وہ خود ہتھیار ڈال دیتا ہے۔"

میرے لیے یہ خیال فرحت انگیز تھا کہ میں نے اپنے فلیٹ کا طواف کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دے کر ان کے حوصلے پست کر دیے تھے۔ فلیٹ کے چکر کاٹنے کی پاداش میں وہ تین آدمیوں سے ہاتھ دھو چکے تھے۔ ان کے لیے چوتھی لاش کا تحفہ بھی تقریباً تیار تھا۔ اس بھاگ دوڑ کا نچوڑ یہ تھا کہ کام آگے بڑھانے کے لیے کھٹمل راجوانی کا مشکوک نام ہمارے سامنے آچکا تھا۔

اول خان نے مجھے فلیٹ کے نیچے چھوڑا تو میری رسٹ واچ رات کے دس بجا رہی تھی۔ مجھے اتار کر وہ وہیں سے اپنے گھر لوٹ گیا۔

اول خان کسی زمانے میں فوج کا کوئی عہدے دار رہا ہو تو اور بات ہے ورنہ ان دنوں وہ اس ادارے کا رکن نہ ہونے کے باوجود سخت ترین فوجی نظم و ضبط کا پابند نظر آتا تھا۔ اسی نے کسی موقع پر یہ بتایا تھا کہ ایس ٹی ایف کی تشکیل اور تربیت خالص عسکری بنیادوں پر کی گئی تھی۔ وہاں ہر شخص کے سوچنے کے لیے حدود متعین تھیں لیکن اوپر سے آئے ہوئے حکم کی تعمیل ہر ماتحت کے لیے ناگزیر تھی۔

اول خان اسٹیشن فور کا کمانڈر تھا۔ اس حیثیت میں وہ چاہتا تو اپنا سارا وقت دفتر میں پاؤں پسار کر گزار سکتا تھا اور بھاگ دوڑ کے سارے کام اپنے ماتحتوں سے لے سکتا تھا لیکن یہ اس کی فرض شناسی کی انتہا تھی کہ ہر اہم موقع پر وہ مجھے خود میدانِ عمل میں نظر آیا تھا۔ مجموعی طور پر وہ اپنے ہر ماتحت سے زیادہ کام کر کے ان کے لیے ایک مثال بنا رہتا تھا۔ اس چکر میں شاید اس کی گھریلو زندگی بھی پس پشت چلی گئی تھی۔ گھر کی ضروریات پر وہ اپنے دفتری فرائض کو فوقیت دیتا تھا۔ اس کے نزدیک کسی ایک گھر کے مقابلے میں وطن کی سلامتی زیادہ اہم اور مقدس تھی۔

○☆○

اگلی صبح کے اخبار میں چاروں لاشوں کے بارے میں سہ کالمی خبر پہلے صفحے پر خاصی نمایاں تھی۔

گلشنِ اقبال کے بنگلے کے بارے میں تفصیلات خاصی سنسنی خیز تھیں۔ رات گئے ولی جان نے ہوش میں آنے کے بعد شنکر رائے کا بستر خالی پایا تو بری طرح بوکھلا گیا۔ اس نے مسہری چھوڑنے اور باہر نکلنے کی کوشش کی تو گھٹنے کی معذوری آڑے آگئی۔

اس وقت تک بجلی بحال ہو چکی تھی مگر ہر طرف رات کے گہرے سناٹے کا راج تھا۔ ولی جان نے دہشت زدہ ہو کر پوری قوت سے مدد کے لیے چلّانا شروع کر دیا۔ لوگ جمع ہوئے تو مکان کے احاطے میں تین لاشیں دریافت ہوئیں۔ ولی جان اندر نڈھال پڑا ہوا تھا۔

ولی جان نے پولیس کو شنکر رائے کی گمشدگی کے بارے میں بتایا جب کہ اس سے کافی دیر پہلے یونیورسٹی سے کچھ فاصلے پر شنکر رائے کی لاش مل چکی تھی۔ ابتدا میں اسے نامعلوم

ترقی کا سیدھا راستہ، منشیات سے دوری
نماز سے تربیت
نشے سے نفرت
اپنے آپ سے محبت
منشیات سے دور رہ کر وطنِ عزیز کی تقدیر بدل دیجیے۔
امریکن سٹیزن ڈاکٹر سید مبین اختر
اور ان کے تجربہ کار عملے سے رجوع کریں
کراچی منشیات ہسپتال
6610707-6681610

Downloaded from https://paksociety.com

مقتول قرار دیا گیا تھا لیکن ٹوٹے ہوئے گھٹنے کی بنا پر اس کی شناخت کے مراحل تیزی سے طے ہوتے چلے گئے۔

شنکر نے اسٹیشن فور پر اول خان کی آواز پہچان کر اندازہ لگالیا تھا کہ وہ دوبارہ اپنے پرانے دشمنوں کی قید میں چلا گیا تھا لیکن ولی جان سے صرف میرا سامنا ہوا تھا۔ وہ ہمارے بارے میں کوئی بھی انکشاف نہیں کرسکا تھا اور پولیس کو تفتیش کے آغاز کے لیے کوئی نکتہ نہیں مل سکا تھا۔

چار لاشوں کا معاملہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ ان سے متعلقہ متعدد چھوٹی بڑی خبروں میں کہیں بھی بیم گن کا نشانہ بننے والے دو مقتولین کے غیر معمولی زخموں کا ذکر نہیں تھا۔ اس کے دو ہی اسباب ہوسکتے تھے۔ خبر دیر میں ملنے کی وجہ سے اخباری نمائندے واردات کی پوری جزئیات کا احاطہ نہیں کرسکے تھے یا پھر متعلقہ پولیس اہل کار اپنی ناتجربے کاری کی وجہ سے ان غیر معمولی زخموں پر توجہ نہیں دے سکے تھے۔

وہ کراچی کے امن و امان میں بگاڑ کا دور تھا۔ شہر میں آئے دن دو چار افراد نامعلوم دہشت گردوں کی بربریت کا نشانہ بنتے رہتے تھے اور ہر واردات کے بارے میں سرِعام یہ کہا جانے لگا تھا کہ دہشت گرد جدید ترین آتشیں ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے ہدف پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ ان افواہوں کی لہر میں اگر کسی مرحلے پر لیزر گن وغیرہ کا نام بھی آجاتا تو اس سے کسی تفتیشی افسر کو کوئی خاص نظریہ قائم کرنے میں مدد نہیں مل سکتی تھی۔ یہ فرض کرکے روایتی انداز میں صبر کرلیا جاتا کہ دہشت گردوں کو بڑے اور چھوٹے بور کے جدید ہتھیاروں اور دستی راکٹ لانچروں کے ساتھ لیزر سے چلنے والے مہلک ہتھیاروں تک رسائی حاصل ہوچکی ہے۔ یہ خطرناک رویہ اجتماعی طور پر شہریوں کے حوصلے پست کرنے کے ساتھ دہشت گردوں کو کھلی چھوٹ دینے کے مترادف تھا۔ اس رُو میں جو بھی کوئی خود کار ہتھیار لے کر کسی کو للکار بیٹھتا تھا' پوری آزادی اور بے فکری کے ساتھ اپنی من مانی کرگزرتا تھا۔

"آپ کے موڈ کے بارے میں کبھی کچھ پتا نہیں چلتا۔" غزالہ نے میز پر ناشتا لگاتے ہوئے ہنس کر کہا "یہاں سے صرف جائزہ لینے کے لیے نکلے اور ایک ہنگامہ کھڑا کر آئے۔"

"ہمارے اپنے تحفظ کے لیے یہ پیش قدمی ضروری تھی۔" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے میرے دل کی بات کہہ دی "اگر وہ ہمارے اوپر ہاتھ ڈالنے کا کوئی پروگرام بنا رہے تھے تو اب انہیں دس بار سوچنا پڑے گا۔ ایسی لڑائی میں پہل کو ہمیشہ بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔"

ویرا کا منہ بن گیا "گھر میں بیٹھ کر باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھے۔ سب لوگ تمہاری طرح چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھ جائیں تو حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہمارے دشمن ہمیں گھڑی کی چوتھائی میں روند ڈالیں۔"

"میں گھر میں اپنی مرضی سے نہیں بیٹھا' بٹھایا گیا ہوں۔" سلطان شاہ اکڑ کے بولا۔

"ہاں' اسی طرح جیسے کنواری لڑکیوں کو مایوں بٹھایا جاتا ہے۔" ویرا نے حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا "اب تم اپنے بڑوں سے پوچھے بغیر گھر سے باہر قدم بھی نہیں نکال سکو گے۔"

"رات والی مہم کے لیے بنیادی کام سلطان شاہ نے ہی کیا تھا۔" میں نے ویرا کو سمجھانا چاہا "اس نے شنکر اور ولی جان کو زخمی نہ کیا ہوتا تو وہ ہماری نظروں سے اوجھل رہتے اور مجھے ان کا خیال تک نہ آتا۔"

"اس کے زخمی کرنے سے ان میں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے؟" ویرا ناراض ہوگئی۔

"زخمی نہ ہوئے ہوتے تو وہ اپنی معمول کی زندگی گزار رہے ہوتے۔ ہم ان پر شک و شبہ نہیں کرسکتے تھے۔ زخمی ہوتے ہی ان پر تین مسلح گارڈ مامور کردیے گئے اور اول خان کی تھوڑی بہت توجہ ادھر مبذول ہوگئی۔ مجھے خوشی ہے کہ ہماری رات کی بھاگ دوڑ رائگاں نہیں گئی۔"

"شنکر تمہارے ہاتھ ضرور آگیا مگر اس کے لیے تمہیں تین آدمیوں کا خون بہانا پڑا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بے گناہ رہے ہوں۔ ان کا داؤ چل جاتا تو وہ وہیں تمہارا تیا پانچا کردیتے۔"

"شاید تم نے یہ چھوٹی سی خبر نہیں پڑھی۔" غزالہ نے اخبار موڑ کر ایک خبر ویرا کے سامنے کردی "ان تینوں میں سے کوئی شریف آدمی نہیں تھا۔ دو اندرونِ سندھ کی پولیس کو مطلوب مفرور ملزم ہیں جو قتل کی وارداتوں میں ملوث بتائے گئے ہیں۔ تیسرا ایک بدنام منشیات فروش تھا۔"

ویرا نے ناگواری سے خبر پڑھ کر اخبار ایک طرف ڈال دیا اور بولی "مجھے معلوم ہے کہ کبھی کبھی تم تینوں میرے خلاف گٹھ جوڑ کرلیتے ہو۔ گھٹنے مڑتے ہیں تو ہمیشہ پیٹ ہی کی طرف جاتے ہیں۔"

"بالکل غلط... گھٹنے سے صرف پنڈلی مڑتی ہے۔ شنکر اور

Downloaded from https://paksociety.com

ولی جان کی ایک ایک پنڈلی دونوں طرف مڑنے لگی تھی۔ تم یہ کہہ سکتی ہو کہ مڑتی ہیں تو رانیں پیٹ کی طرف جاتی ہیں۔" ساطان شاہ نے تصحیح کی۔

ناشتے کے دوران میں بھی وہ نوک جھوک جاری رہی۔ مجھے اس تکرار میں دخل انداز ہونے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اس گفتگو میں تلخی کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔

دیرا ہم لوگوں کے ساتھ رہ کر اس ماحول کی عادی ہوگئی تھی۔ لندن اور نیویارک کے مصروف شب و روز میں میرا ساتھ میسر ہونے کے باوجود وہ باقی لوگوں کی کمی محسوس کرتی رہی تھی۔ کراچی آنے کے بعد شاید وہ سب سے الجھ کر اسی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ناشتا ختم کرنے کے بعد میں ڈرائنگ روم میں جا بیٹھا۔ میرا ارادہ کھٹومل کو چھیڑنے کا تھا۔

میرے پاس شنکر کا دیا ہوا پتا اور فون نمبر موجود تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اول خان مجھ سے مشورہ کیے بغیر کھٹومل سے براہِ راست چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا۔ بس اس کی سرگرمیوں کی نگرانی وغیرہ پر اکتفا کرے گا۔ یہ سوچ کر میں نے اس سے فون پر بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

نمبر ملنے پر فون کھٹومل کے کسی ملازم نے اٹھایا تھا۔ میں نے کھٹومل سے بات کرنے کی خواہش کی تو اس نے اپنے مالک کی موجودگی یا غیر حاضری کے بارے میں کچھ بتائے بغیر میرا نام جاننا چاہا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میرا نام جانے بغیر وہ کھٹومل تک پیغام نہیں پہنچائے گا۔ میں نے غیر ارادی طور پر اسے اپنا نام شنکر بتا دیا۔

نام بتا دینے کے بعد مجھے توقع تھی کہ وہ چونکے گا لیکن اس نے کسی ردِعمل کا مظاہرہ کیے بغیر مجھے انتظار کرنے کا مشورہ دیا اور غائب ہوگیا۔

قدرے طویل انتظار کے بعد لائن پر کچھ کھٹ پٹ ہوئی پھر میرے کانوں میں نرم اور شفیق سی آواز گونج اٹھی "جی، بابا! میں کھٹومل بول رہا ہوں۔ آپ کون بول رہے ہو؟"

"کھٹومل! میں شنکر بول رہا ہوں، شنکر رائے!" میں نے اسے چونکانے کے لیے اپنے جھوٹ کا تسلسل برقرار رکھا۔ مجھے یقین تھا کہ اسے رات ہی کو اپنے آدمیوں کے قتل کی خبر مل گئی ہوگی۔ براہِ راست خبر نہ بھی ملی ہوتی تو اخبار کے ذریعے اسے واقعات سے باخبر ہو جانا چاہیے تھا۔

اس کا خاص آدمی، شنکر رائے پچھلی رات کا آخری مقتول تھا۔ مجھے یقین تھا کہ میری زبان سے اس کا نام سن کر کھٹومل گھبرا جائے گا یا پھر اسے غصہ آجائے گا لیکن اس کی آواز حیرت ناک طور پر نرم اور پُرسکون رہی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "بابا! میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔ ذرا کچھ اور تعارف کرا دو۔ شاید مجھے یاد آجائے۔"

"نام شنکر رائے۔۔۔ ملازمت محکمۂ داخلہ۔۔۔ سترھویں گریڈ کا سرکاری ملازم ہوں۔" میں نے بھی اسی کی طرح پُرسکون رہتے ہوئے رک رک کر کہا۔

"نہیں یاد آیا۔" اس کی آواز معذرت خواہانہ ہوگئی۔ "صبح سے شام تک پچاس آدمیوں سے میل ملاقات ہوتی ہے۔ کسی کسی کا نام یاد سے نکل جاتا ہے۔ حکم کرو، کیا خدمت کرسکتا ہوں۔"

میری طرف سے واضح ترین اشاروں کے باوجود کھٹومل کا روئیہ الجھن میں ڈالنے والا تھا۔ میں نے تلخی سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تم نے آج کا اخبار نہیں دیکھا۔"

"دیکھا ہے سائیں۔۔۔ بالکل دیکھا ہے۔" دوسری طرف سے برجستہ آواز آئی پھر اس نے چونک کر کہا "اب سمجھا۔ اخبار میں ہوم ڈپارٹمنٹ کے سترہ گریڈ والے کسی شنکر رائے کے خون کی خبر چھپی ہے۔ تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ خبر غلط ہے اور تم زندہ ہو؟"

"اگر میں یہ کہوں تو تم اس پر اعتبار کرلو گے؟" میں نے بھنّا کر پوچھا۔

"پھر میں مشورہ دوں گا کہ تم سیدھے عبدالستار ایدھی صاحب کے پاس چلے جاؤ۔ تم مرے نہیں ہو تو زخمی ضرور ہوگے۔ ایدھی صاحب اچھا آدمی ہے۔ تمہیں اپنی گاڑی میں گھر بھجوا دے گا۔"

وہ بہت چالاک اور مکار شخص تھا۔ شاید اس نے اپنے ملازم سے میرا مفروضہ نام سنتے ہی فون پر کسی گڑبڑ کا اندازہ لگالیا تھا اور شروع سے ہی مجھ سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کرتا رہا۔ وہ ایک گندہ کھیل کھیل رہا تھا۔ پچھلی رات اس کے چار مہرے ایک ساتھ پٹ گئے تھے۔ وہ ان سے اپنی مکمل لاتعلقی کا اظہار کرکے کسی بھی متوقع الجھن سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کھٹومل! زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "شنکر رائے سے اس طرح لاتعلقی جتا کر بھی تم اپنی گردن نہیں بچا سکو گے۔ اسے مروانے والے تم

Downloaded from https://pakSociety.com

ہی ہو۔"

"اب تم کھل کر بولے ہو۔" وہ اسی لب ولہجے میں بولا۔ "یہ بتاؤ کہ تم شنکر کے ابّے لگتے ہو یا دادے؟"

"اگر تم سیدھی طرح بات نہیں کرو گے تو تمہارا انجام ان چاروں سے بھی خراب ہو سکتا ہے۔"

"دھمکیاں مت دو۔ میں دنگے فساد والا آدمی نہیں ہوں۔ سیدھا اور کھرا بنیا ہوں۔ یہ بولو کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ بات ڈھنگ کی ہوئی تو میں مان لوں گا ورنہ میرا وقت کھوٹا مت کرو۔"

"پھر تم تیار رہو۔ تم سے ملاقات پر ہی کچھ ڈھنگ کی باتیں ہوں گی۔ فی الحال ولی جان کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ اسے پتا چلے گا کہ تم اپنے مرنے والے ساتھیوں سے اس طرح نظریں پھیر لیتے ہو تو وہ خود ہی تمہاری گردن پر کوئی پھندا فٹ کروا دے گا۔ تمہارے اوپر چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔"

"یہ سوچو کہ اس سے تم کو کیا ملے گا؟ کیا تم کوئی سرکاری آدمی ہو؟" بات آگے بڑھنے لگی۔

"میں ایسی سرکار پر لعنت بھیجتا ہوں جس کی ناک کے نیچے تم جیسے کیڑے پوری آزادی سے اپنا کھیل کھیلتے رہتے ہیں اور سرکار کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔"

"پھر تم کون ہو؟ شنکر سے تمہاری کیا دشمنی تھی؟" اس نے پہلی بار ڈھنگ کا ایک سوال کیا۔

"عورت۔ مدن موہن کی ایک پارٹی میں وہ میری گرل فرینڈ سے ملا تھا اور پھر اسے لے اڑا۔ اس نے میری گرل فرینڈ کو ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ واپس میرے پاس آنے پر آمادہ ہی نہیں تھی۔"

"اپنی کھوئی ہوئی عورت کو پانے کے لیے تم نے شنکر کو مار دیا۔" اس کی آواز متاسفانہ ہو گئی "کیا اب وہ تمہیں مل جائے گی؟ مایا، دھرتی اور ناری ہر فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے کسی پرائی ہانڈی پر منہ مارا ہے ورنہ میں خود اسے سمجھا دیتا۔ تم۔۔۔"

میں نے اس کی بات کاٹ دی "عورت گئی، میں نے اسے چھیننے والے کو رخصت کر دیا۔ اس نے مجھے تمہارا نمبر دیا تھا اور کہا تھا کہ تم اس کی زندگی بچانے کے لیے مجھے منہ مانگی رقم دے سکتے ہو۔"

"اس نے سچ کہا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ مایا اور دھن مرد ذات کے ہاتھ کا میل ہوتا ہے۔ اسی طرح ناری مرد کے من کا میل ہوتی ہے۔ مل گئی تو برت لیا، پھسل کر ہاتھ سے نکل گئی تو بھول گیا۔ تم نے شنکر سے اپنی عورت کا بدلہ لے لیا ہے تو اب مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

"مجھے اچھی زندگی گزارنے کے لیے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے۔" میں نے مطالبہ کر دیا۔

"مگر میں تمہیں رقم کیوں دینے لگا۔" وہ شروع سے ہی غصے میں آئے بغیر نہایت صبر و تحمل سے بات کر رہا تھا "تم نے شنکر پر ہاتھ نہ اٹھایا ہوتا تو بات بن بھی سکتی تھی۔"

"رقم نہیں دو گے تو میں تمہارے پیچھے لگ جاؤں گا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ میں کیسی بھیڑ میں سے اسے نکال لے گیا تھا۔" میں نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

"تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں لڑنے بھڑنے والا آدمی نہیں ہوں پھر بھی تم زبردستی مجھ سے ایک کوڑی نہیں لے سکتے۔ مجھے بس ایک بات بتا دو۔ شنکر سے تمہارا عورت کا جھگڑا تھا تو تم نے یہ کیوں کہا کہ تم نے ولی جان کو چھوڑ دیا ہے اور وہی میری گردن پر کوئی پھندا لگائے گا۔"

"تم سے کچھ ملنے کی امید میں مَیں کچھ بھی کہہ سکتا ہوں۔ مجھ سے رقم کی بات کرو۔"

"مارنے سے پہلے تم نے شنکر کا ایک گھٹنا کیوں توڑ ڈالا؟" اس نے پوچھا۔

"وہ پہلے ہی سے ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔" اس سے اپنا رابطہ برقرار رکھنے کی امید میں میں نے اپنی حکمتِ عملی یکسر تبدیل کر دی تھی۔

"میں مانتا ہوں کہ وہ پہلے سے معذور تھا۔ کیا تم نے اسے معذور نہیں کیا تھا؟" وہ اطمینان کرنا چاہ رہا تھا کہ میرا تعلق شنکر کے کسی دیرینہ حریف سے نہیں تھا، جو کچھ ہوا وہ رقابت کے جذبے کے تحت ہو گیا۔

"مجھے اس کو دو قسطوں میں مارنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ پہلے ہاتھ آ جاتا تو میں معذور کرنے کے بجائے ایک ہی وار میں اس کا جھٹکا کر دیتا۔"

"تمہیں اسے مارنا ہی تھا تو تم کو اس سے پوچھ گچھ کی کیا ضرورت پڑ گئی تھی؟"

"باہر لے جا کر میں نے اسے مارا، پیٹا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد مار دیا۔ مجھے اس سے پوچھ گچھ کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔"

"پھر تمہیں میرا فون نمبر، نام اور ولی جان کا نام کیسے

Downloaded from https://paksociety.com

معلوم ہوا؟" کھٹول نے سوال کیا۔

"یہ سب وہی بکے جارہا تھا۔ بہت ڈرپوک آدمی تھا۔ پہلے اس نے مجھے ولی جان سے سودا کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں راضی نہیں ہوا تو اس نے تمہارا نام لیا تھا۔"

"تم نے صحیح چوکھٹ پر دستک دی ہے۔" اس کی آواز میں حلاوت عود کر آئی "مجھے اپنا نام پتا بتادو۔ میں تمہیں مفت میں کوئی رقم نہیں دے سکتا۔ میرا کوئی آدمی تم سے مل کر کام لے گا اور اس کا معاوضہ دے گا۔ جلد ہی تمہارے دن بدل جائیں گے۔"

اس بار میں ہنسے بغیر نہ رہ سکا "کھٹول جی! میں عقل سے بالکل ہی چوپٹ نہیں ہوں جو تمہیں اپنا نام پتا دے دوں تاکہ تمہارا کوئی آدمی آرام سے ان چاروں کے بدلے میری جان لے لے۔ جو کہنا ہے ابھی اور اسی وقت فون پر بتاؤ ورنہ مجھ سے لڑائی کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"میری بات پر شبہ کرکے تم نے۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ سی ایس ڈی کے بزرگ کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ گفتگو میں کسی قسم کی مداخلت کی کوشش کی گئی تھی۔

فوراً ہی غزالہ خواب گاہ سے دوڑی ہوئی آئی اور بولی۔ "سی ایس ڈی کا سرخ بلب جلنے کے ساتھ بزرگ بول رہا ہے۔ اس کا کیا کروں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا "جاؤ' وہ دونوں چیزیں نارمل ہوگئیں۔"

میرا خیال تھا کہ میں خود ہی کھٹول سے گفتگو کو طول دے رہا تھا لیکن سی ایس ڈی کے حرکت میں آنے سے یہ ثابت ہوگیا تھا کہ وہ خود بھی مجھے باتوں میں الجھا کر کسی دوسرے فون پر ایکسچینج سے میرا نمبر معلوم کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ جوں ہی ادھر سے مداخلت ہوئی' میرا فون بند ہوگیا۔

"تم کھٹول سے بات کرکے کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہے تھے؟" ویرا نے مجھ سے پوچھا۔

"حرکت میں برکت ہے۔" میں نے آنکھیں موند کر جواب دیا "اس کے ذہن پر ہر وقت یہ خوف سوار رہے گا کہ شنکر کا قاتل اس کے بارے میں خاصا باخبر ہے۔ کہیں نہ کہیں تو ہمارا اور اس کا آمنا سامنا ہونا ہی ہے۔ اس وقت کی باتیں ملاقات پر میرے کام آئیں گی۔"

"ہر وقت اپنے فائدے کے پہلو پر نظر مت رکھا کرو۔ یہ خطرہ کیوں فراموش کررہے ہو کہ تم نے اسے اپنے ایک دشمن کی موجودگی سے آگاہ کردیا ہے۔ اب وہ ہر وقت چوکنا رہے گا۔"

"رہا کرے۔ اسی اعصابی دباؤ میں اس سے غلطیاں سرزد ہوں گی جو میرے لیے سودمند ثابت ہوسکتی ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔"

"ایسی ہی غلطیوں کا ارتکاب تم کر بیٹھے تو کیا بنے گا؟" ویرا پھر بحث کے موڈ میں تھی۔

"کچھ بھی بن سکتا ہے۔ تیر کمان سے اور بات زبان سے نکل جائے تو اسے واپس نہیں لوٹایا جاسکتا۔ تمہیں یہ قیمتی مشورے دینے ہی تھے تو فون کرنے سے پہلے دیے ہوتے۔ اب چپ چاپ بیٹھی رہو۔"

"تم تو یہاں آکر فرعون بے سامان بن گئے ہو۔ پتا ہی نہیں چلتا کہ کب کیا کرنے والے ہو۔ ناشتے کی میز سے اٹھے اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر فون گھما دیا۔" وہ تنک کر بولی۔

"سیدھی بیٹھو۔ اس وقت پھر تمہارے شانے قاتل نظر آرہا ہے۔ بھینگے ڈک کی طرح کہیں مجھ پر کوئی الزام نہ لگادینا۔ غزالہ میری جان کو آجائے گی۔"

"مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کو غزالہ کی کتنی فکر رہتی ہے۔ میں اسے بہت اچھی طرح سمجھنے لگی ہوں۔ جس دن اسے تمہاری حرکتوں کا علم ہوگیا' وہ اپنی ساری نرم گفتاری کو بالائے طاق رکھ کر تمہارے حق میں خوں خوار ہوجائے گی۔ ایسی لڑکیاں اعتماد کا فریب برداشت نہیں کرپاتیں۔"

"اپنی ان منطقوں کو احتیاط سے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ درمیان میں تمہاری وکالت کی کوئی ضرورت نہیں۔"

اسے ٹالنے کے لیے میں نے اخبار اٹھالیا۔ حقیقت یہ تھی کہ مارے جانے والے تینوں محافظوں کے ماضی کے بارے میں چھپنے والی خبر میری نگاہوں سے چوک گئی تھی۔

ان کی خراب شہرت کے بارے میں میز پر بات ہو ہی چکی تھی۔ ان کے ناموں سے معلوم ہوا کہ بظاہر وہ تینوں مسلمان ہی تھے یعنی اس واقعے کو ہندو مسلم منافرت کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا تھا۔

بارہ بجے اول خان آموجود ہوا۔ اپنے معمول کے مطابق اس نے آتے ہی چائے کی فرمائش کی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"آج ہر طرف سے خبریں ہی خبریں چلی آرہی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔" سلام دعا کے بعد اول خان نے بات چھیڑی۔

"کوئی بری خبر ہو تو وہ پہلے سنا دو تاکہ بعد میں موڈ خراب نہ ہو۔" میں نے مشورہ دیا۔

"وہ بھی کئی ہیں۔ سب سے بڑی گڑبڑ یہ ہوئی کہ بیم گن کا نشانہ بننے والوں کی موت کے سبب کو پوسٹ مارٹم رپورٹ میں کسی جدید آتشیں ہتھیار کے استعمال کا نتیجہ قرار دے کر دبا دیا گیا ہے مگر اسپتال سے یہ اطلاع کسی طرح باہر آگئی ہے کہ دو لاشیں جسموں میں باریک سوراخوں کے ساتھ ملی تھیں۔"

"پاکستان میں بیم گن کا تصور اجنبی ہے۔ اگر کاغذات پر رپورٹ درست ہے تو ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وقت کے ساتھ یہ خوف خود بخود ختم ہو جائے گا۔"

"میری دعا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ وقت کے فرق کی وجہ سے میں کل یا پرسوں کا تعین کرنے سے قاصر ہوں۔ بہرحال یہ سمجھ لو کہ نیویارک میں جینی نامی کسی لڑکی نے تمہاری اور ویرا کی بہت سی سرگرمیوں کے بارے میں پولیس چیف کو اپنا رضا کارانہ بیان دے کر سنسنی پھیلا دی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ امریکا میں کشت و خون کرنے کے بعد تم اسے دھوکا دے کر امریکا سے فرار ہو چکے ہو۔"

"اس کی طرف سے مجھے شبہ تھا کہ وہ ایسا ہی کرے گی۔" میں نے اپنے دل میں جینی کے لیے ہمدردی کی ایک لہر محسوس کرتے ہوئے اعتراف کیا "ہم نے اس کے اعتماد کو دھوکا دے کر بہت بے رحمی سے اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا۔ اس نے اپنے طور پر بعض کڑیاں یک جا بھی کر لی تھیں۔ وہ اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے پولیس کے پاس گئی ہے۔ وہ لوگ اب لکیر پیٹنے کے سوا کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"نتائج اخذ کرنے میں اتنی عجلت سے کام نہ لو۔ ان خبروں کی تیسری کڑی یہ ہے کہ دفترِ خارجہ میں اعلیٰ ترین سطح پر امریکی سفیر کو طلب کر کے پاکستان نے گیپ کے بارے میں شدید ترین احتجاج کیا ہے۔ سنا ہے کہ امریکی سفیر کو اس ناپاک سمجھوتے کے اصل کاغذات دکھا کر جواب طلب کیا گیا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود اصل کاغذوں کے بجائے ان کی نقل اس کے حوالے کی گئی ہے۔"

"یہ بڑی بات ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ہم آج بھی ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے امریکا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ کڑوے کسیلے سوالات کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

"ان سوالوں کے دو جواب بھی آچکے ہیں۔ تمہیں امریکا کا قومی مجرم قرار دے کر پاکستان سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ تمہیں جلد از جلد گرفتار کر کے امریکا کے حوالے کیا جائے تاکہ تم پر وہاں کی عدالتوں میں وہیں کے قانون کے مطابق مقدمات چلائے جا سکیں۔" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دوسرا جواب کیا ہے؟" میں نے مضطربانہ تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

"گیپ کے بارے میں ہر الزام کو فوری طور پر مسترد کر کے مطالبہ کیا گیا ہے کہ پانچوں اصل کاغذ امریکا بھیجے جائیں تاکہ واشنگٹن میں بیٹھے ہوئے ماہرین ان کی اصلیت یا کسی بین الاقوامی جعل سازی کا تعین کر سکیں۔ اس کے بعد ہی گیپ کے بارے میں کوئی بات ہو سکے گی۔"

"پاکستان اس بارے میں کیا کر رہا ہے؟" میں نے اپنی جگہ پر پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"سرکاری موقف سامنے آنے میں وقت لگتا ہے لیکن عام تاثر یہی ہے کہ گیپ کے اصل کاغذ نہیں دیے جائیں گے۔ وہ ایک بار ان کے قبضے میں چلے گئے تو انہیں تلف کر کے جعلی کاغذ لوٹا دیے جائیں گے۔"

"پھر تو یہ معاملہ یہیں ٹھپ ہو کر رہ جائے گا۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"یہی قرینِ قیاس نظر آرہا ہے۔ ہم اصل کاغذ ان کے حوالے نہیں کریں گے، وہ الزام تسلیم نہیں کریں گے۔"

"کیا یہ معاملہ کسی بین الاقوامی فورم پر نہیں لے جایا جا سکتا؟"

"ہو سکتا ہے لیکن ہم اس پیمانے پر امریکا کے ساتھ محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہمارے خلاف انتقامی پابندیوں کا پنڈورا باکس کھل جائے گا۔"

"مجھے دکھ ہے کہ گیپ کے بارے میں ہماری ساری دوڑ دھوپ بے سود ثابت ہوگی۔"

"اس کا سوگ منانے کے بجائے اب اپنی خیر مناؤ۔ تمہارے بارے میں ایک مرتبہ پھر خطرات سر ابھار رہے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ امریکا کے مقامی ایجنٹوں کو بھنک بھی مل گئی کہ گلشنِ اقبال میں ہونے والی تہرے قتل کی واردات میں بیم گن استعمال ہوئی تھی تو انہیں تمہاری موجودگی کا یقین ہوجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ چند روز میں امریکا سے آنے والے سراغ رساں یہیں ڈیرے ڈال کر بیٹھ جائیں۔"

"ٹائمنگ غلط ہوگئی۔ سارے کام ایک ہی وقت میں چل پڑے ہیں۔"

"اتفاق کی بات ہے ورنہ گلشنِ اقبال والے معاملے کو التوا میں ڈالا جاسکتا تھا۔"

"ہم انہیں ڈھیل دیتے تو وہ کسی بھی وقت ہم پر ٹوٹ پڑتے۔ میرے لیے یہ معاملہ اہم ترین اور فوری توجہ کا متقاضی تھا۔ اس پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

"بحث بے سود ہے۔ ہم اپنے کارڈز کھیل چکے۔ دیکھنا ہے کہ دوسری طرف سے کیا ہوتا ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو، ہمیں ہر وقت آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ اگر کھٹمول اور مدن موہن ایک دوسرے کے قریب تھے تو کھٹمول کے امریکیوں سے بھی گہرے مراسم ہوں گے۔"

"میرے آدمی آج شام تک اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم کرلیں گے۔ اگر وہ خطرناک نظر آیا تو اس کو راستے سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کرنی پڑے گی۔"

"وہ بہت چالاک اور ٹھنڈے ماتھے والا آدمی ہے۔ ایسے لوگ بہت گھنے ہوتے ہیں۔ آخری لمحات تک کسی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" میری رائے سن کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"تھوڑی دیر پہلے فون پر اس سے مذاکرات ہوئے تھے۔ میں نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ شنکر کا قتل ایک رقابت کا شاخسانہ تھا۔"

"اچھا ہے کہ اس غلط فہمی میں وہ چند روز تک بھٹکتا رہے گا۔" اول خان خوش ہو کر بولا "مجھے پوری بات بتاؤ کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔"

میں نے اپنی اور کھٹمول کی گفتگو کا ذکر چھیڑا ہی تھا کہ ویرا بھی وہیں آکر قریب بیٹھ گئی۔ میں خاموشی سے اسے گھور کر رہ گیا کیونکہ اس کی سانسوں سے بیئر کی بو آرہی تھی۔

"تم نے اسے چھیڑ کر غلطی کی۔" پوری بات سن کر اول خان نے کہا "سوئے ہوئے دشمن کو جھنجوڑ کر جگانا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

"بالکل یہی رائے میری بھی تھی۔" ویرا نے موقع پاکر اسے شہ دی "مگر ڈینی پر ہر وقت افلاطون بننے کا خبط سوار رہتا ہے۔ اسے تم ہی سمجھا سکتے ہو۔"

"یہ فلیٹ اس کی نظروں میں ہے۔ اگر اس نے تمہاری رقابت والی کہانی پر یقین کرلیا ہے تب بھی وہ اپنی جھنجلاہٹ اتارنے کے لیے یہاں کوئی جوابی کارروائی کرسکتا ہے اور کچھ ہو یا نہ ہو، اسے اپنے آدمیوں کے سامنے سرخ روئی حاصل ہوجائے گی۔"

"برے لوگ دھونس اور بھرم قائم رکھنے پر جان دیتے ہیں۔ یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تمہارے آدمی اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ کسی منصوبے پر عمل کرنے کے لیے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کرے گا تو بات ہم تک پہنچ ہی جائے گی۔"

"تیرو تفنگ اور بھاگ دوڑ کے زمانے لد گئے۔" ویرا نے فضا میں ہاتھ نچا کر تلخی سے کہا "اب بڑے بدمعاش اپنی پُرتعیش خواب گاہوں میں اینڈ اینڈ کر اپنے آدمیوں کی ڈوریاں ہلاتے ہیں۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ ٹیلیفون اور وائرلیس سیٹوں کے بعد اب پاکستان میں موبائل فون بھی آگئے ہیں۔ چند روز کی بات ہے پھر گدھا گاڑیوں والے بھی موبائل فون لیے اپنے اڈوں پر موجود رہا کریں گے۔"

"موبائل فون یہاں کب سے آگئے۔" میرے لیے وہ اطلاع نئی تھی اس لیے میں اصل موضوع کو بھول کر اسی کی طرف متوجہ ہوگیا "ہم لوگ اس سہولت سے کیوں محروم ہیں؟"

"یہ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔" اول خان نے مجھے آگاہ کیا "ابھی تجرباتی طور پر صرف ایک کمپنی محدود وسائل کے ساتھ میدان میں اتری ہے۔ دباؤ کم ہوجائے تو ہم بھی ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے میں رہنے کے لیے یہ سہولت استعمال کرسکیں گے۔"

سلطان شاہ شاید لابی میں کھڑا ہماری باتیں سن رہا تھا۔ وہ فوراً ہی ڈرائنگ روم میں آگیا اور بولا "آگے کی منصوبہ بندی کرنے کے بجائے ہمیں آج کی فکر کرنی چاہیے۔ تم لوگ شتر مرغ کی طرح ریت میں گردن دے کر طوفان کو ٹلا ہوا سمجھ رہے ہو یا پھر سب کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں۔"

"تم کون سے طوفان کی خبر لائے ہو؟" ویرا نے اس کا

Downloaded From https://paksociety.com

مضحکہ اڑانے کی کوشش کی۔

"تم دونوں امریکا گئے ہوئے تھے اس لیے بہت سی باتیں تمہارے ذہنوں سے نکلی ہوئی ہیں۔" سلطان شاہ اسے نظر انداز کرکے پوری طرح سنجیدہ ہوگیا "بھول جاؤ کہ ہمارے دشمن اس فلیٹ کی اصلیت سے بے خبر ہیں۔ مجھے یہیں سے اغوا کرکے لے جایا گیا تھا۔"

سلطان شاہ کی اس یاد دہانی پر فرطِ حیرت سے ہم تینوں کے دہانے کھل گئے اور اول خان پُرجوش لہجے میں بولا "حیرت ہے کہ ہم یہ اہم ترین نکتہ فراموش کیے بیٹھے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زخموں کو خاصا افاقہ ہوا ہے، تبھی یہ عقل کی بات کررہا ہے۔" ویرا نے بادلِ ناخواستہ سلطان شاہ کی تعریف کی "ہمارے ایک دشمن کے باخبر ہونے کا مطلب ہے کہ یہ بات ان سب کے علم میں ہے۔ یہاں کا چکر لگانے والے شاید یہی دیکھنے آئے ہوں گے کہ ہم میں سے کون کون یہاں موجود ہے۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ خطرہ ٹلا نہیں بلکہ اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔" اول خان پہلو بدل کر بولا "ہوسکتا ہے کہ اب تک ان کو تمہاری واپسی کی اطلاع مل چکی ہو۔۔۔۔"

"اطلاع مل چکی ہے۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر اصرار کیا "گلشن والی لاشوں کی مبہم پوسٹ مارٹم رپورٹوں سے تمام لوگ دھوکا کھا جائیں گے مگر متعلقہ لوگوں کو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہوگی کہ اس خوں ریزی میں بُرم گن کو استعمال کرنے والا ڈینی اینڈ کمپنی کا ہی کوئی فرد ہوسکتا ہے۔ کھٹمل نے خود یہ نتیجہ اخذ نہ کیا تو اسے یہ بات سمجھائی جائے گی اور پھر طبل بجادیا جائے گا۔"

"ہماری غیر حاضری میں یہاں بیم گن استعمال نہیں ہوئی؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے سارے دشمن خاموش بیٹھے تمہاری واپسی کا انتظار کررہے تھے۔ تم آئے اور یہاں گڑبڑ شروع ہوگئی۔"

وہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ جب نیویارک میں پیری کاویلی اور بلیک ڈیڈ کے ذریعے ملی ہوئی بیم گن استعمال ہورہی تھی عین اسی وقت کراچی میں ہماری بیم گن بند تھی۔ کراچی میں بیم گن کا استعمال شروع ہونے سے پہلے نیویارک والی بیم گن اس کے اصل مالک تک پہنچ چکی تھی۔ اس اتفاق کی روشنی میں صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ کراچی سے نیویارک تک صرف ایک ہی بیم گن استعمال کی جارہی تھی۔ اس نظریے کی تصدیق کے لیے جینی کا بیان پیش کیا جاسکتا تھا۔

"مان لو کہ نقشہ کچھ گمبھیر ہوچلا ہے۔" اول خان نے رسانیت سے کہا "ہمیں کسی برے وقت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"تیاری سے شاید کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" ویرا نے فیصلہ صادر کردیا "اس فلیٹ میں ہمارے قیام کی کہانی اتنی دور تک پھیل چکی ہے تو ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کسی کسی محاذ پر مصلحت انگیز پسپائی بھی فتح کے برابر شمار کی جاتی ہے۔"

"یہاں سے نکل کر ہم کہاں جائیں گے؟" سلطان شاہ تشویش میں مبتلا ہوگیا۔

"عارضی طور پر ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنا ہوگا۔ ڈینی اپنے پرانے دوست جہانگیر کے گھر چلا جائے گا۔ میں، غزالہ کے ساتھ اول خان کے گھر میں رہ سکتی ہوں۔ تم چاہو تو ملیر چھاؤنی میں ایس ٹی ایف کے کسی مہمان خانے میں قیام کرسکتے ہو۔" ویرا نے تجویز پیش کی۔

"یہ تجویز بہت محفوظ اور مناسب ہے۔" اول خان اس کی تائید میں بولا "تم لوگوں کے نکلتے ہی میرے چند آدمی یہاں بیٹھ جائیں گے اور آنے والوں کے دانت کھٹے کردیں گے۔"

"ہم نے حالات کے منفی رخ پر بہت تیزی کے ساتھ سوچنا شروع کردیا ہے۔" میں نے اول خان کی طرف متوجہ ہوکر پوچھا "ہمیں کب تک یہاں سے نکل جانا چاہیے؟"

"جلد از جلد۔" اول خان نے بلا توقف جواب دیا "اگر تم سوچنے کے لیے مہلت چاہتے ہو تو زیادہ سے زیادہ آج کی رات اس چھت کے نیچے گزار لو۔ کل دوپہر سے پہلے تم سب کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ کل دوپہر سے پہلے فیصلہ ہوجائے گا۔" میں نے کہا۔

ان تینوں نے یک زبان ہوکر حالات کا ایسا نقشہ کھینچا تھا کہ میرے لیے اختلافِ رائے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ ایک طرف کھٹمل اور اس کے غنڈوں کا ہوّا نظر آرہا تھا تو دوسری طرف امریکیوں کی طرف سے کسی بھرپور انتقامی کارروائی کا اندیشہ تھا مگر مجھے یقین تھا کہ ہماری مخالف قوتیں اتنی تیزی کے ساتھ متحد اور متحرک نہیں ہوسکیں گی۔

اول خان نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک نمبر گھمایا اور

Downloaded from https://paksociety.com

کوڈورڈز میں کسی سے بات کرنے لگا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ وہ اپنے دفتری فرائض کی ادائیگی کے لیے تخلیہ چاہ رہا تھا۔ میں ویرا اور سلطان شاہ کو آنکھ سے اشارہ کرتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

"میں کس قسم کی باتیں سن رہی ہوں؟ اب ایسی باتوں سے طبیعت ہراساں ہونے لگی ہے۔" میرے' کمرے میں پہنچتے ہی غزالہ سرپر مسلط ہوگئی۔ وہ مسلسل گھر کے کام کاج میں مصروف تھی لیکن آتے جاتے ہوئے فلیٹ کی محدود فضا میں ابھرنے والی باتیں سن رہی تھی۔

"تم ان باتوں کا زیادہ اثر مت لو۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔" میں نے اسے دلاسا دیا "ان تینوں کے ذہنوں پر مایوسی سوار ہو چلی ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کے مشورے پر آج ہی عمل کرلیا جائے اور ہم یہاں سے نکل کر اپنی اپنی راہ لیں؟ میرا اور آپ کا بندھن اٹوٹ ہے' ویرا ویسے ہی آزاد منش لڑکی ہے۔ جلد ہی کہیں نہ کہیں اپنا آشیانہ بسالے گی۔ سلطان شاہ مرد ذات ہے۔ اس کی جیب میں معقول رقم موجود ہو تو وہ کہیں بھی ٹک کر کوئی کاروبار جماسکتا ہے۔ آخر ہم ایک دوسرے کے ساتھ کیوں بندھے ہوئے ہیں؟" غزالہ نے ایک ہی سانس میں تجاویز پیش کرنے کے ساتھ نازک سا ایک سوال بھی کرڈالا۔

"اپنے سوال کے جواب میں تمہیں ہر جواب مل جائے گا۔ تم نے کبھی سوچا ہے کہ یہ لوگ سائے کی طرح ہمارے ساتھ ساتھ کیوں لگے رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

غزالہ نے معصومانہ انداز میں سرہلا کر اپنی بے خبری کا اعتراف کرلیا۔

"دونوں مجھے اپنا بڑا تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تحفظ کے لیے ہمارے سائے میں پناہ لی ہوئی ہے کیونکہ ان کا اور ہمارا مشن ایک ہے۔ میں یک بہ یک انہیں الوداع کہہ کر اپنے مشن سے انحراف نہیں کرسکتا۔ یہ میری سب سے بڑی مجبوری ہے۔"

"یہ مشن تو زندگی بھر پورا نہیں ہوسکتا۔" غزالہ نے مایوسی سے کہا "کائنات میں نیکی اور بدی کی قوتیں روزِ اول سے برسرپیکار ہیں۔ کوئی پیغمبر بھی روئے زمین سے برائیوں کا مکمل خاتمہ نہیں کرسکا۔ ایک دن ہم لوگ بھی اسی مشن کا ایندھن بن جائیں گے۔ ہم نہیں ہوں گے تو کوئی دوسرا ہماری طرح یا شاید ہم سے زیادہ بہتر انداز میں ان برائیوں سے لڑرہا ہوگا تو کیوں نہ ہم آج ہی پیچھے ہٹ کر تھوڑی سی زندگی آزادی اور اپنی مرضی سے گزاریں؟ ہم انسان ہیں' ہمیں انسانوں ہی کی طرح رہنا اور سوچنا چاہیے۔"

میں نے اس کے روبرو کھڑے ہوکر اس کی جھیل جیسی گہری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور ملائمت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "یہ سب ہوسکتا ہے۔ ہم آج ایک بات دل پر رکھ لیں تو ان میں سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔ وہ تینوں اپنے دل مسوس کر رہ جائیں گے۔ دیوانوں کی اس ٹولی سے بچھڑ کر ہم صرف اپنے لیے زندہ رہیں گے۔ ان منشیات فروشوں کے خلاف ہمارا جہاد ختم ہوجائے گا جو ہر روز ہمارے گردوپیش میں نہ جانے کتنی غزالاؤں کے کامران ٹھنڈے کررہے ہیں' ماؤں کے لال اور بہنوں کی عزتوں کے محافظ موت کے ان سوداگروں کی ہوسِ زر کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں۔"

غزالہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں "ممی اور کامران بھائی کی یاد دلا کر آپ نے میرے پرانے زخموں کو تازہ کردیا ہے۔ ان ظالموں کے خلاف میں آج بھی دنیا کے آخری سرے تک جانے کے لیے تیار ہوں لیکن اب آپ ان سے نہیں لڑرہے' آپ روز بہ روز پُرپیچ سیاست میں الجھتے جارہے ہیں۔"

"تم بہت نادان ہو۔" میں نے اس کا رخسار تھپتھپا کر کہا۔ "یہ موت کے سوداگروں کے بہروپ ہیں۔ آج بھی ہماری لڑائی ان ہی سے ہورہی ہے۔ سی اور مافیا کیا تھی؟ ڈیوڈ اسٹارز کس سرمائے سے پل رہے ہیں؟ را اور سی آئی اے والوں کو بے اندازہ وسائل کہاں سے دستیاب ہورہے ہیں....."

"یہ سب درست ہے۔" اس نے میری بات کاٹ کر مصالحانہ انداز میں کہا "مگر آج یہ سارے محاذ ٹھنڈے ہوچکے ہیں۔ آپ کی لڑائی کھٹمل راجوانی سے ہے جو نہ جانے کون ہے۔"

"تم اپنی جگہ درست ہو۔" میں نے اقرار کیا "میرے سوا ہر ایک کو اس سے خوف آرہا ہے۔ وہ بظاہر ایک جاگیر دار ہے مگر مجھے شبہ ہے کہ وہ بھی ہیروئن کے دھندے میں ملوث ہے۔ میرے اردگرد سلگتے ہوئے راکھ کے ہر ڈھیر میں تمہیں ہیروئن کی چنگاری ضرور نظر آئے گی..... موت کے

Downloaded from https://paksociety.com

سوداگر اپنے اصل روپ میں ہوں یا بہروپ میں' میرے سامنے آئیں' میرے اندر کا وجدان انہیں پہچان لیتا ہے۔"

"تو کیا کھٹمل راکا ایجنٹ نہیں ہے؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔ ماں اور بھائی کے ذکر پر طاری ہونے والی رقت اس کے دل سے دور ہو چکی تھی۔

"وہ نہ جانے کیا کیا بنا ہوا ہوگا۔ اس کے ایک ایک پرت کو اتار کر تم آخر میں دیکھو گی تو تمہیں ہیروئن کا ایک گھناؤنا سوداگر نظر آئے گا جو پیسوں کے مول موت بانٹتا پھرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" غزالہ نے مغموم مسکراہٹ کے ساتھ پُرجوش انداز میں میرا ہاتھ دبایا "آج کے بعد میں اس بارے میں آپ سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔"

"شاباش! جب تک مجھ میں ہمت اور حوصلہ ہے' مجھے ان مکروہ چہروں سے لڑنے دو۔ لڑتے لڑتے جس دن میں تھک گیا' انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر دستبردار ہو جاؤں گا اور اسی دن یہ کہانی ختم ہو جائے گی۔"

"میں پورے صبر اور استقامت سے اس مبارک دن کا انتظار کروں گی جب آپ اپنے دشمنوں کو بھول کر صرف اور صرف میرے بارے میں سوچنا شروع کریں گے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

غزالہ کی وہ ادا اس قدر سادہ مگر سحر انگیز تھی کہ میرا دورانِ خون یک لخت تیز ہو گیا لیکن خواب گاہ کا کھلا ہوا دروازہ میرے کسی حرارت آفریں اور منہ زور جذبے کی زنجیر بن گیا۔ میں اپنا سر جھکا کر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈرائنگ روم کی فضا میں بیئر کی تازہ بُو ظاہر کر رہی تھی کہ ویرا موقع پا کر دوبارہ اپنے پسندیدہ مشغلے سے فارغ ہو چکی تھی۔ اول خان بھی فون پر گفتگو ختم کر چکا تھا اور اس وقت پورے انہماک سے ویرا کی کوئی سنجیدہ تقریر سننے میں مصروف تھا۔

میں نے دور ہی سے کھنکھار کر اپنی موجودگی کا اعلان کیا تو ویرا ہنس پڑی "بے فکر ہو کر چلے آؤ۔ یہاں کوئی راز و نیاز نہیں ہو رہے۔ تمہارا ہی ذکرِ خیر ہو رہا تھا۔"

"تم کہتی ہو تو مانے لیتا ہوں ورنہ تمہارے ذکر میں خیر کا عنصر کم ہی ہوتا ہے۔"

"کسی دن تم نے مجبور کر دیا تو اپنی شرپسندی کا ایسا کمال دکھاؤں گی کہ تم بس تلملا کر رہ جاؤ گے۔"

"پتا نہیں سامنے آنے کے بعد تم دونوں ایک دوسرے سے کیوں الجھنے لگتے ہو۔" اول خان نے صوفہ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے کہا "ابھی ویرا تمہارے لیے تعریفوں کے پُل باندھ رہی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تم نے امریکا میں رہتے ہوئے اپنے تمام حریفوں کو ناک چنے چبوا دیے ہوں۔"

میں نے اس کی وہ بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے پوچھا۔ "تم ابھی کسی سے بات کر رہے تھے۔ کھٹمل کے بارے میں' کوئی خیر خبر ملی یا ابھی تک سناٹا ہی سناٹا ہے؟"

"وہ لوگ فیلڈ میں ہیں۔ ان کی طرف سے دفتر میں پیغامات ضرور آئے ہوں گے۔ جاؤں گا تو ان کا جائزہ لوں گا۔ کوئی خاص بات ہوئی تو فون پر بتا دوں گا ورنہ شام کو واپسی پر ملاقات ہو گی۔"

اسے لفٹ میں الوداع کہہ کر میں پلٹا تو ویرا فلیٹ کے دروازے پر میری منتظر تھی۔

"ٹھنڈی بیئر پینے کا موڈ ہو تو میرے کمرے میں آ جاؤ۔۔۔ مزہ آ جائے گا۔"

"تم موج کرو۔ مجھے دو چار دن الکحل سے دور ہی رہنے دو تو اچھا ہوگا۔"

وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔ میں دوبارہ ڈرائنگ روم میں ہی لوٹ آیا۔ ویرا کی زبان سے جہانگیر کا ذکر سن کر میری طبیعت پر بے چینی اور ندامت سی طاری ہونے لگی تھی۔ امریکا سے میں نے ایک بار بھی فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جب کہ وہ بے چارہ محض میری دوستی کی وجہ سے کئی بار شدید مالی اور جسمانی پریشانیوں سے دوچار ہو چکا تھا۔

دوسری طرف سے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھا لیا گیا۔ ادھر سے سلمٰی کی آواز سن کر میری روح فنا ہو گئی۔ میرا دل چاہا کہ کچھ کہے بغیر فون بند کر دوں مگر میں وہ غیر اخلاقی حرکت نہیں کر سکا۔

"اوہو۔۔۔ تو تم زندہ ہو۔ ہم دونوں تو سمجھ رہے تھے کہ تم غزالہ کو چھوڑ کر بہانے سے ویرا کو بھگا لے گئے ہو۔ وہ حرافہ ہر وقت تمہارے ساتھ چپکی رہنے کی کوششوں میں لگی رہتی ہے۔"

سلمٰی کے شکوے نے مجھے چکرا کر رکھ دیا۔ گھر میں کسی نے مجھے اس سے رابطے کے بارے میں اطلاع نہیں دی

Downloaded from https://paksociety.com

تھی۔ دوسری طرف وہ جو کچھ کہہ رہی تھی، حقیقت پر مبنی تھا۔ اسے میرے اور ویرا کے جانے کی کہانی غزالہ یا سلطان شاہ سے ہی معلوم ہو سکتی تھی۔

"مجھے تم جیسی مہربان ہستیوں کی سوچ کا اندازہ تھا۔ میں اس کے ساتھ لوٹ آیا ہوں۔"

"کہاں کہاں مزے اڑاتے رہے؟ مجھے حیرت ہے کہ غزالہ نے تمہیں ایسی ڈھیل دی ہوئی ہے۔"

"بیویاں اپنے شوہروں کا مزاج دیکھ کر ڈھیل دیتی ہیں۔" میں نے شوخی سے کہا "غزالہ مجھ پر پورا اعتماد کرتی ہے اور تم دیکھ سکتی ہو کہ ہم آج بھی خوش و خرم ہیں۔"

"تم نے میرے پہلے سوال کا جواب گول کر دیا۔ ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم نے اسے کہاں کہاں کی سیر کرائی ہے۔"

"تمہارا اندازہ کیا کہتا ہے؟" مجھے ڈر تھا کہ کہیں اسے میرے صحیح پروگرام کا علم نہ ہو۔

"اندازے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ غزالہ نے بس اتنا بتایا تھا کہ تم ویرا کے ساتھ چند روز کے لیے مشرق بعید کی طرف نکل گئے ہو۔ ملکوں کے بارے میں وہ خود بے خبر تھی۔"

"اصل منزل بنکاک تھی پھر ذرا ہانگ کانگ بھی چلے گئے تھے۔" میں نے اطمینان سے کہہ ڈالا۔

"اوئی اللہ۔۔۔ یہ ویرا کی بچی کیا کرنے گئی تھی؟ میں نے تو سنا ہے کہ دنیا بھر میں صرف مرد ہی تفریح کے لیے بنکاک جاتے ہیں۔"

"سنی سنائی پر یقین مت کیا کرو۔ یہ بے پر کی خبر تمہارے میاں نے اڑائی ہوگی۔ جو لوگ اپنی بیویوں کے بغیر تفریح کے عادی ہوتے ہیں وہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے ایسی ہی افواہیں تراش لیتے ہیں۔ وہاں آنے والوں میں عورتوں کی مجموعی تعداد مردوں سے بس ذرا ہی کم ہوتی ہوگی۔ گرمیوں میں وہاں کے ریتیلے ساحل گوری میموں سے پٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

میرا جواب سنتے ہی وہ ہنسنے لگی تھی "تم جہانگیر کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔ بنکاک کے بارے میں یہ غلط سلط باتیں انہوں نے ہی بتائی تھیں۔ وہاں سے تم کب واپس لوٹے؟"

"کل رات آیا تھا۔ اس وقت تمہیں فون کر رہا ہوں۔" میں نے اس کی دل جوئی کے لیے کہا۔

"بس فون ہی کر رہے ہو!" اس نے شکوہ کیا "ادھر کیوں نہیں آجاتے؟"

اس کی آواز میں رونما ہونے والی تبدیلی محسوس کر کے میں جز بز ہو کر رہ گیا "کسی وقت غزالہ کے ساتھ ضرور آؤں گا۔ تم دونوں کو دیکھے ہوئے کافی دن ہو چکے ہیں۔"

"ان کو دیکھ کر تمہیں خوشی نہیں ہوگی۔ آج کل دکان میں بیٹھ کر ہلکی سی توند نکل آئی ہے۔"

"تو کیا اس نے کوئی دھندا شروع کر ہی لیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"بتاتے ہیں کہ دوائیں بیچ رہے ہیں۔ دارو پینے والا دوائیں بیچنے لگے تو تم سمجھ لو کہ مریضوں کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ بس ان کی دن بھر کی نوک جھوک سے نجات مل گئی ہے۔"

"اس کی دکان کا بھی چکر لگانا پڑے گا۔ کیا وہ وہیں گیا ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تیار ہو کر روز دس بجے گھر سے نکل جاتے ہیں اور نو بجے سے پہلے ہی واپس آجاتے ہیں۔ دن بھر مصروف رہنے کی وجہ سے پینا پلانا بھی کم ہو گیا ہے۔"

"تمہاری قدر بھی کرنے لگا ہوگا؟" میں نے احتیاط سے سوال کیا۔

"یہ کام ان کے بس سے باہر ہے۔" اس کی آواز میں ہلکی سی تلخی آگئی "رات کو پینا شروع کرتے ہیں تو روز کسی نہ کسی خوب صورت عورت کا ذکر ضرور کرتے ہیں جو ان کی دکان پر دوا لینے آئی ہو۔"

"مجبوری ہے۔ پچھلے برسوں میں تم سے لڑ لڑ کر یہ اس کا مزاج بن گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں جلانے کے لیے اپنے دل سے ایسی کہانیاں گھڑ لیتا ہو۔۔۔۔"

"میں ہر بار کچھ سوچ کر خاموش ہو جاتی ہوں۔" وہ میری بات کاٹ کر بولی "میں نے ایک دن بھی گھر پر دودھ پہنچانے والے کی تعریف میں چند لفظ کہہ دیے تو وہ ناچ اٹھیں گے۔"

"بھول کر بھی ایسی غلطی نہ کرنا۔" میں نے بوکھلا کر مشورہ دیا "وہ تمہیں زندگی بھر اسی گوالے کے طعنے دیتا رہے گا اور تمہاری زندگی عذاب ہو کر رہ جائے گی۔"

"میں خاموش ہی رہتی ہوں مگر کب تک؟ میں بھی ان کی طرح انسان ہوں۔ کسی دن میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو نتیجے کی پروا کیے بغیر ان کی طبیعت صاف کر دوں گی۔ دنیا بھر میں وہ تمہارے سوا کسی مرد کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ میں نے بارہا ان کے سامنے تمہاری تعریفیں کی ہیں لیکن وہ ان

Downloaded from https://paksociety.com

ذرا بھی برا نہیں مانتے۔ خود بھی کھل کر میرا ساتھ دیتے ہیں۔"

"اس کا یہی اعتبار مجھے بھٹکنے سے روکتا ہے اور تم سمجھتی ہو کہ میں تم سے دور بھاگتا ہوں۔" میں نے وہ نکتہ فوراً اپنی صفائی میں استعمال کر ڈالا۔

"ٹھیک ہے۔" سلمٰی فون پر ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "میں تمہارے ان بہانوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ جب تک دل چاہے' بے نیازی دکھاتے رہو۔ ایک نہ ایک دن تم میری بات سمجھ ہی لو گے۔"

"اس کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں رات کو دوبارہ فون کروں گا۔" میں نے اس کی بڑھتی ہوئی بے تکلفی سے خائف ہو کر فون بند کر دیا۔

میرے لیے یہ بات باعثِ اطمینان تھی کہ سلمٰی نے کسی پریشانی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کچھ لوگ ہمارے فلیٹ کی طرف ضرور متوجہ تھے لیکن اس بار میری وجہ سے جہانگیر میرے دشمنوں کا نشانہ بننے سے محفوظ تھا۔ کوئی مسئلہ کھڑا ہونے کی صورت میں اس کے گھر میں پناہ لی جا سکتی تھی۔

وہ دن کسی خاص واقعے کے بغیر دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ شام کو چار بجے ویرا کو اچانک بلیک ڈیڈ کا خیال آگیا۔ وہ فون پر اس کی خیریت جاننے کی خواہاں تھی۔

"اسپیکر فون موجود ہے۔ اس سے سی ایس ڈی بھی منسلک ہے۔ نمبر ملاؤ اور بات کر لو۔" میں نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر بے پروائی سے کہا۔

"تو کیا تم اس سے بات کرنے کے خواہش مند نہیں ہو؟" ویرا نے پوچھا۔

"میرا اندازہ ہے کہ میری یا تمہاری خواہش پوری ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"کیوں؟ تمہارے خیال میں وہ غائب ہو چکا ہوگا؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"اسے روپوش ہونے کا موقع مل گیا تو وہ خوش نصیب ہوگا ورنہ تمہاری موٹی سہیلی کے پھیلائے ہوئے فتور کے بعد اس کا قانون کے شکنجے میں پھنسنا ناگزیر نظر آرہا ہے۔"

"جینی نے ہمیں پہلے ہی اپنے عزائم سے آگاہ کر دیا تھا۔ اگر بلیک ڈیڈ اس کے بیان کی وجہ سے پھنستا ہے تو اس کی اخلاقی ذمے داری ہم دونوں پر آتی ہے۔ ہمیں بلیک ڈیڈ کو بھی ہوشیار کر دینا چاہیے تھا۔"

"تم بھول رہی ہو کہ جینی کی کہانی میں بلیک ڈیڈ کا نام کہیں بھی نہیں آیا ہوگا۔"

"پھر بھی اس کے دہرائے ہوئے واقعات اس کی نشان دہی کریں گے۔ ہمارے ہر جرم کا کریڈٹ اپنے سر لینے کے چکر میں وہ دلدل میں غرق ہو چکا ہوگا۔"

"یہ اس کے مقدر کا چکر ہے۔ تم فون پر دیکھ لو۔ وہ نہ ہوا تو جوڈی سے بات ہو جائے گی۔"

"ایک بار اس لعنتی بڑھیا سے بھی بات کر ہی لی جائے۔" ویرا فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

نیویارک میں وہ صبح سویرے کا وقت تھا۔ صبح کے چھ سوا چھ بجے وہاں وہی لوگ بیدار ہوتے ہیں جنہیں ڈیوٹی کی کوئی مجبوری درپیش ہوتی ہے۔ متعدد گھنٹیوں کے بعد اسپیکر فون پر جوڈی کی کرخت اور جھنجھلے دار آواز کسی کٹ کھنی بلی کی غراہٹوں سے مشابہ تھی۔

ویرا نے روزی برڈ کے نام سے اپنا تعارف کراتے ہوئے بلیک ڈیڈ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو نیند کے گہرے خمار کے باوجود بڑھیا کی آواز نرم پڑ گئی۔

"بے بی! وہ بے چارہ تیزی سے دوڑتے دوڑتے اچانک منہ کے بل گر پڑا ہے۔ اس سے تمہاری بات نہیں ہو سکے گی۔ ہم سب اس کے لیے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اسے کچھ ہوا تو نیویارک کے لاکھوں کالے اپنے حقیقی باپ کے سائے سے محروم ہو کر یتیم ہو جائیں گے۔"

جوڈی کے ان پیچ دار مکالموں پر ویرا کے دیدے پھیل گئے۔ الفاظ کے گورکھ دھندے میں بلیک ڈیڈ کے ساتھ پیش آنے والے اصل واقعے کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں تھا۔

"جوڈی! سلیس انگریزی میں بتاؤ کہ کیا ہوا ہے۔ اسے کیا حادثہ پیش آیا ہے؟"

فون پر جوڈی نے کسی نامعلوم عورت کو چند انتہائی غلیظ گالیاں دیں پھر کہا "یہ حادثہ ٹیلی وژن پر جینی کے بیان کے بعد پیش آیا تھا۔ وہ خود کو کسی ویرا لائیڈ کی سہیلی بتا رہی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے وہ بیان بہت غور سے سنا تھا کیونکہ جینی نے اس کے کئی کارنامے ویرا اور اس کے بوائے فرینڈ ڈینی کے کھاتے میں ڈال دیے تھے۔ بلیک ڈیڈ نے روپوشی کی تیاری کرتے ہوئے پورا بیان سنا تھا۔"

"رک کیوں گئیں؟ بات پوری کرو!" لائن پر سکوت طاری ہوتے ہی ویرا نے اسے ٹوکا۔

Downloaded From https://paksociety.com

"اس نے خطرہ بھانپ لیا تھا۔ وہ اپنے دو وفاداروں کے ساتھ نکلا لیکن ٹائمز اسکوائر کی بھیڑ سے نکلنے سے پہلے ہی پولیس کے ایک اسپیشل اسکواڈ نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ گولیاں چلیں، مقابلہ ہوا لیکن بلیک ڈیڈ نہیں بچ سکا۔ اب وہ پولیس کی تحویل میں ہے۔"

"ملنے جاؤ تو اس دلیر شخص کو میرا سلام پہنچا دینا۔ میں اس کے لیے اداس اور دل گرفتہ ہوگئی ہوں۔"

"ہم سب کا ایک ہی حال ہے بے بی!" جوڈی کی آواز رقت کی وجہ سے ڈراؤنی ہوگئی۔ ویرا نے جواب میں مزید کچھ کہے بغیر فون بند کردیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے تھے۔ جینی کی وجہ سے وہاں سب کچھ تلپٹ ہوکر رہ گیا ہے۔" ویرا کو میرے اندیشوں کی تائید کرتے ہوئے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

"دعا کرو کہ تبدیلیوں کا یہ سلسلہ زیادہ دراز نہ ہو ورنہ نئے مصائب اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

"بلیک ڈیڈ کی گرفتاری شاید تبدیلیوں کی آخری کڑی تھی۔ اس سے آگے کیا ہوگا؟"

"آئزک ببل بھی ابھی تک قید میں ہے۔ وہ شروع سے وہی باتیں کہتا چلا آرہا ہے جو جینی نے اب بتائی ہیں۔ اسے دوبارہ اہمیت ملنے کا امکان ہے۔"

"ہا..... آں!" ویرا نے سوچتے ہوئے کہا "اہمیت اس کے بیانات کو ملے گی۔ اسے مرکر بھی اپنا کھویا ہوا مقام نہیں مل سکتا۔ سی آئی اے والے سی دن تھرٹی کا حساب بے باق کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اب یہ بھی ثابت ہوچکا ہے کہ گیپ کے کاغذ اس کی تحویل سے نکل کر پاکستان پہنچ چکے ہیں۔ یہ دونوں جرائم اس کی زندگی تباہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ واشنگٹن والے رازداریوں کے معاملے میں بہت سفاکی سے فیصلے کرتے ہیں۔"

"امریکا میں جنم لینے والی تبدیلیوں کی لہر جلد ہی پاکستان کا رخ کرے گی۔" میں نے سگریٹ کا کش لے کر خود کلامی کے انداز میں کہا "آنے والے دن ہنگامہ خیز ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"ساری اہمیت وقت کی ہے۔ صحیح فیصلہ وہی ہوتا ہے جو بروقت کیا جائے۔ بلیک ڈیڈ نے وقت گزر جانے کے بعد فیصلہ کیا اور اب وہ گردش میں ہے۔ ہمیں آنے والے دنوں کے لیے ابھی سے تیار ہوجانا چاہیے۔"

"آج رات ٹھنڈے دل سے ایک بار پھر ہر اونچ نیچ پر غور کرلو۔ تجویز میں کوئی خرابی سامنے نہ آئی تو ہم کل یہ فلیٹ ضرور چھوڑ دیں گے۔ یہ واقعی مخدوش ہوچکا ہے۔"

"مجھے تو اس وقت بھی یہ محسوس ہورہا ہے جیسے ہم کسی آتش فشاں کے دہانے میں بیٹھے ہوں۔ کھٹومل کا معاملہ میری نگاہوں میں کھٹک رہا ہے۔ پتا نہیں اول خان کے آدمی کہاں جھک مارتے پھر رہے ہیں۔"

سوا پانچ بجے تک اول خان کی طرف سے فون نہیں آیا لیکن وہ خود آپہنچا اور میرے اعصاب پر بڑھتا ہوا دباؤ بڑی حد تک کم ہوگیا۔ ہمیں اس سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس نے ہمارے چہروں سے اندازہ لگالیا کہ انتظار کی شدت سے ہمارے اعصاب چیخ رہے تھے۔

"کھٹومل کی طرف سے کسی قسم کا فوری خطرہ درپیش نہیں ہے۔" اس نے بتایا "وہ اپنے گھر میں موجود ہے اور اس کے مکان کے لان پر ایک پُرتکلف ضیافت کا اہتمام ہورہا ہے جس میں موسیقی کے پروگرام کے بعد یا شاید وقفے میں طعام کا بندوبست بھی شامل ہے۔"

میں نے ویرا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اطمینان کی جھلکیاں نظر آئیں۔ اگر کھٹومل اس رات کسی بڑی محفلِ راگ و رنگ کی میزبانی میں مصروف تھا تو ہم چین کی نیند سوسکتے تھے۔

"یہ واقعی اہم اطلاع ہے۔" ویرا اول خان سے کہہ رہی تھی "اس کے گھر میں کوئی تقریب ہورہی ہے تو اس کی داغ بیل کئی دن پہلے ڈالی گئی ہوگی۔ ہمارے لیے وہ اپنی اس تقریب کو خراب نہیں کرے گا۔ اسے کچھ کرنا ہی ہے تو وہ آج کے بعد کسی بھی وقت سامنے آجائے گا۔"

"کہیں دہشت گردی کرنے کے لیے اسے خود میدان میں اترنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اس کے پاس تجربے کار آدمیوں کی ایک ٹیم موجود ہے۔" اول خان نے اسے یاد دلایا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" ویرا نے چونک کر اس سے سوال کیا۔

"سیدھی سی بات ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہے تو آج رات بھی کرسکتا ہے۔ وہ خود راگ و رنگ کی محفل سجائے بیٹھا رہے گا۔ اس کے آدمی اپنا کام کرگزریں گے۔" وہ بولا۔

"تمہارے آدمیوں نے سارا دن گزار کر یہی دو باتیں

Downloaded from https://paksociety.com

معلوم نہیں کی ہوں گی۔" میں نے ان کی گفتگو میں پہلی بار دخل انداز ہوتے ہوئے پُرخیال انداز میں سوال کیا۔

"بہت سی باتیں ہیں۔ میں نے ابھی صرف اہم ترین نکتہ بتایا ہے۔۔۔"

"اس کی آج کی سرگرمیوں پر بھی نظر رکھنے کی کوشش کی گئی ہوگی؟"

"اس نے سارا دن اپنے گھر پر گزارا ہے۔ اس کے تینوں فون بھی مانیٹر کیے جاتے رہے ہیں۔ اس نے کسی سے کوئی ایسی بات نہیں کی جس کی بنا پر اسے مشتبہ قرار دیا جا سکے۔"

"میں یہی جاننا چاہ رہا تھا۔ اس کی مکمل خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ ہم آج کی رات سکون سے گزار سکیں گے۔ جو کچھ ہونا ہے، کل دن کے اجالے میں ہی ہوگا۔"

"سکون کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بالکل ہی غافل ہو جائیں۔ ہمیں چوکنا رہنا ہوگا۔ میں نے اپنے چار بہترین آدمی اس عمارت کے آس پاس مامور کر دیے ہیں۔ ان کی نظروں سے بچ کر کوئی بھی مشکوک آدمی تمہارے فلیٹ تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

"ایسی نگرانی کسی مکان کے لئے مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔ ان کثیرالمنزلہ فلیٹوں میں آنے والے ہر شخص پر نظر رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ کوئی بھی کہیں سے اندر آ سکتا ہے۔" ویرا بولی۔

"آنے والے صرف اسی صورت میں چور راستہ اختیار کریں گے جب انہیں یہ معلوم ہو کہ یہاں نگرانی کا کوئی سخت بندوبست کیا گیا ہے۔ عام راستے سے آنے والے مکین کو چوکیدار پہچانتے ہیں۔ ملاقاتیوں کو اوپر آنے کی اجازت دینے سے پہلے متعلقہ مہمان سے چوکیدار انٹر کام پر تصدیق کرتا ہے۔ اس کے بعد ہی کوئی نیا آدمی لفٹ یا زینے کا رخ کر سکتا ہے۔" اول خان نے اسے بتایا۔

"پھر روک تھام ہو سکتی ہے۔" ویرا مطمئن ہو گئی "شہر کی پرانی عمارتوں میں تو میں نے یہ دیکھا ہے کہ جس کا دل چاہے وہ عمارت میں گھس جاتا ہے۔"

"شہر میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی اور عدم تحفظ کے احساس کی وجہ سے بہت سے متمول لوگوں نے اپنے الگ تھلگ مکانوں کو چھوڑ کر نئے فلیٹوں میں سکونت اختیار کرنی شروع کر دی ہے جہاں انہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ بے فکری سے پاؤں پسار کر سو سکیں گے۔" اول خان نے دردمندی سے کہا "کیسے دکھ کی بات ہے کہ آج یہاں لوگ خود کو اپنے گھروں میں بھی محفوظ تصور نہیں کرتے۔"

"یہ مسائل ہر بڑے شہر میں تیزی سے ابھر رہے ہیں۔" ویرا شاید کھٹومل اور اس کے غنڈوں کی طرف سے مطمئن ہو چکی تھی اس لیے پوری یکسوئی سے اس سنگین عمرانی مسئلے پر تبادلۂ خیال میں مصروف ہو گئی "جدید حفاظتی انتظامات کے باوجود فلیٹوں میں بھی وارداتیں ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن ان کا تناسب خاصا کم ہے۔ شاید اسی لیے ہم یہاں موجود ہیں۔"

"یہ رموز و نکات ان لوگوں کے لیے چھوڑ دو جو ان مسائل کے حل کے ذمے دار ہیں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں ویرا کو مشورہ دیا "اس وقت یہ دیکھو کہ ہمارے مسائل کیا ہیں۔"

"کم از کم آج کی رات کوئی مسئلہ سامنے آنے کی امید نہیں ہے۔۔۔"

میں اس کی بات کاٹ کر اول خان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "تم کھٹومل کے بارے میں مزید کچھ معلومات کا ذکر کر رہے تھے۔ ذرا ان پر بھی بات ہو جائے۔"

"کھٹومل بھی بیشتر جاگیرداروں سے مختلف نہیں ہے۔ اس نے غنڈوں کی فوج پالی ہوئی ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ ان غنڈوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو منشیات فروشی کے حوالے سے بدنام ماضی رکھتے ہیں اور آج بھی مشتبہ سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔"

"اس کی پشاور آمدورفت کے بارے میں معلوم ہوتے کی میں کھٹکا تھا۔ آزاد سرحدی پٹی میں ہیروئن کے چھوٹے بڑے سودے کرنے والوں کا پہلا پڑاؤ پشاور میں ہی ہوتا ہے۔"

"اس کے باوجود کھٹومل کا ریکارڈ بالکل بے داغ ہے۔" اول خان نے زور دے کر کہا "آج تک اس کا کوئی آدمی کسی چکر میں گرفتار نہیں ہوا۔ وہ ہر کام خاموشی سے کر گزرتا ہے۔"

"جب ولی جان اور شنکر رائے جیسے بے ضمیر افسر کسی مجرم کے زر خرید غلام بن جائیں تو کوئی اسے انگلی بھی نہیں لگا سکتا۔" ویرا نے تلخ لہجے میں تبصرہ کیا "تیسری دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہی ہے کہ جواب دہی کے تصور سے عاری افسر شاہی کو ہر ملک میں من مانی کرنے کی پوری آزادی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اس کے باوجود ان کی صفوں میں اول خان جیسے ایمان دار اور بے لوث لوگ موجود ہیں۔"

"یہ ہر شخص کے اپنے ضمیر اور اپنے اصول کا معاملہ ہوتا ہے۔ اول خان چاہے تو اسے کون بدعنوانیوں سے روک سکے گا؟ ایس ٹی ایف کے نشانے پر آیا ہوا ہر شخص فراخ دلی سے اپنی تجوریوں کے منہ کھولنے کی پیشکش ضرور کرتا ہوگا۔"

"اول خان کی توہین نہ کرو۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں شریک ہوتے ہوئے تادیب کی "وہ افسر ہے اور نہ افسر شاہی سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ ایس ٹی ایف والے تو مجھے کسی الگ تھلگ اور انوکھی برادری کے فرزند معلوم ہوتے ہیں۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اول خان بے اختیار ہنس پڑا۔ "ہمیں خود نہیں معلوم کہ ہمارا کس کھاتے میں شمار ہوتا ہے۔ ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور وقت پر ہمیں تنخواہیں مل جاتی ہیں۔ کاغذوں کو دیکھو تو ان پر ہمارا کوئی سراغ نہیں ملتا۔"

"اپنی سرگرمیوں کی وجہ سے پچھلے چند برسوں میں تمہاری فورس کی راز داری مجروح ہوئی ہے۔ پاکستان میں شاید کم لوگوں کو تمہارے بارے میں علم ہوگا لیکن ہر دشمن یہ جاننے لگا ہے کہ ادھر کا رخ کرتے ہی اسے سب سے پہلے تمہاری فورس سے تصادم مول لینا پڑے گا۔"

"ایک ادارے کے طور پر فورس کی یہی شہرت ہے۔" اس نے اعتراف کیا "مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ فورس کی کارکردگی کا شہرہ صرف میرے یونٹ کی کامیابیوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ کامیابیاں میں نے اسی وقت حاصل کرنی شروع کیں جب ڈینی نے ہمارا رخ کیا۔ ہماری بیشتر مہمات میں سے ڈینی کی کامیابیاں حذف کردی جائیں تو ہم بہت پیچھے نظر آئیں گے۔"

"میرا نہیں، سب کا نام لو۔" میں نے اس کی تصحیح کی۔ "ان کامیابیوں میں ہم پانچوں ایک دوسرے کے شانہ بہ شانہ رہے ہیں۔ غزالہ کا کردار محدود رہا ہے لیکن وقت پڑنے پر اس نے بھی کمال کی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ صرف میرا نام لے کر تم سب کی حق تلفی کر رہے ہو۔"

"دراصل تمہارا نام ہی اس پوری ٹیم کی شناخت بنا ہوا ہے۔ کوئی بھی جب تمہاری بات کرتا ہے تو اس کے ذہن میں تمہارا اور تمہارے گروہ کا تصور ہوتا ہے۔ کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم دو عورتوں اور صرف ایک مرد کے ساتھ یہ کامیابیاں حاصل کرتے ہو۔"

"ہماری کامیابی کی بنیادی وجہ بھی شاید یہی ہے کہ ہم گنتی کے چند افراد ہیں جو ایک ہی طرح سوچتے ہیں۔ یہ تعداد زیادہ ہوتی تو مسائل بڑھ سکتے تھے۔" اول خان کے جواب میں سلطان شاہ نے ہلکے سے فخر کے ساتھ کہا "ہم میں سے ہر ایک ڈینی کو اپنا بڑا تسلیم کرتا ہے۔"

"تم سب ڈینی کے ڈھول پیٹتے رہو، میں اسے نہیں مانتی۔" وہ گفتگو واقعی ستائش سے کچھ تجاوز کر گئی تھی اس پر ویرا کا بھڑکنا قدرتی امر تھا۔ وہ کہہ رہی تھی "ڈینی بھی فاش غلطیاں کرتا رہا ہے اور ہم نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کامیابی کا سبب صرف اتنا ہے کہ ڈینی انا کے چکر میں پڑے بغیر ہر معقول مشورہ مان لیتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو یہ اپنی پیش بینی کی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود کئی بار مار کھا چکا ہوتا۔"

"میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔" میں نے اسے یقین دلایا "اب یہ ذکر ختم ہو جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کٹومل کے خلاف صف آرا ہونے تک ہمارے درمیان اختلافات کی دراڑیں پڑ چکی ہوں۔"

"کھلے دل سے بات کرنے کی اجازت اور سننے کا حوصلہ ہو تو کبھی اختلاف رونما نہیں ہوتے۔" اول خان نے ہلکی سی انگڑائی لے کر کہا۔ "آج کا دن میں نے کافی مصروف گزارا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔"

اسی وقت غزالہ اس کے اور ہمارے لیے چائے کی ٹرے سنبھالے آموجود ہوئی۔

"میں چائے نہیں پیوں گی۔" ویرا مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی "میری پیالی تم لے لو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم کیا پی رہی ہو۔" سلطان شاہ نے سر ہلا کر کہا "اپنے کمرے کا دروازہ بند کرکے تم اس بُو کو قید نہیں کر سکتیں جو پورے گھر میں پھیلی ہوئی ہے۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی۔" ویرا آنکھیں نکال کر اس پر برس پڑی "تمہیں میرے کمرے کی ٹوہ میں لگے رہنے کے سوا کیا کوئی اور کام نہیں ہے؟"

"تمہارے کرتوتوں سے واقفیت کے لیے کسی کوشش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اشتہاری پھپھلے ہر ایک کو محسوس ہوتے ہیں۔ یہ تینوں شریف آدمی خاموش رہتے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ

Downloaded from https://paksociety.com

انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔۔۔"

ویرا اس کی پوری بات سنے بغیر غصے میں ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔

"بری بات ہے۔" میں نے ویرا کے چلے جانے کے بعد سلطان شاہ کو ملامت کی "ہر ایک اس کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے لیکن بھری محفل میں نجی مشاغل پر یوں طعنہ زنی مناسب نہیں ہوتی۔ اب وہ تم سے کئی روز تک ناراض رہے گی۔"

"وہ امریکا میں گزارے ہوئے دنوں سے اس قدر بیزار ہے کہ اب ہم میں سے کسی سے ناراض نہیں ہو سکتی۔ تم دیکھ لینا کہ کھانے کی میز پر وہ ہر بات بھول چکی ہوگی۔"

"تھوڑی دیر بعد اول خان واپس چلا گیا۔ جاتے جاتے اس نے ہمیں یہ بتا دیا تھا کہ فلیٹ کی بیرونی حفاظت پر مامور کیے ہوئے اس کے آدمی ہم چاروں کو انفرادی طور پر پہچانتے تھے اور کوئی ہنگامی ضرورت پیش آنے پر ہر کے حوالے سے ہم سے رجوع کر سکتے تھے۔

سلطان شاہ متوقع حالات کے پیش نظر سارے ہتھیار سمیٹ کر اپنے کمرے میں لے گیا تاکہ دیکھ بھال کے ساتھ ان کی صفائی کر سکے۔ غزالہ ایک خانہ دار خاتون کی طرح برتن سمیٹنے میں مصروف تھی۔

"اجازت ہو تو کچھ دیر ویرا کے ساتھ بیٹھ لوں؟" میں نے خاموشی سے کچن میں داخل ہو کر غزالہ کے کان کے نیچے سرگوشی کی۔

وہ تیزی سے پلٹی تو اس کی مسکراتی ہوئی آنکھوں میں شوخی تیر رہی تھی "خیریت تو ہے؟ کیا آج آپ کی طبیعت ناساز ہے؟"

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے ہڑبڑا کر کہا۔ "تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟"

"میں کبھی روک ٹوک کرتی ہوں نہ آپ کبھی مجھ سے اجازت لیتے ہیں پھر آج یہ خیال کیسے آگیا؟" اس نے مسکرا کر ایک ادا کے ساتھ سوال کیا۔

"تمہاری باتوں کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ مجھے تمہاری کسی دل آزاری کے اندیشے سے خوف آنے لگا ہے۔" میں نے پوری ایمان داری سے سچ بات کہہ ڈالی۔

"میری طرف سے ہر بدگمانی اپنے دل سے نکال دیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ویرا آپ کو جیسی کمپنی دیتی ہے وہ میرے بس سے باہر ہے۔ جس دن مجھ سے یہ باتیں برداشت نہ ہوئیں، میں خود پورے لوازم کے ساتھ آپ کے شوق کا ساتھ دوں گی۔"

میدان صاف تھا۔ میں نے اس کی نکھری ہوئی، سادہ سوچ پر بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

میں دستک دے کر ویرا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ روشنیاں گل کر کے کھڑکیوں کے پردے کھینچے، دیوار گیر بلب کی مدھم اور خواب ناک روشنی میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ قالین پر بیئر کے کئی خالی کین لڑھکے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے دن کی ابتدا بیئر سے کی تھی لیکن غروب آفتاب کے استقبال کے لیے اپنے کمرے میں رات کا سماں پیدا کر کے وہ مشروب بدل چکی تھی۔ گلاس میں اس وقت اسکاچ موجود تھی۔

مجھے دیکھ کر اس نے اپنے قریب قالین پر رکھا ہوا کیسٹ ریکارڈر آن کر دیا۔ کمرے میں بہت دھیمی آواز میں منی بیگم کے غزلیاتی سُر گونجے تو میں ویرا کے اس ذوق پر حیران رہ گیا۔

"تم ایلوس پریسلے اور مائیکل جیکسن کے بجائے منی بیگم کی غزلیں سن رہی ہو!"

"بول سمجھنے کی استطاعت ہو تو یہ شاعری نشے کو دو آتشہ کر دیتی ہے۔ کہو تو تمہارے لیے بھی نکالوں؟" میری رضا مندی سے پہلے ہی اس نے بوتل اٹھالی۔

"یہ میرا پہلا اور آخری گلاس ہوگا۔" میں نے اسے آگاہ کیا "میں تمہیں یہ مشورہ دینے آیا تھا کہ تم بھی قناعت سے کام لو۔ آج کی رات ہم پر بھاری پڑ سکتی ہے۔"

"کھل کر ہر بات کر لی گئی تھی۔" اس نے چونک کر کہا۔ "اب یہ کون سا نیا فتور تمہارے ذہن میں آرہا ہے؟"

"انسان کا ذہن ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ رات سکون سے گزر جائے لیکن ہمیں تیار رہنا چاہیے۔ کیا پتا کہ آج کچھ ہو ہی جائے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہیں اول خان کی دی ہوئی اطلاعات پر بھروسا نہیں ہے۔"

"پورا بھروسا ہے۔ اس نے محدود وسائل پر انحصار کیا تھا۔ کھٹمنڈو یہ جانتا ہے کہ بات چیت کے لیے عام فون محفوظ نہیں ہوتے۔ اگر اس نے موبائل فون پر اپنے آدمیوں کو ہدایات دی ہوں تو کیا ہوگا۔"

"ہر اچھی سہولت اپنے ساتھ کچھ مشکلات بھی لے کر آتی ہے۔" وہ نیا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں بولی "سنا ہے کہ اس سسٹم پر ہونے والی گفتگو کہیں

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں پکڑی جاسکتی۔"

"میں اسی خطرے کی نشان دہی کررہا ہوں۔ باہر اول خان کے آدمیوں کی موجودگی کے باوجود ہمیں ہوشیار رہنا چاہیے۔ یہ صرف ایک رات کی بات ہے۔ کل ہم کسی نئے ٹھکانے پر ہوں گے۔ تم وہاں دل کھول کر اپنے سارے شوق پورے کرلینا۔"

اس نے اپنے نیم لبریز گلاس میں مزید اسکاچ اور برف ڈالتے ہوئے کہا "پھر اسے میرا بھی آخری گلاس سمجھو۔ کبھی کبھی تم مجھے خوف زدہ کردیتے ہو۔"

ویرا اس وقت سرور کے عالم میں تھی۔ میں اسے متوقع خطرے کا احساس نہ دلاتا تو شاید اس کا ذہن ہلکے پھلکے رومان کی دھند میں ڈوبتا چلا جاتا۔ میری طرف سے لگام لگنے کے بعد اس کا ذہن کھٹمل کی طرف بھٹک گیا۔ وہ نیا نام سامنے آتے ہی ہمارے لیے مشکلات کا سبب بن گیا تھا۔

رات کے کھانے پر ہم چاروں خاموش اور پُرسکون تھے۔ ہر شخص اپنی جگہ کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔ سلطان شاہ کے دعوے کے عین مطابق ویرا اس کی شام والی گستاخی کو بالکل بھول چکی تھی۔

"ہم سب اتنے خاموش کیوں ہیں۔" ویرا نے چٹپٹے کوفتوں کا ایک لقمہ لیتے ہوئے تعجب سے پوچھا "ایسا معلوم ہورہا ہے جیسے ہم کسی کی تدفین سے واپس آکر روٹی کھا رہے ہوں۔"

"تم بولتی رہو تو سب بولتے رہیں گے۔" سلطان شاہ نے کہا "اس وقت تم ہی میرِ محفل ہو۔"

تشویش اور فکر مندی کا سب سے پہلا ایندھن انسان کی خوش مزاجی بنتی ہے۔ انفرادی کوششوں کے باوجود فلیٹ کی فضا میں چھایا ہوا بوجھل پن دور نہ ہوسکا۔

"سوگواری کے ساتھ ایک دوسرے کے منہ تکنے سے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے اپنے بستروں میں آرام کریں۔" کھانے کے بعد میز پر اپنی پہلی سگریٹ ختم کرنے کے بعد ویرا نے تجویز پیش کی جسے سب نے قبول کرلیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اعصاب پر بے چینی سی طاری ہوئے چلی جارہی تھی۔ سلطان شاہ نے ہم چاروں میں ہتھیار تقسیم کردیے تاکہ ضرورت پیش آنے پر افراتفری پیدا نہ ہو۔ ویرا بیم گن بھی اپنے ساتھ رکھنے پر بضد تھی مگر وہ میں نے اپنے پاس رکھ لی پھر ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

دس بجے فون کی گھنٹی بجی تو بے اختیار میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور میں نے ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے اول خان بول رہا تھا "آج کی رات کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں۔۔۔ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے دو مشکوک گاڑیاں تمہارے قرب وجوار میں دیکھی جارہی ہیں۔"

"گڈ! یہ بات تسلی بخش ہے کہ تمہارے آدمی ان کی موجودگی سے باخبر ہیں۔ ہم بھی کسی بری گھڑی کا سامنا کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔"

"ابھی تک ان میں سے کوئی گاڑی سے نہیں اترا۔ یوں معلوم ہورہا ہے جیسے وہ چکر لگا کر جائزہ لے رہے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ رات گہری ہونے کے بعد ہی کوئی کارروائی کریں گے۔"

"ہمارا علاقہ خاصا بارونق ہے۔ یہاں رات کی ویرانی ذرا دیر ہی سے دکھائی دیتی ہے۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ ایسے موقع کی تلاش میں ہیں تو انہیں رات کے دو ڈھائی بجے تک انتظار کرنا ہوگا۔"

"اگر وہ پیشہ ور ہیں تو اتنا لمبا انتظار نہیں کریں گے۔ خوف وہراس پھیلانے کے لیے کہیں بھی دو چار فائر کریں گے اور ذرا سی دیر میں ہر طرف سناٹا ہوجائے گا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چاروں آدمیوں کے پاس کوئی ٹرانسمیٹر وغیرہ نہیں ہے جس پر ان سے مسلسل رابطہ رہ سکے۔ ان کی طرف سے ابھی ابھی فون پر یہ رپورٹ ملی ہے۔ میں بندوبست کررہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے ہی کارروائی شروع ہوجائے۔ تم کو بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہے۔ میں خود بھی وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

اول خان کی طرف سے وہ اطلاع ملتے ہی میرے وجود پر چھایا ہوا بے نام اضطراب یکایک کہیں جا سویا تھا۔ ویرا نے اپنی عادت کے برعکس ایکسٹینشن اٹھا کر کال میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میری خواب گاہ کے دروازے پر دستک دے کر سلطان شاہ کے ساتھ وہیں آگئی تھی۔

میں نے باری باری ان کے گمبھیر چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے اول خان سے کہا "اگر تم ادھر آرہے ہو تو پھر ہم نیچے ہی تمہارا انتظار کریں گے۔ یہ رات۔۔۔"

"نہیں!" اول خان فون پر بے ساختہ چیخ پڑا "تم میں سے کوئی بھی فلیٹ سے باہر قدم نہیں نکالے گا۔ دونوں

Downloaded from https://paksociety.com

گاڑیوں میں دس بارہ بدمعاش بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاتھوں تم میں سے کسی کے بدن پر خراش بھی آئی تو میں اپنی ناقص منصوبہ بندی پر خود کو کبھی معاف نہیں کرسکوں گا۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے سکون سے کہا "میں بہت سوچ سمجھ کر بات کررہا ہوں۔ وہ لوگ آہی گئے ہیں تو تمہارے مسلح آدمی ان سے نمٹ لیں گے۔ وہ کسی طرح فلیٹ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تو انہیں میدان خالی ملے گا....."

"اور تم چاروں کھلے آسمان تلے میرا انتظار کرتے رہو گے۔" وہ میری بات کاٹ کے بے صبری سے بول پڑا۔

"پوری بات سن لو۔ وہ یہاں آئے ہیں۔ ہم اپنا گھر چھوڑ کر اسی وقت کھٹول کے گھر پر دھاوا بولیں گے اور اس کی محفلِ عیش ونشاط کو تہس نہس کردیں گے۔"

اچانک فضا میں مسلسل تین فائروں کی بھیانک آواز گونج اٹھی۔

"لو! وہ شاید تمہارے اندیشوں سے باخبر ہوگئے ہیں۔ باہر تین فائر ہوئے ہیں۔" میں نے کہا۔

باہر ایک مرتبہ پھر وقفے وقفے سے گولیاں چلیں۔ وہ بھی تین فائر تھے۔ دور ہوتی ہوئی آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس بار چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کیے گئے تھے۔

"فائرنگ کی آوازیں مسلسل آرہی ہیں۔" اول خان کی آواز پُر تشویش تھی "اب باہر مت نکلنا۔ خطرہ ٹل جانے کے بعد میں خود کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ کروں گا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" میں نے بگڑ کر کہا "ہم میں سے کوئی بھی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ بڑھ کر انہیں منہ توڑ جواب دینا ضروری ہوگیا ہے۔ ابھی وہ شاید صرف خوف و ہراس پھیلا رہے ہیں تاکہ ان کی کارروائی کے لیے میدان صاف ہوسکے۔ ہم ان کے لوٹنے سے پہلے کھٹول کی طرف نکلنے میں کامیاب ہوگئے تو وہاں افراتفری پھیلائیں گے۔ یہاں پھنس گئے تو تمہارے آدمیوں کے ساتھ مل کر انہیں مزہ چکھا دیں گے۔"

"تمہارے سر پر خون سوار ہوجاتا ہے تو تم کسی کی نہیں سنتے۔" اول خان کی آواز میں غصے اور بے بسی کا امتزاج تھا۔ "کھٹول کے گھر ایک بڑا اجتماع ہے۔ وہاں کوئی گڑبڑ ہوئی تو بھگدڑ میں بہت سے بے گناہ بھی روندے جائیں گے۔ وہ خود تمہارے ہاتھ نہیں آسکے گا۔"

"اس غدار سے میل جول رکھنے اور اس کی محفلیں سجانے والے ایک مرتبہ روندے گئے تو دوبارہ اس کے گھر کا رخ نہیں کریں گے۔ مجھے ان سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔ میرے سر پر کسی قسم کا خون یا جنون سوار نہیں ہوا۔ میں بالکل نارمل ہوں۔ باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اب تم بھی نکل آؤ۔"

میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کردیا۔ میرا خیال تھا کہ ہمارے دشمنوں نے باہر فائرنگ کرکے خود ہی اپنا کام دشوار بنالیا تھا۔ وہ شہر کا حساس اور اہم علاقہ تھا۔ وہاں فائرنگ ہوتے ہی پولیس کی بھاری نفری کا حرکت میں آنا ناگزیر تھا۔ پولیس کے گشت اور مستعدی میں اضافے کے بعد کوئی کارروائی آسان ثابت نہیں ہوسکتی تھی۔

ہمارے پاس ہتھیار تیار تھے۔ ان کے بغیر باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ گو باہر فائرنگ کا شور ہر ایک کے کانوں تک پہنچ چکا ہوگا لیکن پھر بھی ہم کھلے ہتھیاروں کے ساتھ باہر نکل کر خود کو تماشا نہیں بنا سکتے تھے۔ دیکھنے والے اجنبی خود ہم کو دہشت گرد یا تخریب کار سمجھ سکتے تھے۔

اپنے اپنے ہتھیاروں کو کپڑوں میں چھپانے اور جوتے وغیرہ پہننے میں ہمیں مشکل سے چند منٹ لگے۔ سونے کے لیے کپڑے کسی نے بھی تبدیل نہیں کیے تھے۔ ہم چاروں ذرا سی دیر میں فلیٹ سے باہر تھے۔ انفرادی روشنیوں وغیرہ کو بند کرنے کے بجائے میں نے فلیٹ سے نکلتے ہوئے مین سوئچ ہی آف کردیا۔

لفٹ نے اپنی جگہ سے ذرا سی جنبش کی ہی تھی کہ فضا اس بار کسی خود کار ہتھیار کے خوفناک برسٹ سے لرز اٹھی۔ اسی کے ساتھ دل کو دہلا دینے والا ایک دھماکا ہوا اور ہر سو تاریکی پھیلنے کے ساتھ ہی لفٹ جہاں تھی وہیں رک گئی۔

ہمارے دشمنوں نے انتظار کا خطرہ مول لیے بغیر بہت تیزی دکھائی تھی اور برسٹ مار کر شاید اس ٹرانسفارمر کو اڑا دیا تھا جس سے ہماری بلڈنگ کو بجلی فراہم کی جاتی تھی۔

دشمن کھلی فضا میں آزادی سے دندناتے اور اپنی من مانیاں کرتے پھر رہے تھے' ہم بجلی کے تعطل کی وجہ سے درمیان میں پھنسی ہوئی لفٹ میں قید ہوگئے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

ٹھکانے لگا کر اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ رفتہ رفتہ وہ میرے حصار میں آتا چلا گیا اور آخر کار میں نے کشمیر روڈ کے ایک مکان میں اسے اپنا قیدی بنالیا۔ اس ٹھکانے کی نشان دہی کرنے والا ساگا ناگی بدمعاش ہمارا ذخمی قیدی تھا۔ وہ ایک اصحاب شکن مقابلہ تھا۔ راس المیڈا پکڑا گیا مگر اس کا ساتھی جان 'ویرا کو اغوا کر کے لے گیا۔ اس نے ڈیرا کو مجھ سے فون پر بات کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ویرا کی رہائی کے بدلے راس المیڈا کی آزادی کا طلب گار تھا۔ اسی دوران میں کچھ لوگوں نے ساگا کو نکال لے جانے میں کامیابی حاصل کرلی مگر وہ کسمپرسی کے عالم میں مرگیا۔ ہم جان کی پناہ گاہ کا سراغ لگانے کی کوشش میں لگے رہے۔ فون نمبر کے حوالے سے وہ پتا معلوم ہوگیا۔ ہم پوری احتیاط اور تیاریوں کے ساتھ اس تاریک اور بنجا ہر ویران مکان میں پہنچے تو گھور اندھیرے میں اچانک ہی سنی سامنے آگیا۔ میری دانست میں وہ بازار حسن میں پروان چڑھنے والا ایسا بے مُہر نوجوان تھا جو زنانہ عادتوں میں مبتلا تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سنی' راس المیڈا کا آدمی ہوگا۔ اول خان اسے اپنے آدمی کے قاتل کے طور پر شہر بھر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا مگر وہ جان اور راس المیڈا کے زیر سایہ اس کمین گاہ میں روپوش تھا۔ سنی نے بازپرس کے بعد بتایا کہ ساگا نے مرنے سے قبل اسے ایک فون نمبر دے کر اپنی حالت کی خبر کرنے کو کہا تھا۔ اس فون پر بات کرنے والے گورے نے اسے اس خالی مکان کا رخ کرنے کی ہدایت کی تھی اس لیے وہ یہاں موجود تھا۔ سنی نے جب یہ بھانپ لیا کہ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے تو اس نے اپنی جاں بخشی کے عوض ساگا کا آخری پیغام دہرا دیا جو دو مہمل الفاظ 'نیلور ہاسیے' پر مشتمل تھا۔ اول خان نے اسے ہلاک کردیا۔ اب ہمیں ہمارا انتظار تھا جسے سنی سے ملاقات کے لیے آنا تھا۔ جان آیا تو ہم نے اسے چھاپ لیا۔ اس دوران میں ہمیں یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ جان نے جس سفارت کار کے گھر پناہ لے رکھی ہے' اس کا گھر اسی مکان سے ملحق ہے۔ جان کو بے بس کرنے کے بعد ہم نے اس سفارت کار کو دھوکے سے مکان میں بلوالیا۔ وہ ایک امن پسند اور شریف آدمی تھا۔ وہ ویرا کو اس کی رضامندی کے ساتھ اس شرط پر ہمارے حوالے کرنے پر آمادہ ہوگیا کہ جان کو چھوڑ دیا جائے۔ اس تبادلے کے بعد ہم گھر پہنچ گئے۔ جان ہمارے بدترین تشدد کو نہ سہار سکا اور الٹی امداد ملنے سے پہلے ہی دم توڑ گیا جبکہ وہ سفارت کار ہماری وجہ سے وہاں میں آگیا۔ سنی کے کہے ہوئے الفاظ 'نیلور ہاسیے' اب میرے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ راس المیڈا امریکنوں کے لیے بہت اہم ہے۔ وہ اسے رہا کروانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرسکتے ہیں' اس کا قصہ جلد پاک ہو جانا چاہیے۔ اول خان کے ساتھ ہم چار روز رہے والے وقت سے بے خبر' اپنے خوفناک عزائم کے ساتھ اسٹیشن فور کی طرف روانہ ہوگئے۔ باہمی تبادلۂ خیال کے بعد یہ خیال زور پکڑتا چلا گیا کہ راس المیڈا کے جسم میں کوئی چپ موجود رہا ہو گا جس کی مدد سے اسٹیشن فور کی نشاندہی کی جاسکتی تھی۔ اول خان نے اپنے دوست کمانڈر سعید سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ امریکن نیوی کے مطابق اس لڑاکا جہاز سے پرواز کرنے والا وہ ایک پہلی کاپٹر لایا ہے جس میں صرف دو افراد سوار تھے۔ اندازہ تھا کہ یہ راس المیڈا کی بازیابی کی مہم پر نکلا تھا۔ ویرا نے راس المیڈا پر تشدد کر کے دھوکے سے بے خبر

میں بند کرکے امریکا پہنچا تھا۔ میں نے اول خان کو صورتِ حال بتادی مگر وہ بدقسمتی سے اپنی کوششوں میں ناکام رہا اور امریکی، کریہ کا سی دن تھرلی سلطان شاہ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے اپنی امریکا روانگی کی اطلاع دی اور رابطے کا نمبر بھی دے دیا۔ ہماری امریکا روانگی سے قبل اول خان نے اطلاع دی کہ سلطان شاہ نے ہی دن تھرلی اغوا کرلیا ہے۔ میں نے دوبارہ آئزک بیل سے رابطہ کیا۔ امریکی قوم کی ساکھ داؤ پر لگی ہوئی تھی چنانچہ وہ اس خبر کو دبانا چاہ رہا تھا۔ فوری خیال کے تحت فیصلہ کرکے میں نے آئزک بیل سے طویل گفت وشنید کی جس کے نتیجے میں سلطان شاہ کو شدید زخمی حالت میں القوہ کے ایک اسپتال میں پہنچایا گیا۔ امریکا کے سفر میں ہماری ملاقات خرم نامی نوجوان طالب علم سے ہوئی۔ وہ نادا کنگھی میں سنسنات فروشوں کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اس کی مدد کرنے کے دوران میں وہ راجیو ڈیڈ اسٹارز کی نظروں میں آگئی اور آئزک بیل ہماری آمد سے آگاہ ہوگیا۔ بدری ناتھ نے ملاقات میں بتایا کہ اسے جلد ہی کسی اور شہر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے مجھے آئزک بیل کے آفس کا پتا بھی مل گیا۔ آئزک بیل کو غلط فہمی تھی کہ میں بلیک ڈیڈ کا مہمان ہوں۔ اسے خوف زدہ کرنے کو میں نے اس کے دفتر آنے کا عندیہ دیا۔ وہ فوراً آفس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ویرا جو اس کے آفس کا جائزہ لینے گئی تھی، اطمینان سے واپس آگئی کہ آرکی۔ اس کے بیان کے مطابق آئزک بیل رمنگس انکارپوریٹڈ نامی ایک سیکیورٹی کمپنی کا چیف آپریٹنگ آفیسر تھا۔ وہاں ویرا کو اپنی ایک پرانی سہیلی جینی بھی نظر آگئی۔ آئزک بیل نے بلیک ڈیڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردیا۔ جینی نے آئزک کی ایک اہم فائل ویرا کے حوالے کردی۔ آئزک بیل سے رابطہ ہوا تو اس نے بتایا کہ کراچی کا ایٹمی بجلی گھر ناکارہ ہوچکا ہے۔ اس کی مرمت کے لیے پرزے امریکا سے جانے تھے۔ یہ پرزے داری رمنگس کمپنی کی تھی۔ جینی کے ذریعے معلوم ہوا کہ اس سامان کو دو روز کے لیے ایک گودام میں ذخیرہ کیا جانا تھا۔ کزیڈ کا امکان غالباً وہیں تھا۔ میں نے ویرا کو گودام کی نگرانی کے لیے بھیج دیا۔ جینی سے حاصل ہونے والی فائل کی ایک کاپی میں نے اول خان کو بھجوادی تھی تاکہ وہ اسے ذی کوڈ کرا سکے۔ جینی کے مطابق اس اہم فائل کی گمشدگی پر آئزک بیل آگ بگولا تھا۔ میں نے آئزک بیل سے فون پر بات کی تو اس نے اس فائل کے عوض ایک بھاری رقم کی پیشکش ... کی جسے میں نے مسترد کردیا۔ ویرا نے ہمارے مطلوبہ گودام کے برابر والی دکان کرائے پر حاصل کرلی تھی لیکن وہ بلیک ڈیڈ کی نظروں میں آگئی تھی۔ اسے مطمئن کرنے کے بعد ہم منصوبے کے مطابق پرنسٹن روانہ ہوگئے۔ یہاں میں نے انٹرنیشنل اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سینئر ٹیکنیشن کو پرزوں میں گزیڈ سے بازر کھا۔ اسے ہلاک کرنے کے بعد میں نے اسے لیزر گائیڈڈ بموں سمیت ایک کنوئیں میں پھینک دیا جو وہ اپنے آقاؤں کے ایماپر ان پرزوں میں نصب کررہا تھا۔ ہوٹل پہنچ کر بلیک ڈیڈ اور جینی کے پیغامات ہمارے منتظر تھے۔ میں نے ویرا کے کہنے پر بلیک ڈیڈ سے بات کی تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ ہماری نگرانی کروا رہا ہے۔ وہ ویرا سے ملنا چاہتا تھا۔ اس دوران میں غیر متوقع طور پر میں فائل کو ذی کوڈ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ سی آئی اے 'آئزک بیل' راس المیڈا اور امریکی صدر کی پرسنل سیکریٹری کے درمیان ہونے والا ایک معاہدہ تھا جس کا مقصد پاکستان 'ایران اور افغانستان کے مفادات کی تباہی تھا۔ میں نے آئزک بیل سے اس حوالے سے بات کی تو اس کا سارا غبار خاک میں مل گیا۔ اول خان کو میں نے خوش خبری سنادی کہ کراچی بھیجے جانے والے پرزے بے ضرر سے استعمال کے جاسکتے ہیں اور فائل ذی کوڈ ہوگئی ہے۔ اس نے بتایا کہ سلطان شاہ کو امریکی قضائیہ کی ائر ایمبولینس کے ذریعے پاکستان لایا جارہا ہے اور یک سوڈے امریکا روانہ ہورہا ہے۔ میں نے ویرا کے ساتھ بلیک ڈیڈ سے ملاقات کی تو پتا چلا وہ ہماری ایک ایک حرکت سے باخبر تھا۔ اس کے ایما پر میں نے آئزک بیل سے فائل کے ہتھالے کی بات کی اور اسے ایکسپریس وے پر بلالیا۔ بلیک ڈیڈ نے چلتی ہوئی گاڑی سے فائر کرکے آئزک بیل کو زخمی کردیا۔ بدری ناتھ نے ذریعے مجھے پتا چلا کہ سی آئی اے کے عظیم سیز فائل کی گمشدگی آگہی ہے۔ میں نے اسے ایک فرضی ایرانی ایجنٹ عباس کرمانی کے متعلق بتایا کہ فائل اس کے قبضے میں ہے۔ ابھی میں اس سے فون پر بات ہی کررہا تھا کہ لائن ڈراپ ہوگئی۔ خطرہ بھانپ کر ہم بلیک ڈیڈ کے ٹھکانے پر حملہ کرنے کے بعد شہر کے تمام ہوٹلوں میں عباس کرمانی کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ بلیک ڈیڈ نے بتایا کہ آئزک بیل کو سی آئی اے والے اسپتال سے اغوا کرلے گئے ہیں۔ ہم موجودہ حالات پر غور ہی کررہے تھے کہ ملازم شام کے اخبارات لے آیا۔ ان میں سے ایک اخبار کی چنگھاڑتی ہوئی سرخی میں میرا نام سے نمایاں تھا۔ زخمی آئزک بیل کے بیان کے مطابق اس پر قاتلانہ حملہ میں نے کیا تھا تاہم ابھی یہ بات تصدیق طلب تھی کہ حملہ میں نے کیا ہے یا کسی اور نے۔ میں نے حالات کا اندازہ کرکے گیپ باکر کی مدد سے اپنا پاکستانی سفارت کار کے ذریعے اول خان کو بھجوادیا۔ میری فراہم کردہ معلومات کی بنا پر بدری ناتھ کو نمایاں مقام حاصل ہوگیا تھا۔ اسے کہانی کی تلاش میں نیویارک بھیج دیا گیا تھا۔ اب میری توجہ بقیہ ڈیوڈ اسٹارز کی طرف مبذول ہوگئی۔ بلیک ڈیڈ نے میری مدد کی اور چار اہم افراد کے نام فراہم کردیے۔ میری پاکستانی سفارت کار سے بات ہوئی تو اس نے ایک ڈیوڈ اسٹار کا فون نمبر مجھے دے دیا جو اسے اغوا قاتل گیا تھا۔ میں نے مجتمع نورٹ نامی ڈیوڈ اسٹار کے گھر فون کرکے پیغام چھوڑ دیا کہ میں رات کے نو بجے اس سے گیپ کے حوالے سے گفتگو کروں گا۔ مجتمع سے میری بات چیت بے نتیجہ رہی۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار ثابت ہوا۔ ڈیوڈ اسٹارز کے ناموں کی مدد سے ہم نے جینی کے کمپیوٹر ریکارڈ سے جارج شلزنامی ایک ڈیوڈ اسٹار کا پتا اور فون نمبر معلوم کرلیا۔ بلیک ڈیڈ سے تبادلۂ خیال ہوا تو اس کی تجویز پر جارج شلز کو دو داؤدی ستاروں میں طاقت ور ٹیکر فون چھپا کے بطور تحفہ بھیج دیے گئے۔ ٹیکر فون کے ذریعے پتا چلا کہ وہ چاروں موجودہ صورتِ حال پر گفتگو کرنے کے لیے مجتمع نورٹ کے گھر اکٹھا ہونے والے ہیں۔ بلیک ڈیڈ نے ان چاروں کو جنم واصل کرنے کے لیے ایک بے داغ پلان بنایا۔ ہم جارج شلز کو اغوا کرکے ایک ایمبولینس میں ڈال کر مجتمع کے گھر پہنچے میں کامیاب ہوگئے۔ دست بدست لڑائی کے نتیجے میں اس کے محافظ مارے گئے۔ ابھی ہم مکان کے احاطے ہی میں تھے کہ تینوں ڈیوڈ اسٹارز اپنے محافظوں کے ساتھ گیٹ کی طرف بڑھے اور ایمبولینس پر فائر کھول دیا۔ اس کے ساتھیوں فضا میں سائرن کی آواز گونجنے لگی۔ پولیس اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ ہم مرکر بھی وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ جان کر مجھے اطمینان ہوا کہ کسی بٹن کے دبنے کے باعث ہماری ہی ایمبولینس کا سائرن بجا تھا۔ خون ریز مقابلے کے بعد چاروں ڈیوڈ اسٹارز مارے گئے۔

میری بدری ناتھ سے بات ہوئی تو اس نے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے بلاوجہ مجھ پر ڈبل ہونے کا الزام لگایا۔ اس کے منحرف ہونے کے بعد امریکا میں مزید قیام خطرناک تھا اس لیے بلیک ڈیڈ سے کہہ کر ہم نے واپسی کے انتظامات کرلیے تھے۔ اب صرف یک سوڈے سے حساب بے باق کرنا تھا جو ان دنوں امریکا میں تھا۔ بلیک ڈیڈ نے میرے ایما پر اپنے آدمیوں کے ذریعے اسے اغوا کروالیا۔ میں ابھی اس پر تشدد ہی کررہا تھا کہ بلیک ڈیڈ کے ایک آدمی نے مجھ پر ریوالور تان لیا۔ ویرا نے اس پر جست لگائی تو ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ دراصل یہ غلط فہمی تھی جو بلیک ڈیڈ کے آدمی ڈک کے بھیجنے پر ہی کے باعث ہوئی تھی۔ ڈک کا نشانہ تک موڈلے تھا۔ تک کو ہلاک کرنے کے بعد اب بدری ناتھ میرے نشانے پر تھا۔ بلیک ڈیڈ کی فراہم کردہ پاروڈی پلیٹ کے ذریعے بدری ناتھ بھی تین ہی آئی اے کے اہل کاروں سمیت جہنم واصل ہوا تو ہم نے سخت سفر باندھ لیا۔ ہم طیارے میں بحفاظت سوار ہوگئے مگر فلائٹ کے دوران میں ویرا نے یہ تشویش ناک خبر سنائی کہ چیف پائلٹ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ہم اچانک سنگین خطرے سے دوچار ہوگئے تھے لیکن یہ مرحلہ ویرا نے خود کو بیمار ظاہر کرکے طے کرلیا۔ ہم بحفاظت پاکستان پہنچ گئے۔ امریکا جانے سے پہلے ہم را کے ایجنٹ مدن موہن کے ہیڈ انفارمیشن سیل پر کام کررہے تھے۔ اول خان نے بتایا کہ اس نے را کے دو افسار مرافسران کو گرفتار کرلیا تھا مگر وہ اپنے اثرورسوخ کی بنا پر بچ نکلے میں کامیاب ہوگئے۔ سلطان شاہ نے ان کا سراغ لگا کر انہیں معذور کردیا تھا۔ میں نے انہیں اٹھانے کا پروگرام بنایا اور اول خان کے ساتھ ان کے ٹھکانے پر جا پہنچا۔ ایک گارڈ کو ختم کرنے کے بعد میں آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ مجھے دوسرے گارڈ نے گن پوائنٹ پر رکھ لیا۔ اسی وقت لائٹ چلی گئی اور مجھے گارڈ سے نمٹنے کا سنہرا موقع مل گیا۔ فنکر رائے نامی افسار مرکز ہم آہنگی نورلے آئے۔ اس پر تشدد کیا گیا تو اس نے اپنے پشت پناہ کنول راجوانی کا نام اگل دیا جو ایک بارسوخ جاگیردار تھا۔ اول خان نے بتایا کہ جینی کے ہمارے خلاف رضاکارانہ بیان کے بعد امریکا کے عوام میں راجوانی کا مقابلہ کررہا ہے اور اس کے ساتھ گیپ کے اصل کاغذات بھی طلب کیے ہیں۔ بلیک ڈیڈ کو بھی گرفتار کرلیا گیا ہے۔ میں نے کنول راجوانی سے نمٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ ہمارے قلعے کا محاصرہ ہوگیا۔ ہم نیچے جانے کے لیے لفٹ میں سوار ہوئے۔ اسی دوران میں فائرنگ کرکے نڑاز فائر مرتکاب کردیا گیا جس کے نتیجے میں بجلی معطل ہوگئی۔ ہم لوگ لفٹ میں قید ہوکر رہ گئے۔

آپ اپنے تبصرہ وقعات ملاحظہ کیجیے

ہم نے کراچی میں حالات کے حد سے زیادہ بڑھتے ہوئے دباؤ اور مہلک خطرات کے پیش نظر اپنے پرانے ٹھکانے کو فوری طور پر خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُن دنوں شہر کے حالات اتنے خراب نہیں تھے لیکن ہم لوگوں کی سلامتی کو دشمنوں کی طرف سے بھیانک خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ اس صورتِ حال میں ہمارے لیے پسند اور ناپسند کی بہت زیادہ آزادی میسر نہیں تھی۔ سارا زور صرف اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

تحفظ پر تھا۔

ایسی مجبوری کے عالم میں نادرہ غنی کا وہ سجا سجایا اور کشادہ فلیٹ ہمیں ایک غیر مترقبہ نعمت سے کم نہیں نظر آیا تھا۔ نادرہ کھلے دل اور اچھے ذوق کی مالک' ایک پُرکشش خاتون تھی۔ اس سے معاملات طے کرتے ہوئے میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس عمارت میں بجلی کی فراہمی میں کوئی تعطل پیدا ہونے کی صورت میں کیا متبادل انتظام تھا۔

ٹرانسفارمر اُڑنے کے خوف ناک دھماکے کے بعد لفٹ رک گئی تھی۔ ہم چاروں اس تاریک اور ساکن لفٹ میں محبوس تھے۔ ہر طرف اندھیرا پھیل جانے کے باوجود فضا میں دھواں دھار فائرنگ کا زہرہ گداز شور گونج رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کلفٹن کے اس رہائشی اور تجارتی علاقے میں یکایک مسلح درندوں کا کوئی غول گھس آیا ہو۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ چند منٹ قبل آنے والی' اول خان کی فون کال نے یہ بات کسی شک و شبے کے بغیر ثابت کردی تھی کہ آنے والے محض ہم لوگوں کے لہو کے پیاسے تھے اور اپنی راہ میں آجانے والی ہر رکاوٹ کو گرا کر اس رات ہم تک پہنچنے کا عزم لے کر آئے تھے۔

ان کی مسلسل اور بھاری فائرنگ کے باوجود مجھے یقین تھا کہ وہ قتلِ عام کا ارادہ لے کر نہیں آئے تھے۔ ہر طرف اندھا دھند گولیاں برسا کر وہ خوف و ہراس کی ایسی فضا تیار کر رہے تھے کہ کوئی بھی اپنی کمین گاہ سے نکل کر ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکے۔

اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق ان کی نفری خاصی زیادہ تھی۔ شاید کچھ لوگ باہر پھیل کر بارود کی حفاظتی چھتری فراہم کر رہے تھے اور چند افراد کی ٹولی اس بالادستی کا فائدہ اٹھا کر ہماری تلاش میں عمارت میں داخل ہونے والی تھی۔

میری یادداشت کے کسی خانے میں یہ گمان نہیں ابھر سکا کہ ہماری عمارت میں بجلی کی متبادل فراہمی کے لیے کسی ایمرجنسی جنریٹر کا انتظام تھا۔ وہ بجلی کی کوئی معمولی سی خرابی نہیں تھی۔ زبردست دھماکوں کے ساتھ برقی تنصیبات کی تباہی کے بعد ہمیں نہ جانے کتنی دیر تک اس اندھیری لفٹ میں بند رہنا تھا جہاں ہوا کا گزر بھی نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ چھت میں لگا ہوا اکلوتا پنکھا بجلی سے چلتا تھا۔ اس کے بند ہونے کے نتیجے میں ہم زیادہ دیر تک پُرسکون نہیں رہ سکتے تھے۔

میں نے اول خان سے اس خوں ریز ماحول میں باہر ملنے کا ایک طرفہ وعدہ کر ڈالا تھا مگر حالات پاؤں کی زنجیر بن چکے تھے۔ اس جنگل سے نکلنے اور دشمن کا بھرپور مقابلہ کرنے کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ کسی نہ کسی صورت سے لفٹ کا دروازہ توڑ کر باہر نکلنے کی کوشش کی جاتی۔

"آج یہ علاقہ خون میں نہا جائے گا۔" اندھیرے میں دیرا کی پُرتشویش بڑبڑاہٹ سنائی دی "بڑے بور کے خود کار ہتھیاروں سے اندھا دھند گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔"

"ہم بہت بری طرح پھنسے ہیں.... اس منحوس لفٹ میں کچھ کر بھی نہیں سکتے۔" وہ آواز سلطان شاہ کی تھی۔

"خاموش رہو!" غزالہ نے سرگوشی کی "اوپر آنے کے لیے وہ لوگ زینے استعمال کریں گے۔ ہماری ذرا سی بھی آواز ان کے کانوں میں پڑ گئی تو وہ ہمیں یہیں بھون ڈالیں گے۔"

میں گھور اندھیرے میں سنبھلتا ہوا لفٹ کے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ ذہن پر ذرا سا زور دینے پر مجھے یاد آگیا تھا کہ لفٹ کا دروازہ بائیں سے داہنی جانب سرک کر بند ہوتا تھا اور یقینی طور پر اسی طرف کسی مضبوط آہنی کنڈے میں پھنس کر اس برقی سوئچ کو فعال بناتا تھا جس کے بعد ہی لفٹ کو اوپر یا نیچے کی طرف لے جایا جا سکتا تھا۔

میں نے لفٹ کی دیوار اور دروازے کے دائیں طرف والے گوشے میں' چھت کے بالکل قریب بیم گن کی نال ٹکائی اور ٹریگر دبا کر اسے بہت تیزی کے ساتھ فرش کی طرف لیتا چلا آیا۔

لفٹ میں چھائی ہوئی گہری تاریکی میں ذرا سی دیر کے لیے بیم گن کے نوزل سے نکلنے والی مہلک نیلگوں شعاعوں کی بہت محدود سی روشنی پھیلی اور ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ ختم ہوتے ہی مدھم سا نیلا نیلا اجالا یک لخت معدوم ہوگیا۔

فلور سے نیچے اترتی ہوئی بند آہنی لفٹ میں اس وقت اتنا گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا مگر بیم گن کے چلتے ہی ہر ایک نے اندازہ لگا لیا کہ میں نے اس سنگین صورتِ حال سے گلوخلاصی کے لیے کون سی راہ کا انتخاب کیا تھا۔

میرے فارغ ہونے سے پہلے ہی غزالہ نے لفٹ کے سرکنے والے دروازے پر طبع آزمائی شروع کردی۔ جوں ہی میرا ہاتھ چھت سے سرکتا ہوا لفٹ کے فرش تک آکر رکا' لفٹ کا دروازہ ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ بائیں طرف سرکتا چلا گیا۔ غالباً اس کے برقی اور میکانی قفل کا نظام فرش کے قریب' لفٹ کے بالکل نچلے حصے میں پوشیدہ تھا۔ اس کے کھلتے ہی دروازہ غیر متقفل ہوگیا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی میں نے ہاتھ بڑھایا اور سامنے کنکریٹ کی خنک دیوار کو موجود پایا۔ دروازہ کھلنے سے لفٹ میں غیر محسوس سی روشنی آنے لگی تھی۔

میں نے تیزی سے جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ہماری لفٹ کی چھت اور اوپر والے فلور کے درمیان ایک تنگ اور چوکور سی

Downloaded from https://paksociety.com

کھڑکی نمودار ہو چکی تھی۔ کھلنے والے دروازے کا بقیہ راستہ نچلی منزل کی سنگین دیوار نے مسدود کیا ہوا تھا۔

"ٹھہرو۔" میں نے سلطان شاہ کو فرش پر ہاتھ جماتے دیکھ کر ٹوکا "پہلے میں باہر نکل کر تم لوگوں کو کور دوں گا۔ تم تینوں میرے بعد باہر آؤ گے۔"

وہ رک گیا۔ اسے قید سے رہائی کی طرف پیش قدمی کرتے دیکھ کر میرے دل میں ایک پُرہول خیال پیدا ہوا تھا جس کے زیرِ اثر میں نے اضطراری طور پر اسے روک دیا تھا۔

باہر جو کچھ بھی ہوا تھا' ہم میں سے کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا مگر اندازہ تھا کہ نامعلوم حملہ آوروں نے سب سے پہلے اس علاقے میں برقی ترسیل کے نظام کو اپنا نشانہ بنایا تھا تاکہ وہ اندھیرے کی آڑ میں پوری آزادی سے اپنی من مانی کر سکیں۔ بجلی کی فوری یا جلد بحالی کی دور دور تک کوئی امید نہیں تھی۔ جب تک بجلی نہ آجاتی' لفٹ کو اپنی مرضی سے حرکت دینا ممکن نہیں تھا۔

وہ میرے لیے ایک اطمینان بخش نکتہ تھا لیکن مجھے خوف اس بات سے تھا کہ لفٹ کے دروازے اور بغلی دیوار کے اتصال کے مقام پر میں نے پوری بے دردی سے بیم گن استعمال کر کے اس آہنی پنجرے سے نجات کا راستہ پیدا کیا تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں تھا کہ اس عمل میں لفٹ کی کن برقی یا میکانی حفاظتی کڑیوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ اگر اوپر پیدا ہونے والے خلا سے کسی کے باہر نکلتے ہوئے وہ لفٹ اپنے نظام میں پیدا ہو جانے والے کسی نقص کی بنا پر اچانک پستی کا سفر شروع کر دیتی تو اندر والوں کا جو حشر ہوتا سو ہوتا' خلا میں موجود شخص کا بدن فرش اور لفٹ کی آہنی چھت کے درمیان کٹ کر فوری طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا۔ کٹا ہوا اوپری دھڑ ہمارے فلور پر تڑپتا رہ جاتا اور لفٹ میں گرنے والا نچلا دھڑ دوسروں کو دہشت زدہ کر دیتا۔

مروّجہ مشینی سہولتوں نے انسان کو جہاں آسائش اور سہل پسندی کے ناقابلِ تصور ذرائع مہیا کیے ہیں' وہیں کسی ہنگامی صورتِ حال میں بدترین خطرات بھی پیدا کیے ہیں جن سے آدمی صرف اسی وقت واقف ہوتا ہے جب وہ خود ایسی صورتِ حال سے دوچار ہو۔ لفٹوں میں روزانہ سفر کرنے والے لاکھوں افراد میں سے شاید کسی نے اس امکان کے بارے میں سوچا تک نہ ہو جس سے ہم اس وقت دوچار تھے۔

اوپر کے فرش پر ہاتھ جما کر میں نے اپنے بدن کو اوپر اٹھایا اور سینے کے بل اوپر کے فرش پر رینگ کر لفٹ سے باہر نکل گیا۔ ان چند لمحوں کے لیے میرا سارا اعتماد رخصت ہو گیا تھا اور بدن کے بیشتر مسامات سے ٹھنڈا پسینہ بہہ نکلا تھا۔

باہر وہی دھواں دھار فائرنگ ہو رہی تھی۔ عمارت کے مکینوں میں سخت دہشت اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ فلیٹوں کے دروازے مضبوطی سے بند تھے۔ کوئی بھی متنفس باہر نظر نہیں آرہا تھا لیکن فضا خوف زدہ چیخوں اور بچوں کے رونے کی آوازوں سے لرز رہی تھی۔

میں نے اپنے قدموں پر اٹھتے ہی رائفل سیدھی کر لی کیونکہ عمارت کے زینوں پر کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی وزنی دھمک سنائی دے رہی تھی۔

زینے لفٹ کے گرد طواف کرتے ہوئے منزل بہ منزل اوپر جاتے تھے لیکن میرے لیے بلکہ ہم گن کے لیے وہ رینج قدرے زیادہ ہو سکتی تھی۔ بات دشمنوں کے ساتھ آنکھ مچولی سے بڑھ کر کھلے کھلے خوں ریز تصادم تک پہنچ چکی تھی۔ ان حالات میں ہم گن جیسے خاموش ہتھیار کی توانائی کے مشکوک زیاں کے مقابلے میں بارودی گولیوں کا استعمال ہی زیادہ موثر ہو سکتا تھا۔

میرے بعد غزالہ بھی خیر و عافیت سے اسی خلا سے گزر کر باہر آگئی اور اس نے بھی فوراً ہی پوزیشن سنبھال لی۔ سیڑھیوں پر سنائی دینے والی قدموں کی گونج بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔

ویرا اس خلا سے فلور پر آنے کی کوشش کر رہی تھی کہ سیڑھیوں پر ایک مسلح شخص تیزی سے ابھرتا ہوا نظر آیا' میں بس لمحہ بھر کے لیے جھجکا مگر اسی لمحے غزالہ نے اس پر اپنے ریوالور کے دہانے سے آگ اگل دی۔ اس اعصاب شکن ماحول میں غزالہ کے بے داغ نشانے پر میں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ غزالہ کے ریوالور کی بے رحم نال سے نکلا ہوا مہلک شعلہ آنے والے کی پیشانی میں روپوش ہوا تھا۔ وہ ایک کریہہ چیخ کے ساتھ سیڑھیوں پر پیچھے لڑھک کر میری نظروں سے معدوم ہو گیا۔

سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے ایک وزنی انسانی وجود کی خوفناک اور پُرشور دھمک خاصی پُراثر ثابت ہو رہی تھی۔ اس کے گرتے ہی زینوں کے خلا میں متعدد فائروں کی آواز سنائی دی' ساتھ ہی اوپر آنے والے بہت تیزی سے نیچے کی محفوظ ترلینڈنگ پر اترتے چلے گئے۔

باہر ہونے والی فائرنگ کے مقابلے میں عمارت کے اندر ہونے والی فائرنگ کا ردِعمل زیادہ شدید تھا۔ دروازوں اور روشن دانوں کی جھریوں کے ذریعے فلیٹوں میں داخل ہونے والے بارودی دھوئیں نے عمارت میں رہنے والوں کو یقین دلا دیا تھا کہ موت کے ہرکارے گولیوں کے سائے میں آخر کار ان کے دروازوں تک پہنچ گئے تھے اور کسی بھی وقت دروازے توڑ کر کسی فلیٹ میں گھس سکتے تھے۔

غزالہ کے کیے ہوئے اکلوتے فائر نے ویرا اور سلطان شاہ کو خطرے کی سنگینی کا احساس دلا دیا تھا۔ وہ دونوں ہم سے بھی کم وقت میں پھنسی ہوئی لفٹ سے باہر نکل آئے۔

زینوں پر دشمن قابض تھا اور اوپر کی طرف اندھا دھند گولیاں

Downloaded from https://paksociety.com

برسا رہا تھا' لفٹ بجلی کے تعطل کی وجہ سے ناکارہ ہوچکی تھی۔ ہم اپنے فلیٹ کے چوہے دان میں لوٹنے کا خطرہ مول لے سکتے تھے' نہ جانوں کا خطرہ مول لیے بغیر نیچے اترنے کی کوئی صورت نظر آرہی تھی۔ میں اسی تذبذب میں تھا کہ سلطان شاہ نے زبان سے کچھ کہے بغیر فرش پر ایک لوٹ سی لگائی۔

مجھے اس کے عزائم کا اندازہ ہوا تو وقت کی ڈور میرے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ وہ فرش پر لڑھکتا ہوا تیزی سے سیڑھیوں کی طرف جارہا تھا۔ نیچے سے آنے والی گولیاں اس کے گرے ہوئے بدن سے محض ایک ڈیڑھ فٹ اوپر سے گزر رہی تھیں۔

وہ سی ون تھرٹی کے ذریعے اپنے اغوا کی واردات کے دوران میں آنے والے زخموں سے پوری طرح صحت یاب نہیں ہوپایا تھا۔ اس حالت میں سیڑھیوں پر لڑھک کر دشمن کے سر پر سوار ہونے کی وہ کوشش اس کے لیے مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔ اول تو شنوں میں سے کسی کی چلائی ہوئی اندھی گولی ہی اسے چاٹ جاتی' کسی معجزے کے تحت وہ ان گولیوں سے بچ جاتا تو سیڑھیوں پر لڑھکتے ہوئے نچلی لینڈنگ تک کا فاصلہ طے کرنے میں شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوسکتا تھا۔

موقع ایسا تھا کہ میں سلطان شاہ کو اس احمقانہ جرات مندی سے روکنے کے لیے کچھ بھی نہ کرسکا' بس اپنی جگہ مضطرب ہوکر رہ گیا اور وہ فرش پر متحرک ایک انسان نما دھبے کی صورت میں سیڑھیوں کے نشیب میں میری نظروں سے معدوم ہوگیا۔

وہ بے خوف سورما اپنی جان پر کھیل کر آگے بڑھا تھا' میرے کان کسی بھی لمحے اس کی آخری دردناک چیخ کے منتظر تھے لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ شاید آنے والے درندے اسے اپنا مارا ہوا شکار سمجھ کر پوری طرح مطمئن تھے۔

اچانک عمارت کے زینوں پر گونجتے ہوئے آتشیں نغموں میں ایک نیا اور جاندار سر جاگ اٹھا۔ وہ سلطان شاہ کی کلاشنکوف کی لرزہ خیز تڑتڑاہٹ تھی۔ اس کے ابھرتے ہی فضا میں دو دلدوز چیخیں گونجیں اور ساتھ ہی پہلے سے جاری فائرنگ کا آہنگ بگڑ گیا۔

سلطان شاہ کی معجزاتی کامیابی اور دشمن کے پاؤں اکھڑنے کا

کیسٹ اور کتاب کی مدد سے انگلش سیکھئے

دو کیسٹوں اور دو کتابوں پر مشتمل اس کورس کے ذریعے ایسے بیشمار الفظ، محاورے، عام بول چال کے جملے سیکھیے جن کے بغیر انگریزی پڑھنا سمجھنا اور خصوصا بولنا ایک مشکل امر ہے - کم وقت کم محنت اور کم سے کم خرچ سے اپنی انگریزی بہتر کریں

IN MALE & FEMALE VOICE

کیسٹ سنیے	ESL کیسٹ کورس مکمل سیٹ 2 کیسٹ 2+ کتاب =Rs.130	بہترین تلفظ
کتاب پڑھیے	قریبی یا درج ذیل بک اسٹور اور کیسٹ ڈیلرز سے طلب کریں	اردو ترجمہ

لفافے میں رقم ہر گز نہ بھیجیں

- اردو بازار۔ کراچی (تقریباً ہر دوکان پر)
- ایمپریس مارکیٹ، ریگل چوک اور صدر میں کیسٹ اور کتاب کی بڑی دکانوں پر
- کراچی کی دیگر کتب مارکیٹوں میں
- بک ہاؤس، ریسالہ روڈ حیدر آباد
- حیدر آباد لاء ہاؤس، اسٹیشن روڈ حیدر آباد
- یونیورسل بک ڈپو، فوجداری روڈ حیدر آباد
- ہاؤس آف بلوٹی، شاہی روڈ میرپور ماتھیلو
- انصاری بک اسٹور، گڑھی کھسور
- کاظمیہ اڈا اسٹور، بند روڈ لاڑکانہ
- پاکستان کتاب گھر، جناح روڈ میرپور خاص
- خیرپور بک اسٹال، جیل شاپنگ سینٹر خیرپور سندھ
- اے ون پبلشرز، اردو بازار لاہور
- پرنس بک ڈپو، اردو بازار لاہور
- کلاسک، دی مال (ریگل چوک) لاہور
- لائن آرٹ پریس، شاہراہ قائداعظم لاہور
- شاہد بک ڈپو، مین بازار اسلام پورہ لاہور
- ندیم کیسٹ ہاؤس، گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
- رحمت گراموفون ہاؤس، امین پور بازار فیصل آباد
- نفیس بک ڈپو، مین بازار میانوالی
- یونیس بک سینٹر، کچہری روڈ ملتان
- ماڈرن بک ڈپو، عزیز شہید روڈ سیالکوٹ کینٹ
- طور اسٹیشنری مارٹ، ظفر وال روڈ ہارون وال
- عامر بک ڈپو، کالج روڈ ڈیرہ غازی خان
- ساجد بک ڈپو، مین بازار غازی تربیلہ
- پاکستان بک ڈپو، اسکول بازار، رحیم یار خان
- کیپٹل بک ڈپو، اردو بازار راولپنڈی
- رحمٰن بک ڈپو، اردو بازار راولپنڈی
- کیپٹل بک سروس، گوردوں کالج روڈ راولپنڈی
- اسٹوڈنٹس بک کمپنی، بینک روڈ راولپنڈی
- وراثتی بک اسٹال، بینک روڈ راولپنڈی
- بمبس اینڈ بمبس، سیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی
- پرنس بک پینک، سیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی
- قاران بک ہاؤس، ۹ جی مرکز اسلام آباد
- مسٹر بک، ۱۰ ایوی پیر مارکیٹ اسلام آباد
- آصف کتاب گھر، فوارہ چوک جھنگ
- اسٹوڈنٹس بک سلرز، نزد گرلز اسکول ۹-کوہاٹ
- سعید بک بینک، اربا ب روڈ پشاور
- شعیب سنز بک سلرز، جی ٹی روڈ جیکوبہ
- بک لینڈ، چناح روڈ کوئٹہ

بذریعہ ڈاک (VP) منگوانے کے لئے پتہ کاٹ کر محفوظ کرلیں	ڈاک خرچ پاکستان =Rs. 30	ڈاک خرچ مڈل ایسٹ =Rs. 110

ABDALI BROTHERS III, 470/18 F.B.Area,Karachi- Ph.6360651

Downloaded from https://paksociety.com

پہلا احساس ہوتے ہی ہم تینوں نے بغلی دیوار سے چپک کر زینے اترنے شروع کردیے۔

اس وقت تک ہمارے زینے فائرنگ سے محفوظ ہو چکے تھے۔ سلطان شاہ نے بلائے ناگہانی کی طرح ان کے سروں پر نازل ہو کر ان کے قدم اکھاڑ دیے تھے۔ اس کی فائرنگ سے بچ جانے والوں نے بہت تیزی کے ساتھ پسپائی اختیار کر کے خود کو بچایا تھا۔

اس وقت وہ چند لمحے میرے لیے گھنٹوں کی طرح طویل ہو گئے تھے' کان فائرنگ کے یوں عادی ہو گئے تھے جیسے وہ سلسلہ کئی دنوں سے چل رہا ہو۔ اسی بنا پر میں نے اندازہ لگالیا کہ ابتدا میں آنے والوں کی تعداد چار تھی جو سلطان شاہ کی مداخلت کے بعد گھٹ کر دو رہ گئی تھی۔ ان دو حریفوں کے لیے سلطان شاہ رک رک کر فائرنگ کر رہا تھا۔

پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے لینڈنگ تک پہنچنے پر مجھے یہ دیکھ کر بے اندازہ خوشی ہوئی کہ سلطان شاہ عزم و حوصلے کی کسی چٹان کی طرح اپنے قدموں پر کھڑا' دیوار کی اوٹ سے نیچے والوں پر فائرنگ کر رہا تھا۔

خوشی کے عالم میں ویرا اور غزالہ نے بھی وہی کیا جو میں نے کیا تھا۔ ہم تینوں نے سلطان شاہ کی حمایت میں نیچے کی طرف بے ساختہ گولیاں برسادیں۔

ہمارے اس غیر ارادی ردِعمل نے حریفوں کے قدم اکھاڑ دیے۔ نیچے سے فائرنگ کا سلسلہ یک لخت موقوف ہو گیا اور بہت تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز دور ہونے لگی۔

مقابلے میں کھل کر شریک ہونے کے بعد ہم سب کے حوصلے بڑھ چکے تھے۔ ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہم نے باقی ماندہ تاریک زینے طے کرنے شروع کردیے۔ زینے طے کر کے ہم گراؤنڈ فلور پر پہنچے تو چوکیدار کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ ڈھیلی ڈھالی قمیص شلوار میں ملبوس دو افراد پوری قوت سے دوڑتے ہوئے اس بلاک سے نکاس کے راستے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

میں نے رکے بغیر اپنی گن سیدھی کر کے فرار ہونے والوں میں سے ایک کی کشادہ پشت پر فائر کیا اور آگ اگلتی ہوئی گولی اس کے جسم کے کسی حصے میں پیوست ہو گئی۔ تاریک ماحول میں تاریک تر نظر آنے والا وہ سایہ اپنے ہی زور میں اچھل کر منہ کے بل آگے پختہ فرش پر جا گرا۔

سر پر بھیانک خطرات سوار ہوتے ہی ہم چاروں کے درمیان ایک دوسرے کے ذہن کو پڑھنے کا کچھ ایسا سلسلہ چل پڑا تھا کہ تقریباً اسی لمحے ویرا نے دوسرے مفرور پر گولی چلائی اور وہ بھی نشانہ بن کر دل دوز آواز میں دہاڑتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

عمارت کے اندر دشمن کی لاشیں گر رہی تھیں۔ ان کے سارے ہتھیار خاموش ہو چکے تھے۔ ان کی جگہ ہمارے بارودی ہتھیار گنگنا رہے تھے لیکن عمارت سے باہر' کھلی فضا میں ہونے والی فائرنگ کے تواتر میں ذرا بھی فرق نہیں آیا

ہم چاروں چوکنے انداز میں دوڑتے ہوئے فرش پر گری ہوئی دو تازہ لاشوں سے آگے نکل گئے۔ ہمارے سامنے ان فلیٹوں کی عمارات کے گرد پھیلا ہوا کشادہ احاطہ بھی اس تاریکی میں ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے آگ و خون کی وہ برسات شروع ہوتے ہی ہر ذی روح خوف زدہ ہو کر کسی نہ کسی کونے کھدرے میں دبک گیا ہو۔

فائرنگ کی آوازوں پر دھیان دینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اس وقت جو کچھ ہو رہا تھا وہ ہمارے احاطے سے باہر ہی ہو رہا تھا۔ حملہ آوروں نے باہر کا راستہ صاف رکھنے کے لیے بھی وہاں دہشت گردی پھیلائی ہوئی تھی' اندر کی تمام ذمے داری انہوں نے اپنے چاروں مسلح ساتھیوں کے سپرد کی ہوئی تھی جو دو مرحلوں میں ہمارے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچ چکے تھے۔

"ہمارے سروں پر منڈلاتا ہوا خطرہ شاید ٹل چکا ہے۔" احاطے کی دیوار کے سائے میں پناہ لینے کے بعد ویرا نے سرگوشیانہ آواز میں کہا "لیکن اب باہر نکلنا مشکل ہے۔"

"غور سے سنو!" میں نے اضطرابی لہجے میں ان تینوں کو متوجہ کیا "باہر بھی ایک طرف فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہو چکا ہے۔ شاید کوئی ان کے مقابلے پر اتر آیا ہے۔"

وہ ایک باریک نکتہ تھا جو توجہ مرکوز کرنے کے بعد ہی سمجھ میں آسکتا تھا ورنہ فائرنگ تو بس فائرنگ ہی ہوتی ہے۔ میں نے زینوں والی گمبھیر صورتِ حال سے نکلتے ہی یہ بھانپ لیا تھا کہ باہر کسی نے جوابی فائرنگ کا آغاز بھی کر دیا تھا۔

"تو کیا پولیس آچکی ہے؟" سلطان شاہ نے بے ساختہ سوال کیا۔

"پولیس نہیں ہو سکتی۔" میں نے پُریقین لہجے میں اسے بتایا۔ "ایسے دھواں دھار ماحول میں وہ دور ہی سے سائرن بجاتے ہوئے آتے ہیں تاکہ ان کی آمد کے خوف سے متصادم حریفوں کے پاؤں اکھڑ سکیں۔ یہ کوئی اور ہی چکر چل پڑا ہے۔"

"پھر یہ اول خان کے آدمی ہو سکتے ہیں۔" غزالہ نے فیصلہ سنا دیا "انہیں ہماری حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے...."

"ہم چوہے دان سے نکل کر باہر کھلی فضا میں آچکے ہیں اور کہیں بھی جا سکتے ہیں۔" ویرا اس کی بات کاٹ کے بول پڑی "لیکن فائرنگ کا زور ٹوٹنے سے پہلے ہم احاطے سے باہر نہیں جائیں گے۔ اندھا دھند چلائی جانے والی گولیاں دوست اور دشمن میں کوئی تمیز نہیں کرتیں۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کیونکہ اس اثنا میں مجھے یہ اندازہ بھی

Downloaded from https://paksociety.com

ہو چکا تھا کہ باہر ہوائی فائرنگ کے بجائے اس وقت ٹارگٹ شوٹنگ کا سلسلہ چل پڑا تھا۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے ٹھکانوں کو تاک تاک کر گولیاں چلائی جارہی تھیں۔ فائرنگ کے شور کی سمت اور درمیانی وقفوں سے کوئی بھی لڑاکا آسانی سے اس رائے پر پہنچ سکتا تھا۔

"باہر نکلتے ہوئے خوف سے تمہارا دم نکل رہا ہے تو اسی چار دیواری میں دبکی رہو۔" میں نے ویرا سے کہا "لیکن یوں بت کی طرح یہیں نہ جمی رہو۔ میرے پیچھے آؤ۔"

میں دیوار کے سائے میں اس پھاٹک کی طرف چل پڑا جو احاطے سے باہر نکلنے کے لیے ہر وقت استعمال میں رہتا تھا۔

ذرا سی دیر کی پیش قدمی کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ میرا وہ فیصلہ خاصا درست تھا۔

مجھے پھاٹک سے فائروں کی آواز آرہی تھی۔ وہاں کچھ لوگ جمے ہوئے تھے جو باہر کی طرف گولیاں چلا رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ صرف میں نے انہیں دیکھا تھا لیکن وہ لوگ مجھ سے زیادہ چالاک اور چوکنا تھے۔ ان میں سے کسی نے مجھے پہلے ہی نوٹ کرلیا تھا۔

"ہولڈ اِٹ.... ہینڈز اپ!" انسانی جذبوں سے عاری وہ سفاکانہ آواز سن کر میں نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر بلند کرلیے۔

وہ ہمارے لہو کا کوئی پیاسا ہوتا تو ہمیں اندھیرے میں محض ہاتھ اٹھانے کی ہدایت نہ کرتا' بے دریغ گولی چلا کر کم از کم میرا سینہ لہولہان کردیتا۔ اس نے جو حکم دیا تھا اس میں احتیاط پنہاں تھی۔ اسے توقع تھی کہ اندر سے دشمن کے ساتھ ساتھ کوئی دوست بھی نمودار ہوسکتا تھا اس لیے کسی آنے والے کو للکارے بغیر گولیوں سے ادھیڑ ڈالنا مناسب نہیں تھا۔

"فرینڈز!" میرے دہانے سے بے ساختہ ایک تیز سرگوشی برآمد ہوئی "آئی ایم ڈی فارڈینی!"

"کم آن سر!" گیٹ کے قریبی سرے سے ایک دوستانہ آواز ابھری "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ آگے آجاؤ مگر پھاٹک کے سامنے ہرگز نہ آنا۔ دشمن سامنے ایک گاڑی کی اوٹ لے کر ڈائریکٹ اندر فائر کررہا ہے.... باس کسی بھی وقت پیچھے سے ان کی گردنیں دبوچنے والا ہے۔"

میرے وجود میں سکون و اطمینان کی ایک آسودہ سی لہر سرایت کرگئی۔ دشمنوں سے کشت و خون کے بعد ہم آخر کار اپنے دوستوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے تھے۔

ہماری طرف سے مطمئن ہونے کے بعد' ہم سے مذاکرات کرنے والا دوبارہ دشمن پر گولیاں برسانے میں مصروف ہوچکا تھا۔ قریب پہنچنے کے بعد میں نے دیکھا کہ تاریکی کا جزبنے ہوئے وہ دونوں سائے گیٹ کے دونوں سروں پر جمے ہوئے تھے اور دوسری طرف سے آنے والی گولیوں کی سمت کا اندازہ لگا کر دشمن کے مورچوں پر نپے تلے فائر کررہے تھے۔

اچانک باہر ہونے والی فائرنگ میں وحشیانہ شدت پیدا ہوگئی۔ صرف فائرنگ میں اضافہ نہیں ہوا تھا بلکہ فضا میں گونجنے والی ہولناک آوازوں سے اندازہ ہورہا تھا کہ اس خون آشام مقابلے میں جدید' بھاری اور نئے ہتھیاروں کی ایک بڑی کھیپ شامل ہوچکی تھی۔

"کاش اول خان آپہنچا ہو!" اس تبدیلی پر میرے دل میں آرزو ابھری۔

نئے ہتھیار اس قدر شدت اور جارحیت کے ساتھ میدانِ کارزار میں اترے کہ باہر کی فضا میں لرزہ براندام کردینے والی کئی چیخیں بھی سنائی دیں اور پھر لمحوں ہی لمحوں میں بس نئے ہتھیاروں کی گونج باقی رہ گئی۔

ہمارے احاطے کے پھاٹک پر جمے ہوئے دونوں جانباز خوشی سے اچھل پڑے۔ ان کے مدِمقابل بھاگ نکلے تھے اور انہوں نے اپنی دانست میں میدان مار لیا تھا۔

اچانک فائرنگ تھم گئی۔ گولیوں کی روح فرسا گھن گرج کے بعد وہ سناٹا بہت عجیب محسوس ہورہا تھا۔ اسے روتے ہوئے بچوں یا خوف زدہ عورتوں کی آوازیں ہی مجروح کررہی تھیں۔

سلطان شاہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر پھاٹک سے باہر کا جائزہ لینے کی کوشش کی لیکن ہماری طرف موجود مسلح آدمی نے سختی سے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کی دانست میں فائرنگ ضرور تھم گئی تھی مگر خطرہ پوری طرح نہیں ٹلا تھا۔ جب تک اسے اپنے ساتھیوں کی طرف سے میدان صاف ہونے کا اشارہ نہ مل جاتا' سامنے آنے کی کوشش مہلک ثابت ہوسکتی تھی۔

اول خان نے تھوڑی دیر پہلے فون پر بات کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اس بات کی تصدیق کی تھی کہ ہمارے فلیٹ کی حفاظت کے لیے اس نے اپنے چار آدمی مامور کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو اس وقت ہمارے ساتھ موجود تھے اور دو باہر کہیں اپنی کمین گاہوں میں موجود تھے۔ میرے ذہن میں جو نیا نقشہ بن رہا تھا اس کی روشنی میں باہر والوں کو اپنے باس یا کمانڈر سے کمک ضرور ملی تھی۔ اگر میرا یہ اندازہ درست تھا تو پھر ہماری نفری دو ہندسوں سے متجاوز ہوچکی تھی۔

ہمیں زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت سے نہیں گزرنا پڑا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اول خان کے استعمال میں رہنے والی بڑی جیپ احاطے کے دروازے کے قریب آکر رک گئی۔ جیپ روکنے سے قبل اس کے ڈرائیور نے تین مرتبہ روشنیاں دھیمی اور تیز کرکے اپنی شناخت کرائی تھی۔ ان حالات میں اپنوں کی مار سے بچنے کے لیے وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

آنے والی جیپ سے صرف دو افراد برآمد ہوئے اور وہ دونوں میرے لیے اجنبی تھے۔

پہلے سے ہمارے ساتھ موجود ایس ٹی ایف کے آدمی اپنے ان ساتھیوں کو پہچان کر گیٹ سے باہر نکل گئے۔ ہم چاروں نے بھی ان کی تقلید کی۔

"باس کہاں ہے؟" میں نے آنے والوں سے بے ساختہ سوال کر ڈالا۔ مجھے توقع تھی کہ آنے والی جیپ سے اول خان ضرور برآمد ہوگا۔

"وہ پھیلی ہوئی نفری کو سمیٹ کر یہیں آئیں گے۔" ان میں سے ایک نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اپنے بندے سب ٹھیک ہیں نا؟" ہمارے ساتھ موجود ایک شخص نے پوچھا۔

"ہم پانچ آدمی وائرلیس سیٹ لے کر آئے تھے اور پانچوں ہی بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔" اس نے ہماری بھیڑ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا پھر پوچھا "تمہارے دو ساتھی شاید باہر ہیں۔"

"ہاں! ہم چاروں ہی باہر تھے.... گڑبڑ شروع ہونے کے بعد ہم دونوں نے بہت مشکل سے یہاں پہنچ کر پوزیشن سنبھالی تھی۔ ہمارے آنے سے پہلے کچھ آدمی اندر گھس چکے تھے۔"

"ان کا کیا بنا؟ اندر والے تو خیریت سے ہیں؟" آنے والے کا لہجہ متعجبانہ ہوگیا۔

"اندر والے سب لوگ تمہارے سامنے موجود ہیں۔" کسی اور سے پہلے میں خود ہی بول پڑا "چار آدمی ہماری تلاش میں اندر گھسے تھے۔ وہ سب سیڑھیوں پر اور برآمدے میں پڑے ہیں۔"

"زندہ ہیں یا تم نے انہیں مار دیا؟" وہ ان کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہ رہا تھا۔

"کوشش یہی تھی کہ ان میں سے کوئی زندہ نہ بچنے پائے۔ کوئی زخمی ہو کر صرف بے ہوش ہوا ہو تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"ان ذلیلوں میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں بچنا چاہیے۔" اس نے دانت پیس کر غصیلے لہجے میں کہا "میں انہیں دیکھ کر آتا ہوں۔ باس کے آنے سے پہلے لوٹ آؤں گا۔"

وہ یہ کہہ کر اندر چلا گیا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگائی ہی تھی کہ وہ ویرا نے میرے ہونٹوں سے اچک لی۔ میں اندھیرے میں اسے گھور کر رہ گیا۔

چند ثانیوں بعد سڑک پر ایک اور گاڑی نظر آئی۔ عام حالات میں وہ سڑک ہر وقت مصروف رہتی تھی لیکن تھوڑی دیر پہلے ہونے والی دھواں دھار فائرنگ کے بعد وہاں ایسا سناٹا چھایا ہوا تھا جیسے علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا ہو۔ ایسے میں وہ اکلوتی گاڑی الگ ہی نظر آ رہی تھی۔

جب اس کے ہیڈ لیمپس بھی تین مرتبہ مدھم اور تیز ہوئے تو ہم سب نے سمجھ لیا کہ آنے والا اول خان ہی ہو سکتا تھا۔ وہ گاڑی سے اترتے ہی نہایت پُرتپاک انداز میں ہم سے ملا۔

"تم نے وہی کیا جس پر اڑے ہوئے تھے۔" اس نے مجھ سے پُرجوش انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے کہا "گھر سے باہر نکل کر تم نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔"

"خطرہ مول نہیں لیا' یہ کہو کہ بروقت فلیٹ چھوڑ کر ہم موت کے منہ سے بال بال بچے ہیں۔" ویرا نے اسے لقمہ دیا "تمہارے آدمیوں کے پہنچنے سے پہلے چار بھیڑیے اندر گھس چکے تھے۔"

اسی وقت اول خان کا آدمی اندر کا جائزہ لے کر واپس آگیا۔

"چاروں جہنم واصل ہو چکے ہیں۔" اس نے فوجی انداز میں اول خان کو سیلوٹ کر کے اعلان کیا۔

"تو کیا تم لوگوں نے ان چاروں کو مار ڈالا؟" اول خان حیرت سے بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

"انہیں نہ مارتے تو وہ ہم کو مار ڈالتے۔" میں نے کہا "ان کے پہنچنے سے ذرا سی دیر پہلے ہم لفٹ میں پھنسے ہوئے تھے۔ قسمت تھی کہ دروازہ کاٹ کر بروقت باہر آگئے....."

"آؤ! یہاں کب تک کھڑے رہو گے۔ اوپر ہی چلتے ہیں۔" ویرا میری بات پوری ہونے سے پہلے بولی۔

"اب بھول کر بھی فلیٹ کا رخ نہ کرنا۔ اس واقعے کے بعد وہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے چار آدمی تم نے مارے ہیں۔ دو تین باہر بھی مرے یا زخمی ہوئے ہیں۔ وہ جلد از جلد اس کا جواب دینے کی کوشش کر سکتے ہیں۔" اول خان نے مربیانہ انداز میں کہا۔

"ہم صرف ہتھیار لے کر خالی ہاتھ وہاں سے نکلے ہیں۔" سلطان شاہ نے وضاحت کی "ہمیں ضرورت کا کچھ نہ کچھ سامان تو لینا ہی ہوگا۔"

"وہ سب بعد میں آتا رہے گا۔ اس وقت یہاں سے نکل چلو۔" اول خان اپنی بات پر اڑا رہا۔

اول خان نے ہم میں سے کسی کا جواب سننے کی زحمت کیے بغیر اپنے چار آدمیوں کو ہمارے فلیٹ کے بارے میں ہدایات دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہاں موجود ساز و سامان کے بارے میں وہ غزالہ سے مشورہ کرتا جا رہا تھا۔

اس وقت ہماری کل نفری تیرہ افراد پر مشتمل تھی۔ چار افراد کو فلیٹ کی حفاظت یا دشمن کے مقابلے کے لیے چھوڑ دینے کے بعد یہ تعداد نو رہ جاتی۔ میری دانست میں وہ تعداد کہیں بھی بڑے پیمانے پر افراتفری پھیلانے کے لیے بہت کافی تھی۔

اول خان عجلت میں ہدایات دیتے ہوئے بار بار اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈال رہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہوتے ہی وہ ہم چاروں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوگیا۔ بقیہ چار افراد دوسری گاڑی کی طرف ہو لیے۔

دو گاڑیوں پر مشتمل ہمارا کارواں وہاں سے روانہ ہوا تو پورا علاقہ بدستور گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور سڑکوں پر مکمل ویرانی کا راج تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ فائرنگ کے بھیانک مقابلے کے باوجود

Downloaded from https://paksociety.com

پولیس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ علاقے کی پولیس اس واقعے سے بے خبر رہی ہوگی۔

"علاقے کی پولیس کہاں سوئی ہوئی ہے؟" کچھ دور نکل آنے کے بعد میں اول خان سے وہ سوال کیے بغیر نہ رہ سکا "اتنی فائرنگ سے تو قبر کے مردے بھی بیدار ہو سکتے تھے۔"

"آج میں نے اپنا اختیار استعمال کیا ہے۔" اول خان نے مسکرا کر کہا۔ اس وقت تک ہماری گاڑیاں تاریک علاقے سے روشنیوں کے خطے میں داخل ہو چکی تھیں۔

"یعنی پولیس کو اس معاملے سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا ہے؟" سلطان شاہ نے پوچھا۔

"جب ملک میں عام قانون کی حکمرانی ہو تو پولیس کو دنیا کی کوئی طاقت اس کے علاقے میں ہونے والے جرائم سے الگ تھلگ نہیں رکھ سکتی۔ لاشیں ان ہی کی تحویل میں جائیں گی اور وہی اس تصادم کی تفتیش کریں گے۔ ان سے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ فائرنگ کا سلسلہ موقوف ہونے کے تیس منٹ بعد علاقے میں اپنی کارروائی کا آغاز کریں۔ اسی لیے میں تیس منٹ پورے ہونے سے پہلے تمہیں وہاں سے نکال لایا ہوں۔"

"اور اب کہاں جارہے ہو؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں اگلا سوال کیا۔

"جمشید روڈ۔" اس کے پاس جواب تیار تھا "دونوں عورتوں کو اپنے گھر کی چار دیواری میں پہنچانے کے بعد سوچوں گا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"تم ہمارے لیے کسی چار دیواری کی فکر مت کرو۔" ویرا نے برا مان کر کہا "تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم عام قسم کی عورتیں نہیں ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے ہم دونوں کے ہتھیار بھی آگ اگل رہے تھے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔" سلطان شاہ درمیان میں بول پڑا "اس کے پاس ہتھیار نہ ہو تب بھی یہ اپنی زبان سے آگ اگلنے لگتی ہے۔"

"تم پھر میرے منہ لگے؟" ویرا غرائی "ابھی کچھ کہہ دوں گی تو منہ لٹکا لو گے۔"

"ہماری پریشانی یہی ہے کہ میں تمہارے منہ نہیں لگتا۔ کوئی شریف آدمی ایک آتش فشاں کا قرب پسند نہیں کرے گا۔ میں اول خان سے بات کررہا تھا۔"

"تم جیسے بدمعاش خود کو شریف کہنے لگیں تو سمجھ لو کہ شرافت کا جنازہ نکل چکا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ آج مارے جانے والوں میں سے کسی کا نام شرافت ہو۔ آج دیر ہو گئی ہے۔ کل اس کا جنازہ ضرور نکل جائے گا اور تم....."

"بس!" میں نے ترشی سے سلطان شاہ کو ڈانٹ دیا "خرافات میں وقت برباد مت کرو۔"

"بہت بہتر۔" سلطان شاہ نے برا مانے بغیر کہا "تم وقت کی بربادی کا کوئی دوسرا ذریعہ بتا دو۔"

میں اس کی بات سنی اَن سنی کرکے اول خان سے مخاطب ہوگیا "جمشید روڈ کے بجائے کھنڈول راجوانی کے گھر کی طرف چلو۔ اس کو سبق سکھانا ضروری ہوگیا ہے۔"

اول خان نے میری بات سن کر تفہیمی انداز میں سر ہلایا پھر کہا۔ "مجھے تمہاری بات سے پورا اتفاق ہے مگر ان دونوں کو وہاں لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مدہوشوں کی بھیڑ میں افراتفری پھیلانے کے لیے میرے صرف دو آدمی بھی کافی ہوں گے....."

"نہیں!" ویرا نے سختی سے اس کی بات کاٹ دی "اگر آج کی رات مزید کچھ کرنا ہے تو میں بھی ساتھ رہوں گی۔ تم مجھے عضوِ معطل بنا کر گھر نہیں بٹھا سکتے۔"

"بڑے سے بڑا سورما اور بادشاہ بھی جوان جہان بیٹیوں کو گھر نہیں بٹھا سکتا تو تم کیسے بیٹھی رہو گی۔ ایک نہ ایک دن تمہیں کسی کا گھر بسانا ہی ہوگا مگر اس کام کے لیے کھنڈول....."

سلطان شاہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس کی دبی دبی غراہٹ اور فریاد سے ظاہر ہو رہا تھا کہ ویرا نے جھلا کر شاید اس کی گردن دبوچ لی تھی۔

اول خان نے ڈرائیونگ پر سے توجہ ہٹائے بغیر کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے ویرا کا مشورہ مان لینے کا اشارہ دے دیا۔

"مجھے ان دونوں کو ساتھ لیے پھرنے میں ذرا بھی عذر نہیں ہے۔" اول خان نے وضاحت کی "تمہیں معلوم ہے کہ وقت کا پیمانہ ایک مرتبہ پھر تمہارے خلاف چل پڑا ہے۔ گلشنِ اقبال میں مارے جانے والوں پر بیم گن کے استعمال کا راز پوری احتیاط کے باوجود باہر آچکا ہے۔ دوسری طرف اب تم امریکا کے مطلوب ملزم بن چکے ہو۔ ویرا تمہاری شناخت کے لیے ایک اشتہار ثابت ہو سکتی ہے۔ اب تم دونوں کو حتی الامکان ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہی رہنا چاہیے۔ یہ کوئی مشکل یا ناممکن بات نہیں ہے۔"

"ان مشوروں پر غور و خوض کے بعد کل سے عمل کیا جائے گا۔ اس وقت جو ہو رہا ہے' ہونے دو۔" ویرا نے بے پروائی سے جواب دیا "رات کے وقت کوئی دو رمین لے کر ہماری تلاش میں نہیں نکلے گا۔"

"تم بعض اوقات بہت گندذہن ہو کر رہ جاتی ہو۔" اول خان نے بیزاری سے کہا "میں تم دونوں کو ہر مصیبت سے بچائے رکھنا چاہتا ہوں۔ دوسروں کی سلامتی کو کسی قسم کے خطرات لاحق ہوتے ہیں تو تم ہی دونوں اس کا کوئی توڑ نکالتے ہو۔ تم دونوں درمیان میں آگئے تو کون تمہاری مدد کرے گا؟"

"یہ بودی اور فضول باتیں ہیں۔ وقت پڑنے پر تم سمیت ہر شخص نے بہترین کارکردگی دکھائی ہے۔ جب تک ہمارا وقت نہیں آجاتا' ہمیں کوئی نہیں مار سکتا۔ یہ فلسفہ میں نے تم لوگوں میں رہ کر

Downloaded from https://paksociety.com

ہی سیکھا ہے۔ کمال ہے کہ تم اسے بھول رہے ہو۔"

اول خان لاجواب ہوگیا اور اپنا اپریشن سنبھال کر پچھلی گاڑی والوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"حجت اور تکرار کے معاملے میں تم نے کسی سور کا دماغ پایا ہے۔" پچھلی نشستوں پر سلطان شاہ ایک مرتبہ پھر ویرا سے الجھنے کی کوشش میں مصروف ہوگیا تھا۔

"اور تم نے ڈھٹائی کے معاملے میں کسی سورنی جیسا جسم پایا ہے۔ سی دن تھرٹی میں گھنٹوں منجمد لاشوں کے ساتھ تابوت میں بند رہے مگر پھر بھی زندہ ہو' کسی طرح مرنے کا نام ہی نہیں لیتے۔"

"زندہ رہ کر تمہارا غرور خاک میں ملا رہا ہوں۔" سلطان شاہ کی آواز تحریر ہوگئی۔

"ماروں گھٹنا' پھوٹے آنکھ شاید اسی کو کہتے ہیں۔" ویرا نے طنز سے کہا۔

"حسن والوں کو سدا سے یہ غرور ہے کہ وہ جسے نظر بھر کر دیکھ لیں وہ گر کر پٹ سے مرجاتا ہے۔ تم مجھے گھور رہی ہو مگر میں زندہ ہوں۔ شاید اس لیے کہ ابھی میرا وقت نہیں آیا۔"

"میں نے کبھی حسین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ اب تم اُوٹ پٹانگ باتوں پر اتر آئے ہو۔"

"یہ دعویٰ تم کر بھی نہیں سکتیں۔ جس دن سے تمہاری صورت دیکھی ہے' ہر وقت موت سے لڑنا پڑ رہا ہے۔ یہ دیکھ لو کہ ابھی ابھی ہم موت کے منہ سے نکل کر آئے ہیں۔"

"یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ بعض لوگ واقعی اتنے بدنصیب ہوتے ہیں کہ وہ اونٹ پر سفر کر رہے ہوں تب بھی کتا ان کی پنڈلی پر کاٹ لیتا ہے۔" ویرا نے بے زاری سے کہا۔

"تمہاری یہ مثال کچھ عجیب سی ہے۔" غزالہ نے ان کی بحث ختم کرانے کے لیے مداخلت کی۔

"ویسے تو اونٹ ہی ایک عجیب جانور ہے۔ تصور کرو کہ اس کی پشت پر بیٹھا ہوا آدمی زمین سے کتنا بلند ہوتا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی حقیر کتا اس کی پنڈلی پر کاٹ لے تو اسے اس شخص کی بدنصیبی کی انتہا کے سوا اور کیا کہا جاسکے گا؟"

غزالہ ہنس پڑی "یہ بات تمہاری وضاحت کے بغیر بھی میری سمجھ میں آگئی تھی۔"

میں ان تینوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کی طرف سے اپنے کان بند نہیں کرسکتا تھا۔ اس کے باوجود میں اول خان کی اپریشن پر ہونے والی گفتگو سے غافل نہیں تھا۔

پچھلی گاڑی میں موجود چار افراد میں سے ایک نے کھٹمل راجوانی کا گھر دیکھا ہوا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ لان پر ہونے والی راگ رنگ اور خورونوش کی محفل کے لیے کیا انتظامات کیے گئے تھے۔ اول خان نے اسی کو نئی مہم کا سربراہ مقرر کیا تھا۔

طے یہ ہوا تھا کہ کھٹمل راجوانی کے ساتھ وہی کچھ دہرایا جائے گا جو اس رات ہمارے ساتھ ہوچکا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہمارے دشمن ہمیں مارنے کا عزم لے کر آئے تھے جبکہ اول خان کے آدمیوں کو موقع پاکر کھٹمل راجوانی کو اس کے گھر سے اٹھالانا تھا۔

مجوزہ منصوبے کی جزئیات کو نظر میں رکھتے ہوئے کھٹمل کے ہاتھ آنے کا امکان بہت موہوم تھا۔ اندھیرے میں ہونے والی بھگدڑ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی کھٹمل کو پہچان کر اس پر ہاتھ ڈال سکے۔ وہ پکڑا جاتا تو اسے اس کی بدنصیبی ہی قرار دیا جاسکتا تھا جس کی مثال ویرا نے اونٹ سوار کی پنڈلی پر کتے کے کاٹنے سے دی تھی۔

"کھٹمل!" اپریشن پر اپنی گفتگو ختم کرنے کے بعد اول خان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا "بڑا عجیب اور نامانوس سا نام ہے اس مردود کا۔"

"وہ ہندو ہے۔ یہ ہندی کا ہی کوئی نام ہوگا۔" پیچھے سے سلطان شاہ نے رائے دی۔

"یہ نام شروع ہی سے میرے کانوں میں بھی چبھ رہا ہے کیونکہ میں ہندی سے ناواقف ہوں۔" ویرا نے اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔

"تم کیوں چپ ہو؟" میں نے مڑ کر غزالہ سے کہا "اور یہ مسکراہٹ کیسی ہے۔"

"ویرا کی بات پر ہنس رہی ہوں۔ رام' مل' رائے اور ناتھ وغیرہ تو عام ناموں میں آتے رہتے ہیں۔ اسے شاید کھٹمل پر اعتراض ہے حالانکہ وہ یہ لفظ روزمرہ کی سنتی یا بولتی رہتی ہے۔"

"اگر تم یہ کہہ رہی ہو کہ کھٹے کو کھٹمل بنا دیا گیا ہے تو میں مان سکتی ہوں۔"

"کھٹے میٹھے سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ کھٹمل' کام چور اور حرام خور کو کہتے ہیں۔ کھٹمل کے منہ سے مخملی ہی ہوسکتے ہیں۔" غزالہ نے جواب دیا۔

"اس دریافت پر تمہیں ہندی کا ایوارڈ دینا چاہیے۔" ویرا کی آواز تحسین آمیز تھی۔

اس وقت ہماری دونوں گاڑیاں کلفٹن کے پل سے گزر کر صدر کے علاقے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ رات کے گیارہ بجے سے اوپر کا عمل ہونے کی وجہ سے آنے اور جانے والی سڑکوں پر ٹریفک کی زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی جس کی وجہ سے دونوں گاڑیوں کا ایک ساتھ رہنا مشکل نہیں تھا۔

ہمارے فلیٹ سے روانگی کے وقت اول خان سب سے پہلے اپنے گھر جانے کا ارادہ کرچکا تھا اس لیے اس نے گاڑی اس سیدھے راستے پر ڈالی تھی ورنہ کھٹمل کے گھر پہنچنے کے لیے ڈیفنس سے براہِ راست گورا قبرستان کا راستہ زیادہ مختصر اور آسان ثابت ہوتا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس وقت اس عمارت کے کسی بند کمرے میں ہم لوگوں کے خلاف کوئی منصوبہ بندی ہو رہی ہو۔" امریکی قونصل خانے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ویرا نے تحقیر آمیز لہجے میں

Downloaded from https://paksociety.com

کہا۔

قونصل خانے کے وسیع احاطے میں مسلح محافظ پوری طرح چاق و چوبند نظر آرہے تھے۔ میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا کہ ایک نہ ایک دن ہمیں اس عمارت میں رہنے اور کام کرنے والوں سے بھی دو دو ہاتھ کرنے ہی تھے۔

ہوٹل میٹروپول کی وسیع عمارت کا آدھا طواف کرنے کے بعد ہم اداری ٹاورز کے کونے سے شارع فیصل پر مڑ گئے۔ اس شاہراہ پر آتے ہی اول خان نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔

ہوٹل عمران' عائشہ باوانی اکیڈمی اور فنانس اینڈ ٹریڈ سینٹر کی معروف عمارتوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے ہم جلد ہی سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کے سگنل پر پہنچ گئے۔ اس وقت تک دوسری گاڑی آگے آچکی تھی۔ اول خان سکون سے اس کی تقلید کر رہا تھا۔

اس ٹریفک سگنل سے داہنی طرف سوسائٹی کا بلاک بی تھا جبکہ بائیں طرف زیادہ بارونق اے بلاک واقع تھا۔ ہماری گاڑیاں سڑک کے انتہائی داہنے سرے پر رکی تھیں اس لیے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری نہیں ہوئی کہ ہمارا ہدف بلاک بی میں واقع تھا۔

سبز اشارہ جلنے پر گاڑیاں داہنی طرف مڑ گئیں۔ مختصر سی مسافت کے بعد پھر داہنا موڑ لیا گیا۔ بائیں طرف کی ایک ذیلی سڑک پر گھومتے ہی ہدف کے واضح آثار نظر آنے لگے۔

گلی کے اختتام پر زمین سے قدرے بلندی پر ریلوے لائن چمک رہی تھی۔ مجھے بے اختیار ناروے کا وہ مکان یاد آگیا جہاں میں نے رمیش اگروال اور بدری ناتھ کے ساتھ رہتے ہوئے ان کو اپنے جال میں پھانسا تھا۔ وہ مکان شارع فیصل کے اسی رخ پر وہاں سے تقریباً دو تین کلو میٹر دور واقع تھا۔

کھٹمل کا مکان وسیع رقبے پر بنا ہوا تھا۔ اس کے احاطے میں لگے ہوئے شامیانے دور سے نظر آرہے تھے۔ اندر کے چراغاں کے انعکاس نے فضا کو خاصی دور تک منور کیا ہوا تھا۔ مکان والی سڑک پر دونوں طرف نت نئے ماڈلوں کی گاڑیاں پارک کی ہوئی تھیں۔ ان کی تعداد سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کھٹمل کی کوئی مخصوص نجی دعوت تھی جس میں ڈیڑھ دو سو سے زیادہ افراد مدعو نہیں تھے۔

مکان پر حملہ آور ہونے والے اپنی گاڑی سیدھی لیتے چلے گئے۔ اول خان نے اپنی جیپ ایک گلی میں گھمالی۔ ہم انجنوں کو اس آپریشن میں کوئی عملی حصہ نہیں لینا تھا۔ بس دور رہ کر اگلی پارٹی کو پشت پناہی کا یقین دلانا تھا اس لیے جیپ کو گاڑیوں کی بھیڑ میں پھنسانا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

وہ آبادی وسیع رقبے پر بنے ہوئے مکانوں پر ہی مشتمل تھی۔ مکانوں کی بیرونی دیواروں اور ان کے ساتھ پھیلی ہوئی کچی مٹی کی خستہ حالی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ مکین شاید برسوں تک باہر کی دیکھ بھال کے بعد تھک گئے تھے یا پھر انہیں باہر کی پروا ہی نہیں تھی۔ ان کی ساری دلچسپیاں اپنے گھروں کو اندر سے سجانے اور سنوارنے تک محدود تھیں۔

ایک چکر کاٹ کر اول خان نے کھٹمل والی سڑک کے ایک ویران حصے پر جیپ ایسے رخ سے کھڑی کی کہ ہمیں عقب نما آئینوں میں پیچھے کا منظر نظر آتا رہے۔

ٹھیک گیارہ بج کر بیس منٹ پر بجلی کے شارٹ سرکٹ کی تیز بھڑبھڑ کے ساتھ عقبی فضا میں سرخ روشنی نمودار ہوئی اور پھر کھٹمل کے مکان کے اجالے گہری تاریکی نے نگل لیے۔ پروگرام کے مطابق اول خان کے آدمیوں کو کھٹمل کے مکان میں جانے والے بجلی کے تاروں پر دہرا آہنی لنگرا چھال کر تاروں کو آپس میں شارٹ کرنا تھا۔ اس کارروائی کے ذریعے پورے علاقے کی برقی رو بند کیے بغیر صرف کھٹمل کو آسانی سے اپنا نشانہ بنایا جاسکتا تھا۔ پروگرام کا وہ پہلا مرحلہ طے ہونے کے چند منٹ بعد ہی فضا ملی جلی مردانہ اور زنانہ چیخوں سے گونجنے لگی۔ اس وقت تک ایک بھی گولی نہیں چلی تھی۔

اول خان نے بے گناہوں کے خون سے بچنے کے لیے یہ پروگرام طے کیا تھا کہ اندھیرا ہونے کے بعد اس کے دو آدمی کھٹمل کے گھر میں داخل ہوں اور ہتھیاروں کی دھمکی دے کر مہمانوں کے ساتھ مصنوعی لوٹ مار شروع کردیں۔ کسی کو کچھ پتا نہ چلتا کہ لوٹنے والے کون ہیں۔

وہاں بھگدڑ مچتی تو اول خان کے آدمی بھی بھیڑ میں شامل ہو کر اطمینان سے باہر آجاتے۔ انہیں اس پوری کارروائی کے لیے صرف دس منٹ کا وقت دیا گیا تھا۔ انہیں حتی الامکان گولی نہیں چلانی تھی لیکن کسی سنگین خطرے کی صورت میں ایسی کارروائی کی ممانعت بھی نہیں کی گئی تھی۔

کلفٹن میں درندگی اور بربریت کے مظاہرے کے پیچھے اگر کھٹمل کا ہاتھ کارفرما تھا تو اپنی محفل طرب و نشاط کی بربادی پر اسے سبق لینا چاہیے تھا کہ دوسروں کے گھروں پر سنگ باری کرکے وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے شیش محل میں محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

گاڑیوں کے انجن بیدار ہونے لگے' بکے بکے مہمان بدحواسی کے عالم میں گھر سے نکل کر اپنی گاڑیوں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ باہر کے وہ منا ظر دور سے گھروں کے گیٹ لیمپس اور گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نظر آرہے تھے ورنہ کھٹمل کا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

بات صرف انتظار کی ہو تو وقت گزرنے کا نام ہی نہیں لیتا لیکن جب کوئی سرگرمی جاری ہو تو وقت اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ میں نے عقب میں رونما ہونے والی صورت حال کے ایک سرسری سے جائزے کے بعد رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو وقت پورا ہو چکا تھا۔ اول خان کے آدمیوں کو کسی بھی وقت واپس آجانا چاہیے تھا۔

وقت کی نزاکت اول خان کی نظروں سے بھی اوجھل نہیں تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنی جیپ کا انجن اسٹارٹ کرلیا۔ اس کی

Downloaded from https://paksociety.com

نظریں عقب نما آئینے پر جمی ہوئی تھیں۔

اندھیرے میں پیچھے سے آنے والی کسی گاڑی کو پہچاننا ناممکن ہوتا ہے۔ اس کے ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی گاڑی کی ہر تفصیل کو چھپالیتی ہے۔ وہ خیال مجھے اس وقت آیا جب اول خان کی گود میں پڑے ہوئے اپریٹس پر اس کے ایک آدمی کی آواز سنائی دی۔

وہ لوگ کھٹو مل کے گھر سے روانہ ہورہے تھے۔ انہوں نے اول خان کی جیپ دیکھ لی تھی۔

اول خان نے انہیں شاہراہِ قائدین کے چوراہے سے آگے نکل کر چند ثانیوں کے لیے رکنے کی ہدایت کی اور پھر جیپ آگے بڑھادی۔

"یہ چاروں یہاں سے سیدھے ملیر کینٹ جائیں گے۔" اول خان نے خاص طور پر کسی کو مخاطب کیے بغیر اپنے ارادے کا اظہار کیا "سلطان شاہ ان کے ساتھ نکل جائے گا۔"

"اور تم کہاں جاؤ گے؟" میں نے اس سے سوال کیا تاکہ میں اس کے جواب کی روشنی میں اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکوں۔

"میں گھر کے سوا اور کہاں جاسکتا ہوں؟ ان دونوں کا گھر پہنچنا ضروری ہے۔" اول خان نے کہا "ان کے بعد تمہیں جہانگیر کے گھر پہنچادوں گا۔"

"تمہیں اتنی لمبی دوڑ لگانے کی ضرورت نہیں۔ میں بیم گن اور ایک ریوالور کے ساتھ آگے اتر جاؤں گا۔ یہاں سے جہانگیر کے گھر تک پہنچنا مشکل نہیں ہوگا۔"

"سوچ لو..... آج کل اتنی رات گئے پولیس والے ہر آنے جانے والی ٹیکسی کو روک کر پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ کہیں تم کسی مشکل میں نہ پڑجاؤ۔" اول خان نے مجھے یاد دلایا۔

"دیکھا جائے گا۔ ہتھیار کے ساتھ جیب میں کوئی معقول رقم بھی موجود ہو تو ہتھیار صاف بچایا جاسکتا ہے۔ میں نے فلیٹ چھوڑنے سے پہلے نوٹوں کی ایک گڈی جیب میں ڈال لی تھی۔"

"اوہ! میں پیسوں والی الماری تو کھلی چھوڑ آئی ہوں۔" غزالہ کو اچانک یاد آیا۔

"اس کی فکر مت کرو۔ کل تک تمہارا ایک ایک پیسہ تمہیں واپس مل جائے گا۔" اول خان نے اسے یقین دہانی کرائی "میرے آدمی سازوسامان کے ساتھ رقم بھی نکال لائیں گے۔"

"نادرہ کا سامان نہ اٹھوالینا۔" میں نے اول خان کو یاد دلایا۔

"ہم نے وہ فلیٹ فرنشنگ کے ساتھ کرائے پر لیا تھا۔ کپڑوں اور ذاتی ضرورت کے سامان کے سوا ہر چیز فلیٹ والی کی ملکیت ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ ویسے تم نے وہاں سے کوئی چیز اٹھوا بھی لی تو نادرہ شکایت نہیں کرے گی۔"

اول خان کے تبصرے پر ویرا نے دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

"حیرت ہے کہ یہ بات تم بھی جانتے ہو۔ یہی بات میں کہہ دیتی تو ڈیڈی ابھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہوجاتا۔"

دونوں گاڑیاں آگے پیچھے دوبارہ شارع فیصل پر آگئیں۔ اس بار جیپ آگے تھی۔

نرسری کے بس اسٹاپ سے ذرا پہلے اول خان نے پٹرول پمپ کے سامنے جیپ روکی تو میں سلطان شاہ کے ساتھ فوراً ہی جیپ سے اتر گیا۔ پچھلی گاڑی رکی تو سلطان شاہ پھرتی سے اس کی عقبی نشست پر سوار ہوگیا۔ میں اسے ہاتھ ہلا کر سروس لین کی طرف بڑھ گیا جہاں ٹیکسیاں وغیرہ نظر آرہی تھیں۔

کراچی کے رکشا اور ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ مسافر کے بجائے اپنی مرضی سے چلتے ہیں۔ لانڈھی جانے والے کو نیو کراچی کا راستہ بتاتے ہیں، کوئی کیماڑی جانا چاہے تو یہ صرف گلشنِ اقبال جانا پسند کرتے ہیں۔ شاید ایسا ہوتا بھی ہو مگر اس دن میرے ستارے یاور تھے۔ میں نے سب سے پہلے جس ٹیکسی والے سے بات کی، وہ فوراً ہی میٹر گرا کر مجھے منزلِ مقصود تک پہنچانے پر رضامند ہوگیا۔

دورانِ سفر میں کالا پل کے علاقے میں سڑک کے کنارے کھڑی ہوئی ایک پولیس موبائل کے عملے نے ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کیا تو میری روح فنا ہوگئی۔ لین دین کرکے اس مصیبت کو ٹالا ضرور جاسکتا تھا لیکن مصیبت بہرحال مصیبت ہوتی ہے اور ٹل جانے کے باوجود اپنے اثرات بد چھوڑ جاتی ہے۔

ڈرائیور نے دو مسلح اور باوردی سپاہیوں کے قریب ٹیکسی روکتے ہی کیبن لائٹ آن کردی۔ سپاہیوں نے جھک کر اشتباہ آمیز عقابی نگاہوں سے میرا اور ڈرائیور کا گہرا جائزہ لیا پھر انہیں ہم میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ انہوں نے نال کے اشارے سے ٹیکسی کو جانے کی اجازت دے دی۔

میں نے سکون کا ایک گہرا سانس لے کر سگریٹ سلگالی۔ اس وقت ذرا سی کوئی بھی بات میرے سارے ذہنی سکون کو درہم برہم کرنے کا سبب بن سکتی تھی۔

"صاحب! تمہارے پاس کوئی مال ہو تو بتا دو۔" اس مرحلے سے گزرنے کے بعد ڈرائیور نے عاجزانہ لہجے میں گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے مجھے مشورہ دیا۔

"اول تو میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس پر پولیس والے اعتراض کرسکیں اور ہوتی بھی تو تمہیں اس کے بارے میں بتانے سے کیا فرق پڑسکتا تھا؟" میں نے طنزیہ لہجے میں پوچھا "پولیس والا جہاں بھی ہاتھ دکھائے گا، تمہیں رکنا پڑے گا ورنہ وہ پیچھا کرکے پکڑلیں گے۔"

وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا "ہر آدمی اپنے فن کا ماہر ہوتا ہے۔ پولیس سے بچا کر منزل پر پہنچانے کے لیے میں میٹر سے پچاس روپے فالتو لیتا ہوں۔ مجھے کراچی کی ایسی ایسی گلیاں یاد ہیں جن سے میں شہر کے کسی بھی حصے میں پہنچ سکتا ہوں اور راستے میں پولیس والوں کا سایہ تک نظر نہیں آتا۔"

"کیا تم اپنے ہر مسافر سے اس قسم کی گفتگو کرتے ہو؟" میں نے قدرے ترشی سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"نہیں صاحب!" اس نے جلدی سے کہا "آدمی دیکھ بھال کر بات کرتا ہوں۔"

"مجھ میں تمہیں ایسی کون سی مشتبہ بات نظر آگئی جو یہ باتیں نکال بیٹھے؟"

"صاحب' برا نہ ماننا۔" وہ گھگیا کر بولا "تمہاری جیبیں ذرا بھاری نظر آئی تھیں۔ شراب وغیرہ لے جانے والے شریف آدمی عام طور سے پولیس کا سامنا کرنے سے گھبراتے ہیں۔ چار چھ سو روپے کی شراب اور عزت بچانے کے لیے مجھے خوشی سے پچاس روپے فالتو دے جاتے ہیں۔"

"تو یہ بات ہے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا "وہ شروع ہی سے میری جیبوں کے بھاری پن کو تاڑ چکا ہے۔"

اس وقت ٹیکسی فیز نمبر دو کے کمرشل ایریا میں داخل ہو چکی تھی۔ میری منزل زیادہ دور نہیں تھی اور وہاں تک پہنچنے کے بہت زیادہ راستے نہیں تھے پھر بھی میں نے خود کو ٹیکسی ڈرائیور کی کسی غیر متوقع شرارت سے محفوظ رکھنے کے لیے ہنس کر کہا "تم خطرناک آدمی ہو۔ جیبوں میں چھپی ہوئی بوتلیں تاڑ لیتے ہو۔ چلو پچاس روپے تمہارے ہوئے۔"

اپنی بھاری جیبوں کی طرف سے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے وہ پیشکش ناگزیر تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ڈیفنس کے رہائشی علاقے سے سن سیٹ بلے وارڈ پر نکلنے کے بجائے یکایک ہی کسی کچی آبادی میں جا گھسا جہاں تنگ گلیوں میں خاصی گنجان آبادی کے آثار نظر آرہے تھے۔

کچی آبادیوں کی طرز پر قائم ہو کر بعد میں باقاعدگی اختیار کرنے والی وہ کالونیاں ڈیفنس اور کلفٹن کے بیش قیمت رہائشی علاقوں کے درمیان مدتوں سے حد فاصل کے طور پر قائم تھیں لیکن میں نے کبھی ادھر کا رخ نہیں کیا تھا۔ وہ ڈرائیور مجھے اپنی مہارت سے مرعوب کرنے کے لیے زیادہ فاصلہ ایسی ہی غیر معروف گلیوں میں طے کرتا رہا۔ ایک دو جگہ وہ کسی سڑک پر بس لمحہ بھر کے لیے آیا اور عبور کرتے ہی کسی اور بھول بھلیاں میں گھس گیا۔

سپر مارکیٹ والے چوراہے پر اسے مجبوراً سڑک پر آنا پڑا۔ اس نے میری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس قسم کے روشن اور بارونق مقامات عام طور پر پولیس کی چیکنگ سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے اختیارات کے فراخ دلانہ استعمال کے لیے نسبتاً ویران اور تاریک مقامات پر عارضی چوکیاں بناتے ہیں تاکہ وہاں ہونے والی کارروائیاں خلقِ خدا کی نظروں سے پوشیدہ رہ سکیں۔

وہ مجھے گھر تک پہنچانے پر مُصر تھا مگر میں نے اسے مین روڈ پر ہی فارغ کردیا۔ راستے میں میں دیکھ چکا تھا کہ ہمارے فلیٹ والی عمارت اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ بدستور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں متعدد ایسی گاڑیاں جمع تھیں جن کی چھتوں پر گردش کرنے والی زرد' نیلی اور سرخ روشنیاں دور سے دیکھی جاسکتی تھیں۔

ہمارے متروک فلیٹ سے جہانگیر کے گھر کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا اس لیے واردات کے اثرات وہاں بھی پائے جارہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے آس پاس سے اپنی جملہ نفری سمیٹ کر جائے واردات پر مرکوز کردی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے رونما ہونے والے واقعات پر اس وقت بھی اِکّا دُکّا ٹولیاں تبادلۂ خیال کررہی تھیں۔ وہ سب اس علاقے کے فلیٹوں کے باسی معلوم ہورہے تھے جو تازہ ترین صورتِ حال جاننے کے لیے شاید دیر سے اپنے گھروں سے نکلے ہوئے تھے۔

میں اپنی جیبوں کے وزن کی طرف سے کچھ زیادہ ہی محتاط ہو چکا تھا۔ میرے ذہن میں یہ خیال جما ہوا تھا کہ جو چیز ایک عام سے ٹیکسی ڈرائیور کو نظر آسکتی تھی اسے کوئی ذہین شخص بھی دور سے بھانپ سکتا تھا۔

جہانگیر کے گھر میری زیادہ آمدورفت نہیں رہی تھی پھر بھی چوکی دار کو میری صورت یاد تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس نے مجھ سے کوئی استفسار نہیں کیا بلکہ مجھے سرکی جنبش سے سلام بھی کیا اور میں لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

غیر متوقع طور پر اتنی رات گئے مجھے اپنے دروازے پر دیکھ کر سلمٰی حیران رہ گئی۔

"تم؟ اس وقت یہاں کیسے نظر آرہے ہو؟" اس نے میرا بازو تھام کر مجھے تقریباً کھینچتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں سوال کیا "باہر کے حالات تو بہت زیادہ خراب معلوم ہوتے ہیں۔"

میرے ذہن نے فوراً ہی قلابازی کھائی۔ فائرنگ کی گھن گرج وہ بھی سن چکی تھی' واقعے کی دیگر تفصیلات اگلے دن کے اخبار سے اس کے علم میں آجاتیں۔ وہ ہمارے نمبر پر فون کرکے معلوم کرسکتی تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی وہاں مقیم نہیں تھا۔

یہ خدشات ایسے تھے کہ ان کے سرِباب کے لیے میں نے اس سے کسی حد تک سچ بولنے کا فیصلہ کرتے ہوئے جواب دیا "تم خراب حالات کی بات کررہی ہو۔ وہاں تو ہر لمحے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ گولیاں کھڑکیاں توڑ کر ہمارے فلیٹ میں آنے لگیں گی.... مگر یہ بتاؤ کہ جہانگیر کہاں ہے؟"

"تم بروقت آئے ہو۔ اس وقت انہیں لگام نہ دی گئی تو وہ صبح تک مدہوش پڑے رہیں گے۔"

میں اندر پہنچ چکا تھا۔ میرا بازو بدستور سلمٰی کی گرفت میں تھا جسے وہ شاید جان بوجھ کر بار بار دبا رہی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے دروازہ مقفل اور بولٹ کرتے ہوئے کہا "اب یہی دیکھ لو کہ حالات اتنے گڑبڑ ہیں اور انہیں ذرا بھی پروا نہیں ہے کہ دروازے پر کون آیا ہے۔ تمہاری جگہ کوئی چور ڈاکو ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا؟ انہیں کبھی بھی میری پروا نہیں رہی۔"

"تم تھوڑی سی احمق اور جذباتی عورت ہو۔" میں نے خوش

Downloaded from https://paksociety.com

دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "یہ پروا کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ اسے تم پر پورا پورا اعتماد ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو تم خود اسے سنبھال لوگی۔ بات بڑھ گئی تو خود ہی اسے اپنی مدد کے لیے بلا لوگی۔"

اس نے ہنستے ہوئے میرے بازو میں اپنی انگلیاں تقریباً گاڑ دیں۔ "تم دونوں ایک جیسے ہو۔ ہر وقت ایک دوسرے کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتے رہتے ہو۔ ان کے اعتماد کا حال میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ انہوں نے آج تک گھر کے کام کاج کے لیے کوئی لڑکا رکھنے کی اجازت نہیں دی۔"

"اسے ایسا الزام نہ دو۔ گارڈن ایسٹ میں جب تم ایک شاہانہ حویلی میں رہتی تھیں تو وہاں مرد ملازمین کی بھی ایک فوج پل رہی تھی۔"

"وہ اور بات تھی۔ وہ بڑا گھر تھا۔ وہاں ڈرائیور، خانساماں، مالی اور چوکی داروں کے ساتھ دو ماسیاں بھی ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی تھیں جو پیسوں کے لالچ میں انہیں میری پل پل کی خبریں دیتی تھیں۔ یہاں ہم زیادہ ملازم نہیں رکھ سکتے۔"

سلمٰی وہ تمام باتیں نیچی آواز میں کر رہی تھی۔ اپنی خواب گاہ کے دروازے سے ذرا پہلے اس نے میرا بازو چھوڑا تو مجھے یقین تھا کہ وہ وہاں نیل ڈال چکی تھی۔

"آخاہ....!" میرے چہرے پر نظر پڑتے ہی جہانگیر اپنی کرسی سے یوں اچھلا کہ اس کے ہاتھ میں موجود گلاس سے خاصی اسکاچ چھلک کر اس کے کپڑوں پر گر گئی۔ اس نے پروا کیے بغیر گلاس تپائی پر رکھا اور دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا کر میری طرف لپک آیا۔

"آخر تمہیں میرا خیال آ ہی گیا۔" وہ مجھ سے گلے ملتے ہوئے شکوہ کر رہا تھا "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے تمہیں دیکھے صدیاں بیت گئی ہوں۔ سنا ہے کہ ویرا تمہیں لے کر بنکاک فرار ہو گئی تھی۔"

"تم اتنی عمر گنوا کر بھی احمق کے احمق ہو۔" میں نے بدمزگی سے کہا "وہ یہاں بھی میرے ساتھ رہتی ہے۔ ہمیں یہاں سے فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ فرض کرو کہ فرار ہوئے بھی ہوتے تو کیا سب کو بتا کر جاتے کہ ہم اس ظالم سماج سے بھاگ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یار کبھی تو عقل کی بات کر لیا کرو!"

"یہ سب مجھ سے نہیں، ان بی جمالو سے پوچھو۔" جہانگیر نے مجھ سے الگ ہو کر اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے زاری سے کہا "تمہارے خلاف یہی ہر وقت میرے کان بھرتی رہتی ہے۔ تم آ گئے ہو تو تمہارے سامنے تمہاری ایسی ہمدرد بن جائے گی جیسے دنیا میں اسے تم ہی سب سے عزیز ہو۔"

میں نے زبان سے کوئی شکایت کیے بغیر ملامت آمیز نظروں سے سلمٰی کو گھورا اور وہ فوراً بول پڑی۔

"یہ شراب پی کر مجھ پر صرف الزام تراشیاں نہیں کرتے، جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ ابھی فون ملا کر غزالہ سے پوچھو کہ اس سے کس نے بات کی تھی۔ اس سے سب کچھ اگلوا کر انہوں نے ہی بڑی حسرت سے مجھے بتایا تھا کہ ڈینی سالا اتنا خوش نصیب ہے کہ ایک حسین بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری حسینۂ عالم کو بھگا لے گیا۔"

"چلو چلو.... یہ میں نے ہی کہا ہوگا۔" بیوی کی پھنکار سن کر جہانگیر کا حافظہ فوراً بحال ہو گیا "اب یہ تو مان لو کہ تم نے تردید کرنے کے بجائے میری ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ یہ تک کہہ دیا تھا کہ ڈینی بہت ندیدا ہے اور غزالہ جیسی معصوم اور بے زبان بیوی پر ظلم کر رہا ہے۔"

وہ دونوں زبانی جنگ میں الجھ کر مجھے بالکل بھلا بیٹھے تھے۔ میں نے اطمینان سے خود ہی کرسی سنبھال کر سگریٹ سلگالی اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ان کی باتوں سے محظوظ ہونے لگا۔

"میں شادی سے پہلے ڈینی کو جانتی تک نہیں تھی۔ لاہور سے بالکل نیدھی سادی آئی تھی۔ تم ہی نے اپنے دوست کی غیبتیں کر کے میرا دماغ خراب کیا ہے ورنہ میں جانتی ہوں کہ ڈینی اپنی بیوی کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ تمہاری طرح ہر وقت پرائی عورتوں پر اپنی رال نہیں ٹپکاتا پھرتا۔"

آخری فقروں میں سلمٰی نے میرے بارے میں اپنے ذاتی تجربات کا نچوڑ سمو کر ایک تیر سے دو شکار کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ایک طرف میرے کردار کو جہانگیر کے لیے چیلنج بنا دیا تھا اور دوسری طرف مجھ سے دبی زبان میں شکوہ بھی کر ڈالا تھا کہ میں اس کی مہربانیوں کے جواب میں ہمیشہ برف کے تودے کی طرح منجمد اور سرد چلا آ رہا تھا۔

"میرے بارے میں تم دونوں کو لڑنے بھڑنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے ان کے فساد میں مداخلت کرتے ہوئے ہنس کر دونوں کو تادیب کی "تم دونوں میرے بارے میں جو بھی بری بھلی باتیں کہتے رہے ہو، میں جانتا ہوں کہ اس میں ہمیشہ تمہاری نیک نیتی اور خیر خواہی شامل رہی ہے۔"

"میں تمہاری اس فراخ دلی کو بھی ہمیشہ سراہتی ہوں۔ بڑی سے بڑی بات کو بھی بھول جانا اور معاف کر دینا ہی مردوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ یہ میری ذرا ذرا سی لغزش کو مہینوں اپنے دل میں لیے بیٹھے رہتے ہیں اور ہر وقت اس کے بارے میں طعنے دیتے رہتے ہیں۔" سلمٰی نے قدرے ناز سے شکوہ کیا۔

"تم ہوش و حواس میں رہتے ہوئے لغزش کرتی ہو مگر میری وہ باتیں بھی پکڑ لیتی ہو جو میں سُرور کی روانی میں ارادے کے بغیر کہہ جاتا ہوں...."

"بس!" میں نے جہانگیر کی بات کاٹ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے "میں تم دونوں کے جھگڑے نمٹانے کے لیے یہاں نہیں آیا۔ اب اس بارے میں ایک لفظ بھی کہا گیا تو میں اسی وقت واپس چلا جاؤں گا۔ یہ پروا نہیں کروں گا کہ اپنے فلیٹ میں میرا کیا حشر ہوگا۔"

"حشر؟" جہانگیر نے تحیر زدہ خوشی کے ساتھ پوچھا "تو کیا تم

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ سے لڑ کر یہاں آئے ہو؟"

"وہ نہیں' میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو تھوڑی دیر پہلے گولیاں برساتے پھر رہے تھے۔" میں نے جل کر کہا "انہیں میری واپسی پر خاصی خوشی ہوگی۔"

"دیکھ لیا!" جہانگیر نے سلمٰی کی طرف متوجہ ہو کر فخریہ لہجے میں جتایا "میں نے فائرنگ کی آوازیں سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ ہونہ ہو' یہ ڈینی کی کوئی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ یہ جہاں ہوتا ہے' وہاں سے سکھ چین سب سے پہلے رخصت ہوتا ہے۔"

"اتنا بڑھ چڑھ کر مت بولو۔" میں نے خفا ہو کر کہا "ابھی کچھ پتا نہیں کہ گولیاں کیوں چل رہی تھیں۔ میں نے صرف ایک خطرے کا اظہار کیا تھا اور تم اسی کو لے دوڑے۔"

سلمٰی نے پھر منہ کھولنا چاہا لیکن جہانگیر نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا "کچن میں جا کر جلدی سے چکن اور مٹن کے کچھ پارچے بھون لو۔ ڈینی اتنے دنوں بعد آیا ہے تو اس کی دعوت بھی ہو جانی چاہیے۔"

"مجھے معلوم ہے کہ میرے سامنے تم اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکو گے۔ لو' میں دفع ہو رہی ہوں۔" سلمٰی نے یہ کہا اور تنک کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

"اب سناؤ۔" جہانگیر نے مجھے آنکھ مار کر مونگ پھلی کے دانے چباتے ہوئے کہا "سالی شیطان کی خالہ بن کر سر پر سوار ہونے کے چکر میں تھی۔ تم دونوں بنکاک میں کیا کرنے گئے تھے؟"

"چند روز کے لیے دشمنوں کی نظروں سے دور رہ کر تفریح کرنے کا ارادہ تھا..... تم نے سلمٰی کے دماغ میں یہ کیا گند گھولا ہوا ہے کہ بنکاک مردوں کی تفریح کی جگہ ہے' شریف عورتیں وہاں نہیں جاتیں۔"

"یار' سمجھا کرو۔" وہ دبی دبی آواز میں بولا "یہ ہر جگہ میری دُم چھلّی بننے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔ اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے بہت سے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ شاندار دعوت میں بھی آدمی گھر سے باندھ کر لائی ہوئی دال روٹی کھانے بیٹھ جائے تو لعنت ہے اس کی زندگی پر..... یہ خانم یہی چاہتی ہے۔"

"تمہاری رگ رگ سے واقف ہونے کے باوجود وہ تمہارے ہر جھوٹ پر یقین لے آتی ہے۔ وہ بڑے تجسس کے ساتھ یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ ویرا بنکاک میں کیا کرتی پھر رہی تھی۔" میں نے تلخی سے کہا۔

جہانگیر نے اپنی دروغ گوئی کی کامیابی کی اس اطلاع پر ایک قہقہہ لگایا اور کہا "آخر کو بیوی ہے اور میں اس کا مزاجی خدا ہوں۔ میری بات کا یقین نہیں کرے گی تو کہاں جائے گی۔"

"اے عقل مند! مزاجی نہیں' مجازی خدا کہا جاتا ہے حقیقی شوہر کو۔" میں نے بھنّا کر کہا۔

"میں نے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو یہی بولتے سنا ہے۔ تمہیں بلاوجہ میری ہر بات میں کیڑے نکالنے کی عادت پڑ گئی ہے۔" وہ برا مان کر اکڑ گیا اور فوراً گلاس منہ سے لگا لیا۔

"تم جیسے پڑھے لکھے لوگ تو مزاج شریف کو بھی مجاز شریف کہتے پھرتے ہیں۔"

"یہ دونوں طرح چلتا ہے۔" اس نے اعتراف کیا "کبھی کبھی سننے میں بھی فرق پڑ جاتا ہے..... لو' تم بھی جلدی سے اپنا گلاس بنا ڈالو تاکہ میری طرح سرور میں آ جاؤ۔ اس وقت تم بالکل خشکے معلوم ہو رہے ہو۔"

"میں تمہارا مہمان ہوں اور یہ یاد رکھنا کہ اس مرتبہ بلائے جان بننے کے ارادے سے آیا ہوں۔" میں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اسے اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔

بات اس کے سر پر سے گزر گئی "تم واقعی میری جان ہو۔" یہ کہہ کر اس نے میز پر رکھے ہوئے خالی گلاسوں میں شیواز ریگل کی خوب صورت بوتل سے اسکاچ انڈیلنی شروع کر دی۔

"تمہاری میز پر یہ دوسرا خالی گلاس کیوں رکھا ہوا تھا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"گھر میں بیٹھ کر اکیلے شراب پینے کی یہ تکنیک میں نے ڈش کے ایک چینل سے سیکھی ہے۔" اس نے میرے لیے پیگ بناتے ہوئے بے نیازی سے جواب دیا۔

"ہائیں! تو کیا میز پر محض ایک خالی گلاس رکھنے میں بھی کوئی تکنیک پوشیدہ ہے؟"

"ہاں! یہ ایک نفسیاتی ترکیب ہے۔ آدمی کو اکیلے پن کا احساس نہیں ستاتا۔ شروع میں اسے امید رہتی ہے کہ جلد ہی کوئی نہ کوئی آ کر اس کا ساتھ دے گا۔ جب چراغوں میں روشنی نہیں رہتی تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی ساتھی گلاس خالی کر کے باتھ روم میں گئی ہوئی ہے' جلد لوٹ آئے گی۔"

"یہ نفسیاتی ترکیب نہیں' عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنے والی حرکت ہے۔"

"دیکھ لو..... دوسرا گلاس رکھا ہوا تھا تو تم آ ہی گئے اور میں اکیلا نہیں رہا۔ میں نے پچھلے ہفتے ہی اس ترکیب پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ چھ دنوں میں ایک کامیابی کا مطلب ہے یہ ترکیب اب تک سولہ فیصد سے زیادہ کامیاب ہے۔ آج کل تو کاروبار بھی محض دس فیصد پر چل رہا ہے۔"

"کس کاروبار کی بات کر رہے ہو؟ کیا کہیں سے کمیشن وصول کر رہے ہو؟"

"ایک ناکام ڈاکٹر سے فارمیسی کا لائسنس خریدا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ دوائیں بیچ رہا ہوں۔ دکان پر دو ملازم بھی ہیں۔ کام چل نکلا تو دوائیں امپورٹ بھی ہوں گی۔ اس کام میں چاندی ہی چاندی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے میرے لیے بنایا ہوا گلاس میرے سامنے رکھ دیا۔

گلاس میں چھلکتے ہوئے سیّال کا رنگ چغلی کھا رہا تھا کہ جہانگیر نے میرے ساتھ بددیانتی کی تھی۔ گلاس میں برف اور پانی کے

Downloaded from https://paksociety.com

مقابلے میں اسکاچ کی مقدار کافی زیادہ تھی۔ نشے کی جھونک میں ہونے کے باوجود اس نے چالاکی سے مجھے زیادہ پلانے کی کوشش کی تھی۔ میں بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"دواؤں کی درآمد میں چاندی کی کہانی تمہیں کس نے سنادی؟" کسی شکوے کے بغیر اپنے گلاس سے پہلا گھونٹ لینے کے بعد میں نے پیتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ویسے تو سب روتے ہوئے ہی نظر آئیں گے مگر یہ اندر کی باتیں ہیں۔" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا "برسوں سے استعمال ہونے والی متعدد دوائیں نئی تحقیقات کے نتیجے میں آئے دن بند ہوتی رہتی ہیں۔ یورپ اور امریکا میں ان کی بندش کا قانون فوراً نافذ ہو جاتا ہے۔ کمپنیاں مارکیٹ سے اسٹاک اٹھانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ہمارے یہاں اول تو کسی بندش یا پابندی کا قانون ہی نہیں ہے۔ ہو بھی تو لوگوں کو برسوں بعد ہوش آتا ہے۔ ایسے اسٹاک کو ڑیوں کے مول مل جاتے ہیں۔ سال میں دو چار سودے بھی مل جائیں تو وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ بالکل صاف ستھرا اور قانونی کام ہے۔"

"یعنی اب تم ناقص بلکہ مضر دوائیں یہاں درآمد کر کے لوگوں کے جان و مال سے کھیلو گے۔ ایسی دولت لوٹتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئے گی؟" میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

"جس نے کی شرم، اس کے پھوٹے کرم۔" وہ بے حیائی سے مسکراتا رہا "اور دوسری مشہور کہاوت بھی سن لو کہ روم جا کر وہی کرو جو سب رومن کرتے ہیں۔ یہاں ہر ایک یہی کر رہا ہے تو میں کیوں نہ کروں۔ میں کوئی جرم کروں گا اور نہ قانون کی خلاف ورزی!"

"میری دعا ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے تمہارا ضمیر جاگ اٹھے!" میں نے تلخی سے کہا۔

"مرنے والے دوبارہ نہیں جاگا کرتے.... ضمیر جعفری کافی دن پہلے رحلت پا چکے ہیں۔" اس نے میرا مضحکہ اڑایا "حیرت ہے کہ تم اتنے بے خبر رہتے ہو۔"

میں نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجی مگر تحمل سے پوچھا۔ "موجودہ کام کیسا جا رہا ہے؟"

"ٹھیک ہے، خرچ نکل رہا ہے۔ بس گلشن کا کاروبار چلنے میں ذرا سی رکاوٹ آ رہی ہے۔"

میں چونک پڑا "یہ گلشن کے کاروبار کا ذکر تم کہاں سے نکال بیٹھے؟"

"ذرا کرسی آگے کر لو۔" اس نے مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ سرگوشی کی "بڑی خوب صورت عورت ہے۔ اس کی آنکھیں ایسی جان دار ہیں کہ بس بے خود کر دیتی ہیں۔ اسی سے دوستی کے چکر میں ہوں۔"

"کیا اس کا نام گلشن ہے؟" اس کی بکواس کی روشنی میں میرا وہ سوال فطری تھا مگر وہ بھڑک گیا۔

"اس پر میرے دانت ہیں، تمہیں اس کے نام سے کیا لینا؟ کیا اس پر ڈورے ڈالنے کا ارادہ ہے؟"

"ابھی تم نے خود گلشن کا کاروبار چلنے کا ذکر کیا تھا۔ بس اسی لیے پوچھ بیٹھا۔"

"دیکھو گے تو اس پر ہزاروں گلشن قربان کر دو گے" وہ اس نامعلوم خاتون کے تصور سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولا "میں نے دانہ ڈال دیا ہے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے روز آ رہی ہے۔ دعا کرو کہ جلدی سے جال میں آ جائے۔ میں تو فلیٹ پر لعنت بھیج کر دکان ہی کے پچھلے حصے میں بستر لگاؤں گا۔"

مجھے حیرت تھی کہ وہ اسی قدر حسین و جمیل تھی تو جہانگیر جیسے اوباش اور غبی شخص کے جال میں کیسے پھنس رہی تھی۔ اس نے اپنے تازہ ترین معاشقے کا ذکر کر کے میرے دل میں تجسس پیدا کر دیا تھا لیکن اس کے بارے میں مزید کچھ اگلنے پر آمادہ نہیں تھا۔

خاصی محنت اور وعدے وعید کے بعد اس نے زبان کھولی تو میں اس کی حماقت پر حیران رہ گیا۔

پہلی بار وہ اس سے کچھ مہنگی دوائیں لینے آئی تھی۔ جہانگیر اس کی نظروں کا گھائل ہو گیا اور بیک جنبشِ قلم پچاس فیصد رعایت پر وہ دوائیں اس کے حوالے کر دیں۔ نسخے میں شامل مہنگا ترین انجکشن صرف ایک بار کے لیے تھا۔ دوسری دوائیں ہفتے بھر سے زیادہ مدت کے لیے کافی تھیں لیکن وہ چوتھے روز اسی نسخے کے ساتھ دوبارہ موجود تھی۔ جہانگیر نے اس بار بھی کوئی سوال کیے بغیر اس سے حاتم والا سلوک کیا۔ وہ مسکرائی اور اس کا شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔

اس عورت کی مسکراہٹوں نے جہانگیر کی کھوپڑی پر کچھ ایسی برف جمائی تھی کہ وہ خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ عورت محض اسے دیکھنے کے لیے ہر دوسرے تیسرے روز مہنگی دواؤں کی خریداری کے بہانے دکان پر آ رہی تھی اور آدھے داموں پر ہی سہی، خاصی غیر ضروری دوائیں خرید رہی تھی، وہ موقع پا کر کسی نہ کسی وقت اس سے اظہارِ مدعا کے لیے تلا بیٹھا تھا۔

"تم سے خریدی ہوئی دواؤں کا وہ کیا کرتی ہوگی؟" پوری بات سن کر میں نے اس سے پوچھا۔

"بھیجتی ہوگی یا کسی خیراتی ادارے کو دے دیتی ہوگی؟" اس نے بے فکری سے کہا۔

"ملاقات کا بہانہ درکار ہے تو کچھ سستی دوائیں بھی خرید سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم ان دواؤں کے پیسے ہی نہ لو۔ آخر وہ اسی نسخے کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے؟"

"بے چاری کو خیال نہیں آیا ہوگا" جہانگیر نے معصومیت سے کہا "عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں نا۔"

اس بار میں اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا اور دانت پیس کر بولا "ابے گھامڑ! وہ تجھے لوٹ رہی ہے۔ اس نے روز آنا شروع کر دیا تو چند ہی مہینوں میں تم کو کنگال کر دے گی۔ وہ تم سے آدھی قیمت پر لی ہوئی

Downloaded from https://paksociety.com

دوائیں دس پندرہ فیصد کم داموں پر بھی کسی اور اسٹور والے کو بیچتی ہوگی تو اسے معقول رقم مل جاتی ہوگی۔ یہ موٹی سی بات تمہاری بھس بھری ہوئی کھوپڑی میں کیوں نہیں آئی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا" وہ بے یقینی سے بڑبڑایا "صورت سے وہ ایسی دھوکا دینے والی نہیں لگتی۔ دوا بیچنے کے لیے اسے خواہ مخواہ کسی اور دکان دار کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہوگا۔"

"آزما کر دیکھ لینا۔ جس دن تم نے اس سے پوری قیمت وصول کرنی چاہی' وہ اسی روز پیسوں کی کمی کا بہانہ کر کے یوں غائب ہوگی کہ تم اس کی صورت دیکھنے کو ترس جاؤ گے۔"

"مجھے پٹی مت پڑھاؤ" وہ خفا ہو گیا "مجھے ایسی حرکت کرنے کی کیا ضرورت ہے جس سے وہ ناراض ہو کر ہمیشہ کے لیے چلی جائے۔ رعایت اس نے تو نہیں مانگی تھی' میں نے خود ہی دی تھی۔"

"اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے کیے کا کچھ علاج نہیں ہوتا۔ خود کو دوالیا کرلو مگر اسے ہرگز ناراض نہ کرنا۔ اسے تم جیسا بے وقوف دکاندار شہر بھر میں نہیں ملے گا۔"

"وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں جانوں اور میرا کام۔ اب میں اس بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں گا' نہ تم سے کوئی مشورہ لوں گا۔ شراب پیو اور اچھی اچھی باتیں کرو بلکہ یہ بتاؤ کہ فائرنگ کا کیا چکر تھا۔"

میرا دل تو یہ چاہا کہ فائرنگ کو میں اپنا ذاتی معاملہ قرار دے کر اسے ترکی بہ ترکی جواب دوں مگر اس وقت میری غرض اٹکی ہوئی تھی۔ چند راتوں کے لیے مجھے شہر بھر میں اس کے گھر سے بہتر ٹھکانا میسر نہیں آسکتا تھا۔ میں نے دل پر جبر کر کے کہا "کچھ لوگ گولیاں برساتے ہوئے ہماری عمارت میں داخل ہوئے تھے پھر ان کا کسی سے ٹکراؤ ہو گیا۔ شاید کچھ خوں ریزی بھی ہوئی ہے۔"

"تم اس میں شامل نہیں تھے؟" اس نے اشتباہ آمیز انداز میں پوچھا۔

"شامل ہونے کا مرحلہ نہیں آیا۔ اس سے پہلے سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہم لوگ خاموشی کے ساتھ فلیٹ چھوڑ چکے ہیں" میں نے دھیمی آواز میں اسے آگاہ کیا۔

"پھر وہ ریا کہاں ہے؟ اور لوگ کہاں ہیں؟" اس مردود کو سب سے پہلے وہ ریا یاد آئی تھی۔

"سب لوگوں کو میں نے اِدھر اُدھر بھیج دیا' خود یہاں چلا آیا۔ تمہارے فلیٹ میں اتنی بھیڑ بھاڑ کی گنجائش نہیں ہے۔ آج کے واقعے کے بعد تمہارے گھر میں زیادہ مہمانوں کی آمد کو چوکیدار سے لے کر پڑوسیوں تک سب لوگ شک و شبے کی نظر سے دیکھیں گے۔"

"بات تم دور کی سوچتے ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو لیکن آج میرا دل خوش ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد ہم دونوں کو چند روز کے لیے ساتھ رہنے کا موقع ملا ہے۔ اب دیکھنا کہ سلمٰی خانم کیسی جل کر کباب ہوتی ہے۔ تمہارے سامنے وہ اپنی بدکلامی کے جوہر بھی نہیں دکھا سکے گی۔"

"تم کنوئیں کے مینڈک ہو۔ تمہاری ہر سوچ بس سلمٰی کو اذیت پہنچانے پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ اتنی بری نہیں ہے۔ تمہارے ساتھ نباہ کر رہی ہے اور تمہارے اکلوتے بیٹے کی ماں ہے۔"

"بیٹے کا ذکر مت کرو۔ بلاوجہ دل خراب ہونے لگتا ہے۔" اس کی آواز اچانک بھرا گئی۔

میرا دل ہول اٹھا۔ پتا نہیں اس کے بیٹے کو کیا ہوا تھا۔ جب سے میں فلیٹ میں آیا تھا' میں نے کسی نومولود کے رونے یا قلقاریاں مارنے کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔ میں نے ہمدردی سے پوچھا۔ "کیوں؟ وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اسے سلمٰی کے سائے سے بچانے کے لیے ننھیال میں دے دیا ہے۔ لاہور میں میرا ایک سالا لاولد ہے اور سلمٰی کا بڑا بھائی ہونے کے باوجود شریف آدمی ہے۔ وہ اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ بس وہ یاد بہت آتا ہے۔"

میرے دل پر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ "تم نے تو مجھے دہلا دیا تھا۔ میں سمجھا کہ کہیں خدانخواستہ اسے ایک بار پھر اٹھا لیا گیا ہے۔"

وہ آستین سے اپنی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی خشک کرتے ہوئے بولا "سچ پوچھو تو مجھے ایک خوف یہ بھی تھا۔ میں کراچی چھوڑ نہیں سکتا۔ یہاں کسی بھی وقت کوئی دوبارہ ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ وہاں میرا بچہ ایسے ہر خطرے سے محفوظ رہے گا۔"

جہانگیر کا کوٹا پورا ہو چکا تھا۔ اس کی زبان پر لکنت طاری ہونے لگی تھی۔ رقتِ قلب کا مظاہرہ وہ اپنے بچے کے ذکر پر کر چکا تھا۔ میں نے تھوڑی سی اسکاچ لینے کے بہانے بوتل اس کے پہلو سے اٹھا کر اپنی تحویل میں لے لی۔ وہ چند ہیبائی ہوئی آنکھوں سے دیر تک میری طرف دیکھنے کے باوجود یہ نہ سمجھ سکا کہ میں نے کیا کارروائی کی تھی۔ اس کی خرابی یہی تھی کہ پیتے پیتے شراب کا کوئی ایک گھونٹ اچانک ہی اس کے حواس مختل کر دیتا تھا۔ خود اسے بھی یہ اندازہ نہیں ہو پاتا تھا کہ وہ کب آؤٹ ہو گیا۔

"تم یہاں رہو گے' میرے پاس رہو گے' میرے کمرے میں رہو گے" اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹائے بغیر لڑکھڑائی ہوئی آواز میں کہا "سالی سلمٰی خانم دوسرے کمرے۔۔۔"

سلمٰی اس کے فقرے کے ابتدائی الفاظ سن کر بپھرے ہوئے تیوروں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی اور اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "میں اب تمہاری سالی ہو گئی؟ یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

"مجھے سب معلوم ہے" وہ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر بولا "میں اپنے سالے کی بات کر رہا تھا۔ وہ جو تمہارا بڑا سالا ہے۔ منا اسی کے پاس ہے نا؟"

سلمٰی اپنے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر میری طرف مڑی اور بھنا کر

Downloaded from https://paksociety.com

بولی "کم وبیش روز یہی ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ کھانا کھاتے کھاتے ہی میز پر سر ٹکا کر سو جائیں۔ میں اس آدمی کا کیا کروں؟"

"تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ یہ ادھر اُدھر منہ نہیں مارتا۔ جو کچھ کرتا ہے' گھر میں کرتا ہے۔" اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر میں نے فوراً پینترا بدل لیا "ویسے یہ بہت بری بات ہے۔ آدمی کو پتی ہی ہو تو اوقات میں رہ کر پڑے ورنہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔"

"جس دن میں سختی کرتی ہوں اور ساری بوتلیں الماری میں مقفل کر کے چابیاں چھپا دیتی ہوں تو یہ رات بھر کسی اداس الو کی طرح چھت اور دیواروں کو تکتے رہتے ہیں' ہنسنا بولنا بھول جاتے ہیں اور ایش ٹرے میں جلی ہوئی سگریٹوں کا انبار لگا دیتے ہیں۔ میں اپنا یہ دُکھ کس سے کہوں؟"

"فکر مت کرو" میں نے اسے تسلی دی "اس بار میں دو چار روز اس کے ساتھ رہوں گا اور اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کل سے ایسا نہیں ہو گا۔"

میری زبان سے دو چار روز کا ذکر سنتے ہی سلمٰی کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ وہ پُرسکون ہو کر بولی "ٹھیک ہے۔ کل بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ تم نے انہیں راہ راست پر ڈال دیا تو میں تمہارے پیر چوموں گی۔ اب یہ بتاؤ کہ کھانا تیار ہے' اس کا کیا کروں؟"

فضا میں واقعی بھنے ہوئے گوشت کی اشتہا انگیز خوشبوئیں تیرتی پھر رہی تھیں۔ میں حیران تھا کہ پہلے میرا دھیان اس طرف کیوں نہیں گیا۔ میں نے اسے مشورہ دیا "کھانا یہیں لے آؤ اور تم بھی آ جاؤ۔"

جب تک سلمٰی کمرے میں موجود رہی' جہانگیر آنکھیں موندے اپنی کرسی پر خاموش پڑا رہا۔ اس نے ہلنے جلنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ سلمٰی کے جاتے ہی اس کے پپوٹوں میں حرکت پیدا ہوئی' شاید اس نے اپنی آنکھوں میں خفیف سی جھری بنا کر موقع کا جائزہ لیا پھر آنکھیں کھول دیں۔

اس کی کھلی ہوئی آنکھیں بھی بس خوابیدہ اور نیم وا سی تھیں۔ وہ ایک جھٹکے سے آگے کی طرف جھکا اور پھر اپنے زور میں جھکتا ہی چلا گیا۔ میں نے لپک کر اسے روکا نہ ہوتا تو نشے کی جھونک میں اس کا سر خاصی شدت سے میز پر بکھرے ہوئے سامان سے جا ٹکرایا ہوتا۔

میں نے سختی سے اسے کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا ایک ہاتھ تھام لیا اور ہتھیلیوں کے درمیان ٹک ٹک کرنے لگا "دیکھو' ہم دونوں شرابی بھائی ہیں۔ میں اس کا مزاجی خدا ہوں' وہ میری مرضی کے بغیر تمہارے پیر کیسے چوم سکتی ہے؟"

مجھے حیرت تھی کہ نشے کی گہری جھونک میں ہونے کے باوجود اس نے سلمٰی کے خلاف غل غپاڑہ مچانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی بلکہ نہایت مکاری کے ساتھ سرگوشیانہ لہجے میں بول رہا تھا۔

میں نے دیوانے کی اس بڑ کا کوئی جواب نہیں دیا تو چند ثانیوں کے انتظار کے بعد وہ دوبارہ بولنے لگا "مجھے معلوم ہے کہ تم جواب نہیں دو گے۔ تم مجھے مزاجی خدا نہیں مانتے۔ ہر شوہر اپنی بیوی کا مزاجی خدا ہوتا ہے۔ جب تک دل چاہتا ہے' شوہر بنا رہتا ہے۔ اس کے مزاج میں آئے تو وہ اپنی بیوی کا خدا بن جاتا ہے۔ پتا نہیں یہ اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے۔ جس دن بیوہ ہوئی تو دماغ آسمان سے زمین پر آ جائے گا۔"

"بک بک مت کرو" میں نے اس کا شانہ دبا کر سختی سے کہا "وہ کھانا لے کر آ رہی ہے۔"

بولتے بولتے اس کی آواز یکایک معدوم ہو گئی مگر اس کا منہ چلتا رہا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی چیز چبانے کی کوشش کر رہا ہو۔

سلمٰی نے گرم گرم اور تازہ کھانوں کی ٹرے میز پر رکھ کر اپنی کرسی ایسی جگہ لگائی جہاں سے وہ میری بھی دیکھ بھال کر سکے لیکن جہانگیر کا ذہن کسی حد تک بیدار ہونے کے باوجود اس کے ہاتھ پیر اس کے قابو میں نہیں تھے۔ میرے ایما پر سلمٰی اسے برا بھلا کہتی' اپنی کرسی اسی کے پہلو میں لے گئی۔

"لو' اب ڈینی کو بھی اپنا تماشا دکھاؤ" سلمٰی نے چکن کی ایک بوٹی اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں دیتے ہوئے چڑچڑے لہجے میں کہا "شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ہاتھی جیسے ڈیل ڈول والے آدمی نے اپنا ایسا سیتاناس مارا ہوا ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ بھی نہیں لے سکتا۔"

"ہائے سلمٰی ڈارلنگ!" جہانگیر نے کسی اندھے کی طرح اپنے دونوں ہاتھوں سے سلمٰی کا چہرہ اور بدن ٹٹولتے ہوئے لقمہ چبانے کی کریہہ آوازوں کے درمیان ہانک لگائی "میں اتنی نہ پیوں تو تم ہرگز مجھے اتنی محبت سے کھانا نہیں کھلاؤ گی۔ میں بہت برا ہوں تو کسی دن ان ہی ہاتھوں سے مجھے زہر دے دو....."

سلمٰی نے بے رحمی سے اس کے دہانے پر ہاتھ رکھ دیا "چپ رہو۔ اس حالت میں بھی مکاری سے باز نہیں آؤ گے۔ تمہیں تو مجھ سے زیادہ وہ عورتیں عزیز ہیں جو تمہاری دکان پر نکے نکے کی دوا لینے آتی ہیں۔"

"میں ان سب کو تمہاری بہنیں سمجھتا ہوں..." چپ چپ اور لکنت کے درمیان وہ بولا۔

سلمٰی نے غصیلے انداز میں اس کی بات کاٹ دی "خدا کا شکر ہے کہ میری کوئی اور بہن نہیں ہے پھر بھی تم میری بہنوں کو دن رات گالیاں دیتے رہتے ہو۔ انہیں میری نہیں' اپنی بہنیں سمجھا کرو۔"

میں ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا اور وہ سب دیکھ رہا تھا۔ میں اس سے پہلے جہانگیر کو اس سے زیادہ ابتر حالت میں دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت میری ذہنی رو کہیں اور پہنچی ہوئی تھی۔ میرے لیے

Downloaded from https://paksociety.com

وہ ایک دوست کا خانگی المیہ نہیں بلکہ ایک آئینہ تھا جس میں مجھے بہت کچھ نظر آرہا تھا۔

جہانگیر محض شرابی تھا۔ شراب ایک نشہ ہے اور بے شک ہر نشہ حرام ہے لیکن پھر بھی شراب ایک طویل مدت میں اور بہت دھیرے دھیرے انسان کو اپنا غلام بناتی ہے۔ جہانگیر پی کر بہکا ہوا تھا مگر اس کے لاشعور کے نامعلوم گوشوں میں کہیں سُود و زیاں کا احساس زندہ تھا۔ اس نے بہکنے کے باوجود سلمٰی کو اس عورت کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی جو اس سے بیش قیمت دوائیں آدھے دام پر لے جاتی رہتی تھی۔ وہ گاہے گاہے میرے سامنے سلمٰی سے اپنی بے زاری کا اظہار کرتا رہتا تھا لیکن نشے کی حالت میں مثبت منافقت سے کام لے کر اس کی خوشامدیں کرکے اپنی ازدواجی زندگی کی بنیادوں کو مستحکم کررہا تھا۔ اپنی دن بھر کی کاروباری مصروفیات سے نمٹ کر وہ اپنی چار دیواری میں موجود تھا جہاں اس کی خبر گیری کے لیے سلمٰی موجود تھی۔

نشہ' نشہ ہی تھا مگر اس وقت تک نشوں میں بدترین نشہ ہیروئن کا تھا جو محض چند دنوں میں اپنے عادی کے ہر رگ و ریشے کو ہی نہیں' اس کی روح تک کو اپنا غلام بنالیتا ہے' انسان اپنے سود و زیاں' گھر بار' روزگار اور رشتوں کے احترام سے بہت تیزی کے ساتھ بے نیاز ہوتا چلا جاتا ہے۔ وقت پر نشے کی طلب پوری کرنے کے لیے کسی کی چادر کی حرمت کی پروا کرتا ہے نہ کسی چار دیواری کا لحاظ کرتا ہے۔ چوری اور ڈکیتی کرکے بھی اسے بروقت اپنا نشہ پورا کرنا ہوتا ہے اور کسی وقت یہ ممکن نہ ہو تو ہیروئن کا عادی معدے سے لے کر اعصاب تک کے ان گنت اور ہولناک مصائب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ وہ گھر بار اور اپنوں سے دور' غلاظتوں کے ڈھیر میں ایک غلیظ مگر زندہ لوتھڑے کی طرح اپنی زندگی بسر کررہا ہوتا ہے اس لیے وہاں اس کی خبر گیری کے لیے کوئی نہیں ہوتا اور پھر ایک روز وہ خود کسی گمنام فٹ پاتھ' نالے یا کوڑے دان میں سسک سسک کر' اپنی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر موت کے منہ میں پہنچ جاتا ہے۔

شہر کے غلیظ ترین مقامات پر غول در غول گندی چادروں میں چھپ کر' سگریٹ کی پنی پر سگریٹ یا دیا سلائی کی تپش سے تحلیل ہوتی ہوئی ہیروئن کے تمام تر دھوئیں کو گہرے سانسوں کے ذریعے اپنے پھیپھڑوں میں کھینچنے والے نہ جانے کن کن ماؤں کے لختِ جگر' بہنوں کے مان اور سہاگنوں کے ارمان تھے جنہیں ہیروئن نگل رہی تھی۔ تپتی دھوپ' کڑکتے جاڑوں اور طوفانی بارشوں میں ان مفلوک الحال نشے بازوں کو کہیں کوئی پناہ میسر نہیں تھی' نہ ہیروئن پینے والے کسی جہانگیر کو اپنی سلمٰی کی ملامت آمیز محبت کا کوئی عشرِ عشیر حاصل تھا۔ وہ اپنے حال میں بدحال رہنے اور پھر یوں ہی زندگی سے گزر جانے پر مجبور تھے۔

پیسے دے کر کوچے کوچے میں ہر روز روشن چہروں اور پُرنور پیشانیوں والے ان گنت نونہال ہیروئن کے فسوں خیز مگر ہلاکت انگیز سفوف کے ہاتھوں اپنی زندگیاں گروی رکھ رہے تھے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔ خبر گیروں کو جب تک اصل علت کا علم ہوتا تھا' پانی سر سے گزر چکا ہوتا تھا۔

میرے دل میں ہیروئن کے فروغ کے لیے شب و روز کام کرنے والوں کے خلاف بے پناہ نفرت کا احساس مزید گہرا ہوگیا۔ جہانگیر اور سلمٰی کی خواب گاہ میں نظر آنے اور سنائی دینے والے واقعات نے میرے اس عزم کو ایک مرتبہ پھر مستحکم کردیا کہ موت کے سوداگروں سے میری جو جنگ جاری تھی' وہ جاری ہی رہے گی۔ میرے دشمنوں کی فہرست میں اس وقت جو نام سب سے اوپر تھا' وہ کھٹمل راجوانی کا تھا۔

○☆○

گہری نیند میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کھٹمل کے آدمی میری تلاش میں بھٹکتے بھٹکتے جہانگیر کے گھر آپہنچے ہوں اور کمرے کا دروازہ توڑ کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہوں۔ عالمِ خواب میں ہی دہشت کی ایک سرد سی لہر میرے پورے وجود میں سرایت کرگئی۔

میں جس کے خون کا پیاسا تھا وہ موقع ملنے پر میرے ساتھ ذرا سی بھی رعایت نہیں کرسکتا تھا!

عالمِ خواب میں حملہ آور ہونے والی' دہشت کی وہ لہر اس قدر شدید تھی کہ میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ ذہن بدستور غنودگی کی گرفت میں تھا لیکن سماعت پوری طرح کام کررہی تھی۔ یہ جان کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کہ میری خواب گاہ کا دروازہ گرانے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔

میں نے ہڑبڑا کر بستر سے چھلانگ لگادی۔ خطرے کو خود سے اتنے قریب پاکر میرے حواس بہت تیزی کے ساتھ بحال ہوتے چلے گئے اور پھر دریافت ہوا کہ فلیٹ میں دشمن آگھسا تھا نہ دروازہ توڑنے کی کوئی کوشش کی جارہی تھی بلکہ سلمٰی دروازہ پیٹ پیٹ کر مجھے جگانے کی کوشش کررہی تھی۔

میں نے ہلکی سی انگڑائی لے کر مسکراتے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا تو وہاں دن کے گیارہ بج چکے تھے۔ میں نے بڑھ کر دروازے کا بولٹ گرادیا اور سلمٰی دروازہ کھول کر دندناتی ہوئی اندر آگئی۔

"اتنی دیر سے دروازہ پیٹ رہی ہوں مگر تم ایسے گدھے گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے کہ دنیا و مافیہا کا کچھ ہوش ہی نہیں تھا" اس نے تیوریاں چڑھا کر تیزی سے کہا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے اسے کوئی شوخ جواب دینے کے بارے میں سوچا اور پھر خود ہی اپنا خیال مسترد کردیا۔ مجھے چند روز تک اسی چھت کے نیچے رہنا تھا۔ میری طرف سے دی گئی ذرا سی بھی ڈھیل سلمٰی کو بری طرح میرے سر پر مسلط کرسکتی تھی۔ میں نے سنجیدگی سے کہا "رات دیر سے سویا تھا..... شاید ابھی تک میری نیند پوری نہیں ہوسکی ہے۔"

"کبھی کبھی ایسی ہی گہری نیند آتی ہے" وہ معنی خیز لہجے میں بولی

Downloaded from https://paksociety.com

پھر شکوہ کیا "تمہیں اندر سے دروازہ بند کرکے سونے کی کیا ضرورت تھی؟ اس گھر میں تم دوستوں کے درمیان ہو۔"

"بہت عرصے سے عادت سی ہوگئی ہے۔ اسے تم میری کوئی نفسیاتی گرہ بھی کہہ سکتی ہو۔ جب تک دروازہ مقفل یا بولٹ نہ کرلوں' بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔"

"جہانگیر ناشتے پر کافی دیر تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد دکان پر گئے ہیں۔ جلدی سے تازہ دم ہوکر آجاؤ۔ میں تمہارا انتظار کررہی ہوں" وہ اپنا حکم سنا کر باہر چلی گئی۔

جہانگیر کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرتے ہوئے شاید میری عقل پر پردہ پڑگیا تھا کہ میں نے وہاں میسر تحفظ کے بارے میں ہی سوچا تھا' اس تحفظ کے ساتھ لاحق ہونے والے سلمٰی کے خطرے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ جب سے مجھ سے متعارف ہوئی تھی' مجھ پر مہربان چلی آرہی تھی۔ ابتدا میں اس نے عورتوں کے روایتی انداز میں میری حوصلہ افزائی کرنے بلکہ اکسانے کی کوششیں کی تھیں پھر ذاتی محرومیوں کے حوالے سے کھل کر میرا سہارا لینا چاہا تھا۔ میں ہربار کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نکلتا رہا۔ اسے جب بھی موقع ملتا' وہ میرے رویّے کے بارے میں گلے شکوے لے بیٹھتی تھی۔ مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ اس بار جہانگیر کے گھر میں رہتے ہوئے مجھے ایک سخت ترین آزمائش سے گزرنا تھا۔ میں پورے خلوصِ دل سے اس آزمائش میں اپنی سرخ روئی کا خواہاں تھا لیکن آخری نتیجے کا انحصار سلمٰی کے رویّے پر بھی تھا۔

اس پیچ کے بارے میں سوچتے ہوئے میں شاور کے نیچے اپنے بدن پر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں بہاتا رہا۔ میں غسل خانے میں ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری گھنٹی پر وہ سلسلہ معدوم ہوگیا۔ میں جلدی سے تیار ہوکر باہر نکلا تو سلمٰی نے بتایا کہ میرے لیے غزالہ کا فون آیا تھا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ پچھلی رات ہم لوگ اپنے فلیٹ سے نکلے تو ارادہ یہی تھا کہ باہر کی فضا صاف ہونے پر وہیں لوٹ جائیں گے۔ اس خیال سے ہم نے ہتھیاروں کے سوا وہاں سے کوئی چیز اپنے ساتھ نہیں لی تھی۔ بدری ناتھ سے حاصل کی ہوئی سی ایس ڈی بھی وہیں رہ گئی تھی۔ اس حسّاس آلے کی غیر موجودگی میں' فون پر کسی سے بھی کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے فوراً ہی اول خان کے گھر کا فون نمبر ملا ڈالا۔ اس طرف غزالہ شاید میرے فون کے انتظار میں ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے گھنٹی بجتے ہی ریسیور اٹھالیا۔

"میں آپ کے بارے میں فکرمند تھی" سلام کے بعد اس کی میٹھی اور مترنم آواز میرے کانوں میں گونجی "آپ نے ٹیکسی میں آنے کا فیصلہ کرکے غیر ضروری خطرہ مول لیا تھا۔"

میں نے کن انکھیوں سے سلمٰی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "میں یہاں بہت مزے میں ہوں۔ بس ذرا کپڑوں کی ضرورت محسوس ہورہی ہے اور سی ایس ڈی بھی نہیں ہے۔"

اس نے میری بات کاٹ کر ہنسی کے درمیان کہا "مجھے معلوم تھا کہ آپ کو ہر وقت اس کی ضرورت پڑے گی۔ وہ سب چیزیں یہاں آگئی تھیں۔ تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی آپ کا سامان لے کر نکل چکا ہے۔ سوٹ کیس کسی بھی وقت مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اس وقت زیادہ گفتگو نہیں ہوسکتی۔ سامان آجانے کے بعد میں دوبارہ فون کروں گا۔"

"حد ہوگئی!" فون بند ہونے پر سلمٰی نے سر جھٹک کر کہا "تم دونوں کی شادی کو اتنے دن ہوگئے مگر اب بھی تمہارا حال لیلیٰ مجنوں جیسا ہے۔ تم رات ہی کو یہاں آئے ہو اور وہ تمہاری آواز سننے کے لیے بے چین تھی۔ پتا نہیں اس نے تمہیں ویرا کے ساتھ بنکاک جانے کی اجازت کیسے دے دی تھی؟"

"میاں بیوی کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ہو تو وہ زندگی بھر ایک دوسرے کے لیے اسی طرح فکرمند رہتے ہیں" میں نے ہنس کر کہا۔ "اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔"

"اپنی محبت جتا کر میرے اوپر طنز کررہے ہو یا مجھے جلانے کی کوشش کررہے ہو؟"

"لاحول ولا قوۃ!" میں نے جلدی سے اپنے دونوں کانوں کو ہاتھ لگاکے کہا "میں ایسی جسارت نہیں کرسکتا۔ ویسے کل رات میں نے بہت سی خوشگوار باتیں نوٹ کی ہیں۔ تم دونوں بلاوجہ ہی ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہو ورنہ دل سے ایک دوسرے کو چاہتے ہو۔ رات کو وہ کس طرح تمہاری خوشامدیں کررہا تھا۔"

"بس' بس۔ ان باتوں کو رہنے دو۔ میں برسوں سے یہ سب تماشے دیکھتی آرہی ہوں" وہ منہ بناکے بے زاری کے عالم میں بولی۔ "یہ ان کے پرانے ڈھکوسلے ہیں۔"

"ڈھکوسلے؟" میں نے ناشتے کا آغاز کرتے ہوئے حیرت سے دہرایا "تم جہانگیر کے خلوص کی توہین کررہی ہو۔ وہ واقعی تمہیں پسند کرتا ہے۔ نشے کی حالت میں انسان کی نفرت اور محبت' دونوں میں شدت آجاتی ہے۔ وہ تمہیں خود سے دور بھی دھکیل سکتا تھا۔"

"شراب پی لینے کے بعد عورت کی قربت ان کی ضرورت بن جاتی ہے" یہ کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھ رہی تھیں "اس وقت میرے بجائے کوئی چماری بھی ان کے پاس بیٹھی ہوتی تو وہ اسی طرح اُس کی بھی خوشامدیں کررہے ہوتے۔ وہ پکے منافق ہیں۔ نشے کی حالت میں ان کی یہ منافقت اور زیادہ گہری ہوجاتی ہے۔"

"ایسا مت کہو" میں نے احتجاج کیا "میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ شرابی جب نشے میں ہوتے ہیں تو اپنا دل کھول کر سب کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ انہیں منافقت دکھانے کا ہوش کب رہتا ہے؟"

اس کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ تیر گئی "تم یہ

Downloaded from https://paksociety.com

باتیں اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم خود اس بری عادت میں مبتلا ہو۔ میں ہر روز پورے ہوش و حواس میں جہانگیر کی حرکتوں کو تشویش سے دیکھتی ہوں۔"

"تم اس کے بارے میں جو چاہو' کہتی یا سمجھتی رہو۔ میں یقین نہیں کر سکتا۔"

"شادی کے بعد میں نے اپنی غلط فہمیوں کی بنا پر خاصے دکھ اٹھائے ہیں۔ میں انہیں نشے میں سمجھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی حماقت کر گزرتی تھی اور پھر جوتے کھاتی تھی۔ مجھے بہت دیر بعد اندازہ ہوا کہ صبح انہیں گزری ہوئی رات کی ہر ضروری بات بہت اچھی طرح یاد ہوتی ہے۔"

وہ اپنے ذاتی تجربے کے حوالے سے بڑے وثوق سے بات کر رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی بات کو تولا' اپنے طویل ماضی پر تیزی سے ایک سرسری نظر دوڑائی اور اس حیران کن نتیجے پر پہنچا کہ جو بات مجھے برسوں سے معلوم نہیں تھی وہ سلمٰی نے صرف ایک فقرے میں بیان کر دی تھی۔

محض بہکنے کی حد تک پینے والے واقعی اونٹ کی سی یادداشت کے مالک ہوتے ہیں۔ انہیں خوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم سرور میں کب اور کس سے کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ جو اس حد سے تجاوز کر کے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور اول فول بکنے پر اتر آتے ہیں' انہیں واقعی کچھ ہوش نہیں رہتا کہ وہ کیا بک رہے ہیں۔

ہر وہ نشہ جس کی زیادتی انسان کو ہوش و خرد سے بیگانہ کر دے' اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔ یہ دین و فطرت بلکہ دینِ فطرت کا ایک اٹل اصول ہے جو بنتِ عنب سے جو ہر افیم تک ہر نشے پر لاگو ہوتا ہے۔ نشہ کوئی بھی ہو' تباہ کن ہوتا ہے اور ہیروئن اس دوڑ میں سب سے آگے ہے۔ اس کے عادی کی دو ہی کیفیات ہوتی ہیں وہ نشے میں ہوتا ہے تو بالکل اپنے آپے میں نہیں ہوتا۔ بند یا کھلی آنکھوں سے ایک عجیب ہی مخلوق کے روپ میں ان دنیاؤں کے لذت انگیز خواب دیکھتا رہتا ہے جو اسے کبھی میسر نہیں آسکیں' اپنی تشنہ و ناکام آرزوؤں کی پیاس وہ ان خوابوں میں بجھاتا ہے' خدا کی بنائی ہوئی زمین پر گھر بار سے دور' کہیں بھی بے سدھ پڑ کر ہاتھ پیر ہلائے بغیر شہ زوری و مردانگی کے ایسے ایسے محیر العقول کارنامے انجام دیتا ہے جو عام انسان کے حیطۂ خیال سے بھی باہر ہوتے ہیں۔ ہیروئن کی دوسری کیفیت وہ ہوتی ہے جب اس کا نشہ ٹوٹ چکا ہوتا ہے' وہ اداسی' اضمحلال' بے عملی اور مایوسی کے عالم میں خود فراموش ہو کر بس ایک ہی دُھن میں ہوتا ہے کہ اسے کہیں سے اور کسی بھی طرح ہیروئن کی بس ایک پڑیا مل جائے تاکہ وہ حقائق کی اس سفاک اور بے رحم دنیا سے ایک بار پھر خوابوں کے ان ہی دھندلے دھندلے پراسرار' لاہوتی اور عیش و نشاط میں ڈوبے ہوئے جزیروں پر پہنچ جائے جہاں اس کے تصور کے عین مطابق کسی فرض یا ذمے داری کے بغیر ہر وقت خوشیاں ہی خوشیاں لٹائی جاتی ہیں۔

"انڈا ٹھنڈا ہو رہا ہے' تم خیالوں کی کس دنیا میں کھوئے ہوئے ہو؟" سلمٰی کی آواز نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ میرے ہاتھ میں ٹوسٹ دبا ہوا تھا اور ہاف فرائیڈ انڈے کی ٹوٹی ہوئی زردی پھیل کر پلیٹ میں جمنی شروع ہو گئی تھی۔ میں خفت سے مسکرا کر دوبارہ ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

جہانگیر کے گھر میں پہنچنے کے صرف بارہ گھنٹوں میں میری ذہنی رو کسی ارادے کے بغیر دوسری بار ہیروئن کی طرف بہکی تھی۔ میں نے خاموشی سے اپنے ذہن کا تجزیہ کرنا چاہا تو بس ایک ہی نتیجہ اخذ کر سکا کہ پچھلی رات کے حملہ آوروں کی دیدہ دلیری اور قانون شکنی نے میرے دل و دماغ میں سلگتی ہوئی نفرت کی اس آگ کو بھڑکا دیا تھا جو برسوں سے موت کے سوداگروں کے خلاف جل رہی تھی۔

سلمٰی بھی ناشتے میں دھیرے دھیرے میرا ساتھ دے رہی تھی۔ شاید وہ ناشتے کی پہلی قسط اپنے شوہر کے ساتھ مکمل کر چکی تھی۔ میں اس بات سے مطمئن تھا کہ گھر میں مکمل خلوت میسر ہونے کے باوجود سلمٰی نے ایک بار بھی وقار و شائستگی کی حدود سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی جامے میں رہتی تو میرے لئے اس گھر میں چند روز تو کیا' چند مہینے گزارنا بھی آسان تھا۔

"یہ امر کی تمہارے دشمن کیوں ہو رہے ہیں؟" ناشتے کے اختتام پر سلمٰی کے اس غیر متوقع سوال نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ "تمہارے اوپر پہلے بھی کوئی بڑا انعام رکھا گیا تھا۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" اس سے سوال کر ڈالنے کے بعد مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"رات کو تم ہی نے اخبارات کی فرمائش کی تھی۔ وہ ڈرائنگ روم کی میز پر پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے آج تک اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے بڑے پیمانے پر دشمنیاں مول لیتے پھر رہے ہو۔" اس کا جواب متوقع تھا۔

میں کرسی چھوڑ کر تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا اور وہاں کھڑے کھڑے اردو اور انگریزی اخبارات کے پہلے صفحے کا سرسری جائزہ لے ڈالا۔

وہ دونوں صبح کے اخبارات تھے اور اپنی پالیسی کے تحت سنسنی خیزی سے اجتناب کرتے تھے۔ یہ کارِ خیر وہ اپنے شام کے اخبارات کے لئے چھوڑ دیتے تھے مگر ان کی ذیلی سرخیوں میں حقیقتوں کا ردو ناک اعتراف موجود تھا۔ اخبار والے وہی کچھ دیکھتے تھے جو ان کے سامنے آتا تھا' وہ میری یا اول خان کی طرح پس پردہ کمانیوں سے باخبر نہیں تھے۔ انہوں نے شہر میں یکایک ہونے والی دہشت گردی اور خوں ریزی پر احتجاج کرتے ہوئے کلفٹن کے علاقے میں پچھلی رات چھ نامعلوم مسلح افراد کی ہلاکت کا انکشاف کیا تھا۔

چار مسلح افراد کی لاشیں ان کے زیرِ استعمال ہتھیاروں سمیت ہماری بلڈنگ میں سے ملی تھیں۔ دو لاشیں اس عمارت کی قریبی گلیوں سے برآمد ہوئی تھیں۔

ہمارے پاس کوئی واضح ثبوت نہیں تھا اور ہمیں اس کی کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ ہمیں ملک و قوم کے ان کھلے دشمنوں کو کسی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرکے سزا دلوانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واقعات کا تسلسل ان کے جرائم کا کھلا ثبوت تھا۔ میرا ضمیر مطمئن تھا کہ ہم نے بے گناہوں کو نہیں مارا تھا' اپنے گھر پر چڑھائی کرنے والے مسلح غنڈوں اور دہشت گردوں کا صفایا کیا تھا۔

بظاہر وہ سب کھنول راجوانی کی حرکتیں تھیں۔ وہ راگ رنگ کی محفلوں میں پس پردہ بیٹھ کر اپنی کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں ہلا رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ چوبیس گھنٹوں کی مختصر سی مدت میں اپنے دس آدمیوں سے محروم ہونے کے بعد وہ سازشی بادشاہ گر دہل کر رہ گیا ہوگا۔

اس کی پر تکلف ضیافت پر ڈاکوؤں کے شب خون کی کہانی بھی پہلے صفحے کی زینت بنی تھی۔ وہ شہر کا ایک شریف اور معزز شہری سمجھا جاتا تھا۔ اس کے مہمانوں سے ڈاکو لاکھوں روپے کے زیورات اور نقدی لے اڑے تھے۔ دہشت سے دل کا دورہ پڑنے کے باعث ایک معمر مہمان موقع پر ہلاک ہوگیا تھا۔ پندرہ افراد بھگدڑ اور اندھیرے کے باعث بھاری فرنیچر اور قدموں تلے روندے گئے تھے۔

اول خان کی سخت ہدایت میں نے اپنے کانوں سے سنی تھی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو ڈکیتی کا ڈراما رچانے کا حکم دیتے ہوئے تاکید کی تھی کہ وہ وہاں سے ایک کیل بھی نہ لائیں۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے کسی سے کچھ چھیننا پڑے تو واپسی پر اسے وہیں پھینک آئیں۔

اس کے باوجود لاکھوں روپے کے زیورات وغیرہ کی گمشدگی کی خبر خیال انگیز تھی۔ معززین اور شرفائے شہر کے اس اجتماع سے فرار ہونے والوں میں سے کچھ لوگ خود ہی پنڈال سے ہاتھ لگنے والی قیمتی اشیا مال غنیمت کے طور پر لے اڑے تھے اور وہ ڈکیتیاں نامعلوم افراد کے سر ڈال دی گئی تھیں۔

میری دلچسپی کی تیسری خبر خود میرے بارے میں تھی۔ وزارت داخلہ کے ایک افسر نے پاکستان میں ڈینی نام کے کسی مجرم کی موجودگی سے یکسر لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ وہ خبر میرے لئے حیران کن تھی۔ سرکاری سطح پر میرے ساتھ کبھی کوئی رابطہ نہیں کیا گیا تھا۔ چند ملاقاتیں اول خان کے ذریعے ضرور ہوئی تھیں لیکن وہ سرکاری نہیں اور نہ ہی کسی ریکارڈ کا حصہ۔ یوں مجھے علم ہی نہیں تھا کہ سرکاری طور پر اپنے وطن میں میری حیثیت کیا تھی۔ یہ ضرور تھا کہ ماضی میں امریکیوں کے دباؤ پر شاید ان کی خوشنودی کے لئے شہر میں میری تلاش کی نیم دلانہ کوششیں کی گئی تھیں جن میں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ تازہ ترین خبر سے ظاہر ہو رہا تھا کہ امریکا کے مطالبے کے جواب میں میرے وجود سے لاعلمی ظاہر کرکے مجھے دانستہ ڈھیل دی گئی تھی۔

"قتل اور غارت گری کی خبریں پڑھ پڑھ کر جہانگیر کو اختلاج ہونے لگتا ہے۔" سلمٰی میرے شانے سے شانہ ملائے کہہ رہی تھی۔ "اسی وجہ سے ہمارے گھر میں ہر اخبار کا داخلہ بند ہے۔ تم نے اخبار نہ منگوائے ہوتے تو مجھے پتا بھی نہیں چلتا کہ ہم خطروں میں گھرے ہوئے ہو۔ میں تمہارے ساتھ بازار جا کر خریداری کرنے کا پروگرام بنا رہی تھی اب مجھے اکیلا ہی جانا ہوگا۔"

"تم بہت عقل مند عورت ہو۔" میں نے مسکرا کر اس کی تعریف کی اور اس کا منہ بن گیا۔

"تم مجھے ہمیشہ عورت ہی کہتے ہو مگر ویرا کو لڑکی کہتے ہو۔ میں مجھ سے بڑی نہیں لگتی؟"

"لڑکی جب تک کسی نکاح نامے پر دستخط نہیں کرتی' لڑکی رہتی ہے جس لمحے وہ دستخط ثبت کر دیتی ہے' عورت بن جاتی اور تم تو خیر سے ایک عدد بیٹے کی ماں بھی بن چکی ہو۔ ویرا ابھی ان بکھیڑوں سے آزاد ہے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے یہ دوں کہ دنیا جہاں کے قبل از وقت تجربات نے اسے ذرا سا فون بنا دیا ہے ورنہ اس کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔" اس نے ملامت آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ خفیہ باتیں تم سے زیادہ کون جانتا ہے۔ بنکاک جا کر تمہاری معلومات میں خاصا اضافہ ہوا ہوگا۔"

اسی وقت جہانگیر کا فون آگیا۔ وہ مجھ سے بات کرنی چاہ رہا تھا۔ اخبارات وغیرہ سے اس کی دلچسپی شاید بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی کیونکہ وہ رات کے واقعات کی تفصیل سے بے خبر تھا اور مجھ سے اسی بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہ رہا تھا۔

اسی دوران میں ڈور بیل بجی۔ سلمٰی نے ڈور لینس سے باہر دیکھنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔

وہ اول خان کا آدمی تھا جس کے بائیں ہاتھ میں ایک نفیس سوٹ کیس جھول رہا تھا۔ اس نے شناسا نظروں سے سلمٰی کی طرف دیکھ کر سلام کیا۔ سلمٰی نے اسے اندر بلا لیا۔

وہ شخص شاید پچھلے دنوں ان کی حفاظت کے لئے ان کے فلیٹ کے گیسٹ روم میں رہ چکا تھا اور سلمٰی بھی اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ میں جہانگیر سے گفتگو مختصر کرکے ان کے ساتھ شامل ہوا تو پتا چلا کہ ان کے درمیان رسمی شناسائی ہی نہیں' تھوڑی سی دوستی بھی تھی۔

اس کی زبانی معلوم ہوا کہ فلیٹ سے ہمارا بیشتر ذاتی سامان اول خان کے گھر منتقل کیا جا چکا تھا۔ میں نے اس کے لائے ہوئے کیس کو کھولا تو اس میں کپڑوں کے اوپر ہی خاصی رقم کی کئی گڈیاں موجود تھیں۔ ساتھ میں سی ایس ڈی بھی رکھی ہوئی تھی۔

اسپیشل ٹاسک فورس سے آنے والا پچل شاہ نامی وہ اہلکار کام کا عذر پیش کرکے جلد ہی واپس چلا گیا۔ ایس ٹی ایف اسٹیشن فور کے بیشتر اہلکاروں سے میرا ملنا جلنا رہتا تھا اور مجھے پتا تھی کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کے برعکس اس عقابی تنظیم

Downloaded from https://paksociety.com

پاکستان کے ہر علاقے کے لوگ نسل اور زبان کے کسی امتیاز کے بغیر یکساں جذبے کے ساتھ دن رات ملک و قوم کی خدمت پر کمربستہ رہتے تھے۔

سامان کے ساتھ سی ایس ڈی مل جانے کے بعد مجھے سلمٰی کی موجودگی سے الجھن ہو رہی تھی۔ اس کے مسلسل تسلط سے عاجز آکر مجھے خود ہی اسے یاد دلانا پڑا کہ اسے بازار سے کچھ خریداری کرنی تھی۔

اس نے اپنے کمرے میں جاکر خود کو نوک پلک سے سنوارا اور شولڈر بیگ کے ساتھ واپس آکر مجھے دھمکایا۔ "میں چابی اپنے ساتھ نہیں لے جارہی۔ فلیٹ بند کرکے کہیں غائب نہ ہوجانا۔"

"بے فکر رہو۔ فی الحال میں خود بھی کوئی خطرہ مول لینے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

اس نے دھوپ کا خوبصورت فریم والا چشمہ اپنی پیشانی پر چڑھا کر ایک ادا سے مجھے الوداع کہا اور فلیٹ سے نکل گئی۔ جاتے ہوئے اس نے خود ہی دروازہ بند کردیا۔

میں نے فوراً ہی بچل شاہ کا لایا ہوا سوٹ کیس اپنے کمرے میں لے جاکر الٹ دیا۔ سی ایس ڈی میں نے پہلے ہی نکال لی تھی۔ اسے لابی میں موجود فون لائن سے منسلک کرنے میں بس چند منٹ صرف ہوئے۔ اس کی تنصیب مکمل ہوتے ہی میں نے اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔

"میرا خیال تھا کہ تم فون کے بجائے اپریٹس پر مجھ سے رابطہ کروگے۔" اول خان نے میری آواز پہچانتے ہی کہا۔ "میرا اندازہ تھا کہ اس گھر میں تم رازداری کے ساتھ فون استعمال نہیں کرسکو گے۔"

"اپریٹس کہاں ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "تم سے رابطے کے لئے وہی بہتر ذریعہ رہے گا۔"

"اپنے سوٹ کیس میں کپڑوں کے درمیان تلاش کرو۔ اس پر تم میرے علاوہ مزید تین آدمیوں سے رابطے میں رہوگے۔ ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی ہر وقت فلیٹ سے بہت قریب رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ میں دیکھ لوں گا۔ اس وقت میں گھر میں اکیلا ہوں اور فون پر سی ایس ڈی لگا چکا ہوں۔"

"تمہارا نہسوں کا جوڑا کہاں نکل گیا؟" اول خان نے ہنسی کے درمیان پوچھا۔

"جہانگیر آدھی قیمت پر دوائیں بیچنے گیا ہوا ہے۔ سلمٰی دگنی قیمت پر سبزی لینے گئی ہے۔"

اول خان وہ فقرہ سن کر دیر تک ہنستا رہا۔ ہنسی تھمی تو اس نے بتایا۔ "پاکستان میں تمہارے خلاف پہلی ایف آئی آر درج ہوچکی ہے۔ کھٹول نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ڈینی نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اس کے مہمانوں پر ڈاکا ڈالا ہے۔ مسروقہ زیورات اور نقدی کی مالیت ستائیس لاکھ سے زائد بتائی گئی ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر بھونڈے انداز میں اپنے چہرے پر سے خود ہی نقاب اتار پھینکے گا۔ وہ کھل کر سامنے آگیا ہے تو ہمیں بھی کھل کر جوابی وار کرنا ہوگا۔"

"تم بلاوجہ مشتعل ہو رہے ہو۔ ایف آئی آر درج ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمیں اپنا ہر قدم سوچ سمجھ کر اور احتیاط سے اٹھانا ہوگا۔" میں نے کسی پریشانی کے بغیر کہا۔

"تم ایف آئی آر کی قانونی حیثیت سے ناواقف ہو اس لئے اتنے مطمئن ہو۔ یہ تمہارے خلاف پہلی اور واحد قانونی دستاویز ہے جسے ہر صورت میں ختم ہوجانا چاہئے۔" وہ اس بارے میں مضطرب تھا۔

"ایسا بھی ہے تو وہ اپنا کام کرگزرا ہے۔ تم اس کا کیا توڑ کرسکتے ہو؟"

"میں کام شروع کرچکا ہوں۔ کھٹول کی پارٹی کا انتظام کرنے والے کو اٹھایا جاچکا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ کھٹول کے آدمیوں نے ٹارچروں کی روشنی میں پنڈال سے ہر قیمتی چیز اٹھا کر اپنے مالک کے حوالے کردی تھی۔ سب سے بڑا ڈاکو وہ خود ہے۔ میری کوشش ہے کہ اسے مال ہٹانے کی مہلت نہ ملے اور میں اس سے پہلے ہی اس کے گھر کے سرچ وارنٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔"

"اوہ..... تم اس کے گھر سے مسروقہ مال برآمد کرکے بازی الٹنی چاہتے ہو۔"

"جھوٹی ایف آئی آر درج کرانا سنگین جرم ہے۔ اس کے گھر سے مال ہاتھ آگیا تو میں اسی وقت اسے ہتھکڑیاں لگوادوں گا۔ باقی چھان بین بعد میں ہوتی رہے گی۔" اول خان کو غصہ آنے لگا۔

"دیکھ بھال کر کام کرنا۔ وہ بہت بارسوخ آدمی ہے۔ اسے قبل از وقت ذرا بھی بھنک مل گئی تو وہ نہ جانے کتنے افسروں کی وردیاں اتروادے گا۔"

"یہ سب نکات میری نظروں میں ہیں اسی لئے میں نے مقامی سطح پر بالکل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے۔ جو کچھ ہونا ہے اسلام آباد سے ہوگا۔"

"میں تشویش اور فکرمندی کے ساتھ تمہاری کامیابی کے لئے صرف دعا ہی کرسکتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "بڑی مچھلیوں پر ہاتھ ڈالنے میں درپیش رکاوٹوں کا اندازہ اب ہو رہا ہے۔"

"یہ خرابیاں یہاں نہیں، دنیا کے ہر ملک میں ہیں۔ بڑے مجرموں کے سامنے قانون کے محافظ اکثر خود کو بونا محسوس کرتے ہیں۔"

"امریکا میں آنرز کیپل کا بھی یہی قصہ تھا۔ اپنے اصل جرائم پر وہ ہمیشہ سے نازاں چلا آرہا تھا۔ اسے چال بازی کے ذریعے ایک ناکردہ جرم میں نہ پھنسایا گیا ہوتا تو وہ آج بھی آزاد ہوتا۔"

"ایک دفعہ کوئی بڑے سے بڑا سورما بھی قانون کے چنگل میں آجائے تو پھر اس کا بے رحمانہ عمل شروع ہوجاتا ہے۔ وہ ہاتھ آجائے تو ہم اس کے سارے کس بل نکال دیں گے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"تم نے آج کے اخبارات دیکھ ہی لئے ہوں گے؟" میں نے اس کا حوصلہ بڑھانے کے لئے پوچھا۔

"شاید دس آدمیوں کے نقصان نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی درج کرائی ہوئی رپورٹ امریکیوں کی کسی ہدایت کا نتیجہ ہو۔"

"امریکیوں کو اس کے گھر میں ہونے والی لوٹ مار سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"ابھی تک تم ان کے لئے صرف ایک نام ہو۔ وہ ہر قیمت پر تمہارا مکمل ریکارڈ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تم آج کے اخبار میں ہوم آفس کا بیان پڑھ لو۔ انہوں نے کل کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارے بارے میں کوئی علم نہیں رکھتے۔ ہو سکتا ہے کہ اس بیان کے ردِعمل میں کراچی کے قونصل خانے والوں نے کھٹول کو تمہارے خلاف پرچہ کٹوانے کی ہدایت دی ہو۔"

"بات کسی حد تک سمجھ میں آ رہی ہے۔ میرے خلاف ہر طرف سے تقریباً ایک ہی ساتھ دباؤ بڑھنا شروع ہوا ہے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میں خود میدان میں اتر کر اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ یہ سارا بوجھ اب تم کو اکیلے ہی اٹھانا پڑے گا۔"

"ایف آئی آر آج صبح کٹوائی گئی ہے۔ اس کی اطلاع ملتے ہی میں نے وبرا سے مشورہ کیا تھا۔ وہ بھی ہماری طرف سے بھرپور جارحانہ جواب کے حق میں ہے۔"

"بس تو پھر بسم اللہ کرو۔ اس کال کے بعد میرا اپریٹس مسلسل آن رہے گا۔"

"یہاں ہیروئن اور سیاست کے تانے بانے ایک دوسرے میں بری طرح گتھے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں تمہارے خدشات سو فیصد درست ہیں۔ کل مارے جانے والوں میں سے دو مقامی منڈی کے بڑے نام ہیں۔ بقیہ چار ان ہی کے کارندے تھے۔"

"ولی جان اور شنکر رائے کا معاملہ صاف ہو چکا ہے۔ شنکر نے اپنی زبان سے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ کھٹول کے لئے کام کرتا ہے۔ رات کو آنے والے حملہ آوروں کے بارے میں ابھی تک واضح نہیں ہو سکا کہ وہ کس کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ ذرا اس کا بھی کھوج نکالنے کی کوشش کرو۔"

"دیکھا جائے گا۔ اس وقت شہر میں کھٹول ہی تمہارا اکلوتا دشمن ہے اور ایسی حرکت کی اسی سے توقع کی جا سکتی ہے۔"

"اگر امریکی میرے بارے میں زیادہ جذباتی ہو گئے ہیں تو وہ بھی بالا ہی بالا مقامی بدمعاشوں کو خرید کر میری راہ پر لگا سکتے ہیں۔ وہ فلیٹ کافی عرصے سے ان کی نظروں میں آیا ہوا ہے۔"

"ایک مرتبہ کھٹول کی گردن ہاتھ میں آ جائے تو یہ ساری باتیں خود بخود صاف ہوتی چلی جائیں گی۔ اب میں فون بند کر رہا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام آباد سے کوئی اس نمبر پر بات کرنی چاہ رہا ہو۔" اول خان نے یہ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

میں ریسیور رکھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ کپڑوں کے درمیان اول خان کا بھیجا ہوا اپریٹس موجود تھا۔ میں نے اسے آن کر کے بیٹری وغیرہ چیک کی اور ساتھ لے کر باہر آ گیا۔

میں کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ کے گہرے کشوں کے درمیان مسلسل سوچتا رہا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کھٹول سے براہِ راست بات کر کے ہی کچھ الجھنیں دور کی جا سکتی تھیں۔

میں نے کھٹول راجوانی کا فون ملایا تو اس بار بھی اس کے کسی ملازم سے بات ہوئی۔ اس کے استفسار پر میں نے اسے شنکر نام بتایا۔ اس بار تقریباً فوراً ہی کھٹول لائن پر آ گیا۔

"ہاں بابا! کیسے ہو۔ خیر خیریت ہے، مزے میں ہو؟" کھٹول کی نرم آواز مجھے زہریلی معلوم ہوئی۔

"تمہاری بددعاؤں کے باوجود خیریت سے ہوں۔" میں نے اس سے زیادہ نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔ "کل تمہاری گڑبڑ کی وجہ سے بات ادھوری رہ گئی تھی۔ آج میرا کھوج لگانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ بات پھر ادھوری رہ جائے گی۔"

"نہ بابا، میں نے کل بھی کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم دوبارہ فون کرو گے۔"

"شاید نہ کرتا، مجھے ایسی شدید ضرورت نہیں تھی لیکن اخبار میں ڈکیتی کی خبر پڑھی تو مجھے بھی اپنا حصہ یاد آ گیا۔ ڈاکو ذرا سی دیر میں لاکھوں سمیٹ کر لے گئے۔"

"دکھ ہوتا ہے۔ لوگ کسی کو کھاتے پیتے نہیں دیکھ سکتے۔ میں تو ویسے بھی بہت دیالو ہوں۔ شاید شہر میں میرا کوئی دشمن پیدا ہو گیا ہے جو مجھے نقصان پہنچانے پر تلا ہوا ہے۔"

"ایک چھوٹا موٹا دشمن تو میں ہی ہوں۔" میں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ "بس لاکھ دو لاکھ کا سوال ہے۔ اپنی مرضی سے نہیں دو گے تو ڈاکا ڈالنا پڑے گا۔ رات والوں نے راستہ دکھا ہی دیا ہے۔"

"بھلی آؤ، سر آنکھوں پر آؤ، کام کا وعدہ کرو۔ میں ہاتھ جوڑ کر پیسے دوں گا۔ کچھ شراب پانی بھی پیتے ہو یا بس کنیاؤں کے شوقین ہو؟"

"ڈبل روٹی دودھ میں اور عورت شراب میں بھیگ کر ہی اچھی لگتی ہے مگر وہ میرا اپنا شوق ہے۔ تم بڑے آدمی ہو۔ آدمی کو اپنی اوقات میں رہنا چاہئے۔ میری تم سے بس معاملے کی بات ہے۔"

"اپنا پتا نہیں دیتے" کسی بات سے ڈرتے ہو تو میرے پاس آ جاؤ۔ بیٹھ کر سب طے کر لیں گے۔ آج کل مجھے کام کے آدمیوں کی بڑی تلاش رہنے لگی ہے۔ شنکر بہت بے وقوف تھا کہ اس نے تمہاری عورت سے یاری کی۔ آج کل جیب میں پیسے ہوں تو عورت آرام سے مل جاتی ہے، یار کسی قیمت پر نہیں ملتا۔"

اس میں سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ وہ بہت ٹھنڈا اور دھیما آدمی تھا۔ اسے مشتعل کر کے اپنی راہ پر لانا بہت مشکل کام

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ اس سے اسی کے انداز میں میٹھی میٹھی باتیں کر کے کچھ اگلوایا جاسکتا تھا۔ میں نے اس کی بات سن کر کہا۔ "حیرت ہے کہ تم جیسے سمجھ دار آدمی کے ساتھ رہ کر بھی اس نے اتنا نہیں سیکھا اور اپنے ساتھ تین اور آدمیوں کو لے ڈوبا۔"

"ہاں..... پر یہ بات سمجھ کی ہوتی ہے۔ وہ تو جو تھا' سو تھا۔ تم بھی عقل میں اس سے زیادہ نہیں ہو۔ ایک عورت کے لئے چار آدمیوں کو مار ڈالا۔ جس دن بھی تم پکڑے گئے تو یہ سمجھ لو کہ بات پھانسی کے پھندے پر ہی جا کر رکے گی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"تم تو اس طرح دکھی ہو رہے ہو جیسے وہ سب تمہارے آدمی تھے۔" مجھے وہ سوال کرنے کا موقع مل گیا۔

"کسی کے بھی تھے مگر وہ جیتے جاگتے آدمی تھے۔ تم نے چار چیونٹے نہیں' آدمی مارے ہیں۔"

وہ نہایت مکاری سے میرے سوال کا جواب گول کر گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی دوسرے پہلو سے وار کر دیا۔ "آدمیوں کا کیا ہے۔ وہ تو روز مرتے ہی رہتے ہیں۔ کل چھ آدمی گولیوں سے بھون دیئے گئے۔ ساتواں تمہارے گھر میں کسی گولی کے بغیر نری دہشت سے مر گیا۔"

"یہ تو ہے۔" وہ مجھ سے متفق ہونے پر مجبور تھا۔ "آدمی کتے بلّے سے بھی سستا ہو گیا ہے۔ یہ پتا نہیں چلا کہ تم نے گلشن میں شنکر کے دو رکھوالوں کو کس چیز سے مارا تھا۔ فولاد کی دہکتی ہوئی میخ بھی کسی کے بدن میں اتنا صاف سوراخ نہیں کر سکتی۔"

"یہ میرا راز ہے جو میں ہر ایک کو نہیں بتا سکتا۔ تم مجھ سے معاملے کی بات کرو۔"

"یہ سب معاملے کی باتیں ہی ہو رہی ہیں۔ تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"جب تک ہمارے درمیان دوستی نہیں ہوتی' مجھے شنکر ہی کہتے اور سمجھتے رہو۔"

"تم خود کو چھپا رہے ہو۔ گلشن والی دونوں لاشیں بہت سی باتیں کھول گئی ہیں۔ شنکر کی ارتھی جل کر راکھ ہو چکی ہے' تم پھر بھی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہو۔"

"یہ سمجھتے ہو تو پانچ کوششوں میں خود ہی بوجھ لو کہ میں کون ہو سکتا ہوں۔" میں نے خوش دلی سے قہقہہ لگا کر کہا۔ "میرا وعدہ ہے کہ تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔"

"مجھے پانچ کوششوں کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے چو ہے اور بلّی کا کھیل مت کھیلو۔ صاف صاف بتا دو کہ تم ڈینی ہو یا نہیں۔ میں تم سے اگلا سوال نہیں پوچھوں گا۔"

"چلو مان لیا کہ تم ٹھیک کہتے ہو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے دھیمے سے پوچھا۔

"کل رات تم ہی نے میرے گھر رنگ میں بھنگ ڈالا تھا؟" اس کی آواز میں پہلی بار ہلکی سی خفگی عود کر آئی۔

"نہیں!" میں نے صدقِ دل سے کہا کیونکہ وہ کارروائی ایس ٹی ایف والوں کی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں کہ میری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔ میرا راستہ مت کاٹو۔ یہ تمہارے لئے بہت برا ہو گا۔ رات کی ڈیکتی میں نے تمہارے نام لکھوائی ہے۔ کوئی وعدہ کرو تو میں تمہارا نام واپس لے لوں گا ورنہ پولیس تمہارے پیچھے لگ جائے گی۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں اتنے لمبے ہاتھ والوں سے دور ہی رہتا ہوں۔" میں نے اس کی دی ہوئی اطلاع پر کسی ردِعمل کا مظاہرہ کئے بغیر کہا۔ "لیکن وہ زیادتی کریں تو میں انہیں نہیں بخشتا۔ تم نے ڈیکتی میں میرا نام ڈالا ہے تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا ہو گا۔"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔" اس کی آواز میں پہلی بار برہمی عود کر آئی۔ "جانتے ہو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔ میں ہر گستاخ زبان کو گدی سے کھینچ لیتا ہوں۔"

"نہیں میرے پیارے گھٹوں! تم کچھ بھی نہیں کرتے۔ خود شراب و شباب کی محفلوں میں کھوئے رہتے ہو اور کام دوسروں سے لیتے ہو۔" میں نے اپنے سکون میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا تھا۔

"وہی سب میرے دست و بازو ہیں۔ وہ تمہیں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیں گے۔" میری محنت کے نتیجے میں اس کے اعصاب بے قابو ہونے لگے تھے اور پارہ چڑھ گیا تھا۔

"پچھلے چوبیس گھنٹوں میں تمہارے دس دست و بازو توڑے مروڑے جا چکے ہیں۔ پتا نہیں تم جیسے گھٹو کی خود ساختہ انا اور کتنی جانوں کی بھینٹ لے گی۔"

"کل رات تک مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم خود میدان میں اترے ہوئے ہو۔ تم مکار اور سازشی ہو۔ دیکھنا کہ اب تم ان ہی طریقوں سے جہنم واصل ہو گے۔ تمہیں للکار کر سنبھلنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ تم سے ان دسوں کے خون کا بدلہ لیا جائے گا۔"

اس نے الفاظ کے ہیر پھیر میں یہ مان لیا تھا کہ ہمارے فلیٹ کے قرب و جوار میں مارے جانے والے چھ آدمی بھی اسی کے ٹولے سے تعلق رکھتے تھے اور اول خان کی فراہم کی ہوئی اطلاعات کے مطابق وہ سب ہی شہر میں ہیروئن کی فروخت میں پوری طرح سرگرم تھے۔

"چاہو تو تمہاری اطلاع کے لئے یہ بھی بتا دوں کہ میں تمہارے بہت قریب موجود ہوں۔ اگر تم اس وقت اپنے کھلے لان پر آنے کی ہمت کر سکو تو تمہارے سینے یا دماغ میں ایک بہت نفیس اور باریک سا سوراخ نمودار ہو سکتا ہے۔ تم آنے والی مصیبتوں سے صاف بچ جاؤ گے۔"

"یہ تیرے درجے کی چھچھوری حرکتیں ہیں۔ اس طرح تم مجھے مرعوب یا خوف زدہ نہیں کر سکتے۔" وہ اپنے غصے پر جلد ہی قابو پا کر ایک مرتبہ پھر پُرسکون ہو گیا تھا۔

"تھوڑی دیر پہلے تم کہہ رہے تھے کہ مجھ سے تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے پھر کل رات تمہارے آدمیوں نے میرے گھر کو روندنے

Downloaded from https://paksociety.com

کی ناکام کوشش کیوں کی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے دھرم میں خون کا بدلہ خون ہے۔ مجھے گلشن والے چار آدمیوں کا بدلہ لینا تھا۔ مجھے تمہاری کہانی پر شروع سے یقین نہیں تھا لیکن یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ خون تم نے کئے ہوں گے۔ اپنے آدمیوں کو اپنی طاقت کا یقین دلانے کے لئے مجھے کہیں چند جوابی لاشیں گرانی تھیں۔ غلطی صرف یہ ہوئی کہ انہیں تمہارے آدمیوں کی طرف بھیج دیا گیا۔"

"یہ غلطی آئندہ تمہارے لئے افاقے کا سبب بنے گی۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "تمہیں اپنی بے بسی اور میری طاقت کا اندازہ ہو چکا ہے۔ ہمت ہے تو اپنے لان پر آکر دکھاؤ۔"

جواب میں اس نے فحش کلامی کا مظاہرہ کیا پھر بولا۔ "جلد ہی سدھائے ہوئے خوں خوار کتے تمہارا بدن ادھیڑ رہے ہوں گے۔ تمہارا انجام اب قریب آگیا ہے۔"

"اطلاع دینے کا شکریہ۔ اگر تم اپنے لان پر آنے سے ڈر رہے ہو تو پھانک پر بھی نہ آنا۔ میں کسی بھی وقت تمہارے گھر پہنچ رہا ہوں۔ تم سے روبہ رو بات کر کے ہی کچھ طے کیا جا سکے گا۔"

"میں ان گیدڑ بھبکیوں میں نہیں آؤں گا۔ مرد کے بچے ہو تو یہاں آکر دکھاؤ۔ میں بہت شوق سے تمہاری کھال کے جوتے بنوا کر پہنوں گا۔"

میں نے مزید کچھ کہے بغیر فون بند کر دیا۔ میں نے اس سے اپنی الجھنوں کے بارے میں بہت کچھ اگلوا لیا تھا لیکن اسے یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ میں ہیروئن کے کاروبار سے اس کے تعلق کی کڑیاں ملانے میں خاصی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اپریٹس جاگ اٹھا۔ میں نے اس کی آواز کھول دی۔ اس پر اول خان کے دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان کی وہ ساری گفتگو کوڈ ورڈز میں تھی جو میرے پلے نہیں پڑ سکی۔ ان کی باتیں ختم ہوتے ہی اول خان لائن پر آگیا۔ وہ مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ میں نے اپریٹس پر اس کا مکمل پیغام سن لینے کے بعد نشری بٹن دبا کر اپنی موجودگی کا اعلان کیا۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا کہ کھٹمول پچھلی رات کے حملے کی ذمے داری قبول کر چکا ہے۔

"ویری گڈ!" میری بات مکمل ہونے پر اول خان کی آواز ابھری۔ "یہ اس کے خلاف فردِ جرم میں ایک نمایاں اضافہ ہے۔ اسلام آباد سے اس کے گھر کا سرچ وارنٹ فیکس پر مل چکا ہے۔"

"یہ کام جلد از جلد مکمل کرنے کی کوشش کرو۔ اس وقت میں نے اسے اتنا خوفزدہ کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ اسے وہیں چاپ لو۔"

"پورے شہر میں آئی جی کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ میں اسی کے دفتر کی طرف جا رہا ہوں۔ علاقہ مجسٹریٹ کو بھی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں طلب کر لیا گیا ہے۔ اس کے پہنچتے ہی آئی جی کی نگرانی میں چھاپا مارا جائے گا۔ میں مبصر کے طور پر کارروائی میں شامل رہوں گا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ ہے۔"

"میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا گو ہوں۔ مجھے نتیجے سے ضرور آگاہ کرنا۔"

"اوور اینڈ آل۔" اول خان نے اپنا فرض پورا کر کے خاموشی اختیار کر لی۔

میرے پاس انتظار کے سوا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ نیویارک سے رابطے کے لئے وہ وقت ناموزوں تھا۔ منہ اندھیرے بار بار نیند خراب کئے جانے پر بد دماغ جوڈل برہم بھی ہو سکتی تھی۔ معاً میرے ذہن میں جینی کا خیال آیا اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

ہم دونوں اسے دھوکا دے کر امریکا سے فرار ہوئے تھے۔ اس نے ہماری وعدہ خلافی کا انتقام لینے کے لئے اپنی زبان بندی ختم کر کے بلیک ڈیڈ اور اس کے ہمدردوں کو شدید مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔ میرے یاد دلانے کے باوجود وہ براہِ راست اس سے فون پر بات کر کے معذرت پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ چند روز بعد جینی کا غصہ کم ہو جائے گا تو وہ رابطہ کر کے اسے منا لے گی۔

میری بات ذرا مختلف تھی۔ جینی نے ویرا کی لاعلمی میں مجھ سے قریبی مراسم استوار کر کے اپنی خواب گاہ کی خلوت میں یہ حقیقت جانی تھی کہ میں رمضان یا اسلم خان نہیں 'ڈینی' تھا۔ بھرے بھرے بدن والی خوب رو اور خوش مزاج جینی کے وہ مشاہدے اس قدر اٹل تھے کہ میرے لئے اس کے سامنے اعتراف کرنے کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

میں نے وقت کی پروا کئے بغیر فون پر جینی کے گھر کا نمبر ملایا۔ تیسری گھنٹی پر ریسیور اٹھائے جانے کے بعد اس کی غنودہ آواز سن کر میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہو گئیں۔

"جینی! مائی ڈارلنگ! مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری گہری نیند....."

"ڈینی!" میری مدافعانہ تمہید مکمل ہونے سے پہلے ہی ریسیور میں اس کی تحیر زدہ آواز گونج اٹھی۔ "تم کہاں ہو؟ جھوٹے، مکار، فریبی کہیں کے..... تم میں اتنی مروت بھی نہیں تھی کہ یہاں سے جانے سے پہلے ائرپورٹ سے فون کر کے ہی مجھے الوداع کہہ دیتے۔"

"تم کہتی رہو..... مجھے گالیاں بھی دو گی تو میں سر جھکا کر سنتا رہوں گا۔" اس کے خاموش ہوتے ہی میں نے ندامت سے کہا۔ "تمہاری برہمی بالکل جائز اور بجا ہے۔"

"میں جس کے ساتھ راحت کی گھڑیاں گزار چکی ہوں، اسے گالیاں نہیں دے سکتی۔ تم گونگے کیوں بن گئے ہو۔ منہ سے کچھ پھوٹو کہ تمہارے ساتھ کیا مجبوری تھی۔"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہیں امریکا سے ہماری روانگی کا علم کب اور کیسے ہوا؟"

"پچھلی شام۔" اس نے بے ساختہ جواب دیا۔ اس کی آواز

Downloaded from https://paksociety.com

میں نیند کے خمار کا شائبہ تک باقی نہیں رہا تھا۔ وہ بتا رہی تھی۔ "نیویارک کے پولیس چیف کو بیان دینے تک مجھے یقین تھا کہ تم دونوں نیویارک میں ہی ہو اور میرے بیان کے بعد یہاں سے کبھی نہیں نکل سکو گے۔ تم دونوں کی تلاش کی مہم دور دور تک پھیلا دی گئی تھی۔ میں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ تم دونوں کی سفری دستاویزات کن ناموں پر ہیں....."

"پھر یہ بات کیسے نکلی؟" جینی کے خاموش ہوتے ہی میں نے سوال کر ڈالا۔

"کسی کو ایگریشن کا خیال آگیا۔ انہوں نے آج ہی ریکارڈ سے تم دونوں کے اخراج کی تصدیق کی ہے۔ اس کے بعد تلاش کا سلسلہ ختم کر دیا گیا مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"پاکستان ہمارے لئے ممنوعہ ملک بن چکا ہے۔ وہاں بھی ہماری تلاش ہو رہی ہے۔"

"پھر تم اس وقت کس خطّے سے بول رہے ہو؟ ویرا کہاں ہے؟" ماضی کے تلخ تجربات اور اپنی رنگین مزاجی کے باوجود وہ ایک پرخلوص لڑکی تھی اور مسلسل اس کا اظہار کئے جا رہی تھی۔

"ہم دونوں بنکاک میں ہیں۔ یہاں شام ہونے والی ہے۔" میں نے سفید جھوٹ بولا۔ "ویرا حسبِ معمول آوارہ گردی کے لئے باہر نکلی ہوئی ہے اسی وجہ سے میں نے تمہیں فون کر لیا ہے۔"

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ یہ خلش مجھے مارے ڈال رہی ہے۔ میری زندگی میں آنے والے کسی مرد نے آج تک مجھے اتنی بے رحمی سے نظر انداز نہیں کیا تھا۔"

"ویرا تمہارے لئے اجنبی نہیں ہے۔ اسے میرے اور تمہارے مراسم پر شبہ ہو گیا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ میں اسے بھول کر ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس رہ جاؤں گا۔ نیویارک سے پرواز کرنے تک وہ ہر وقت میری کڑی نگرانی کرتی رہی تھی۔ اس نے مجھے ذرا بھی موقع نہیں دیا ورنہ میں خود تم سے بات کرنے کو ترس رہا تھا۔"

"اوہ ڈیر!" جینی کی آواز ترجم آمیز ہو گئی۔ "مجھے شبہ تھا کہ اس کتیا نے تمہیں اپنا قیدی بنایا ہوا ہے۔ وہ کئی نوجوانوں کے ساتھ ایسا ہی مالکانہ سلوک کرتی رہی تھی۔ تم اس سے اپنی جان چھڑا لو ورنہ وہ تمہاری زندگی تباہ کر دے گی۔ نام بدل کر امریکا آسکو تو ضرور آؤ۔ میں تمہاری راہ میں پلکیں بچھا کر تمہارا استقبال کروں گی۔ تم ایک سحر بن کر اب تک میرے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہو۔"

"نہیں جینی۔" میں نے غم ناک آواز میں کہا۔ "میرا یہ فون اس بات کا گواہ ہے کہ میں بھی تم کو نہیں بھول سکا۔ تم سراپا شعر ہو جس کا ہر بار ایک نیا مفہوم سامنے آتا ہے۔ تمہارے بیان نے امریکا میں میرے کئی دوستوں اور ہمدردوں کو پس زنداں پہنچا کر ان کی زندگیوں کو عذاب بنا دیا ہے۔ میں وہاں آیا تو اُن کے وارث میرا خون پی جائیں گے۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔"

"صرف بلیک ڈیڈ پکڑا گیا ہے۔ اس نے دوسروں کی نشاندہی کی ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ اس پر عاید فردِ جرم لمبی ہوتی جا رہی ہے۔"

"اور تمہارے باس کا کیا حال ہے؟" میں اسے میٹھی میٹھی باتوں میں الجھا کر کام کے سوالات کرتا جا رہا تھا۔

"پریس اس کا حامی ہو گیا ہے۔ وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ شروع سے سچ بول رہا تھا لیکن اس پر چند سنگین الزامات میں مجھے اس کی گردن پھنستی نظر نہیں آتی۔ فیڈرل ایجنسیاں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ وہ اس سے مرنج کے اغوا کا اعتراف بھی کروا سکتی ہیں۔"

"آئزک بیل کے بعد ڈیوڈ اسٹارز میں قیادت کا ایک بھیانک خلا نظر آتا ہے۔"

"تم دونوں نے یہ کام بہت برا کیا۔" جینی کی پرکشش آواز افسردہ ہو گئی۔ "فورٹ ہاؤس میں مارے جانے والے داؤدی ستاروں کو نسل کشی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ یہودی تھے۔"

"یہودی بہت سے ہیں۔ وہ صرف ڈیوڈ اسٹارز تھے۔ یہ سب مجرم تھے اور اپنے جرائم کی بنا پر ویرا کی نظروں میں آئے ہوئے تھے۔ اس معاملے میں میرا ضمیر صاف ہے۔"

"مگر میں مطمئن نہیں ہوں۔ مجھے یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ ان چاروں کی نشان دہی میں 'میں نے تمہاری کافی مدد کی تھی۔'"

"میں تم سے بحث کر کے تمہارے جذبات مجروح نہیں کروں گا۔ میں نے تمہاری نظروں میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہ فون کیا تھا تاکہ اگلی ملاقات تک ہماری دوستی برقرار رہ سکے۔"

"ڈیئر! مائی ڈارلنگ! میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ اپنے لیے تم میرے دروازے ہمیشہ کھلے پاؤ گے۔ شرط صرف اتنی سی ہے کہ وہ کمینی تمہارے ساتھ نہ ہو۔"

"اس سے گلو خلاصی کے لیے میں پہلی فرصت میں تمہارے مشورے پر عمل کروں گا۔"

"گڈ نائٹ" کے ساتھ ہی ریسیور پر جینی کے گداز ہونٹ جڑ کر آواز کے ساتھ کھلنے کا عمل سنائی دیا۔ میں نے اسی انداز میں جواب دے کر فون بند کر دیا۔

بلیک ڈیڈ کی گرفتاری کی خبر سننے کے بعد سے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نیویارک بلکہ پورے امریکا سے ہمارا رشتہ ہی ٹوٹ گیا ہو۔ وہاں گزارے ہوئے دنوں میں ہم نے ہر طرف اپنے دشمن ہی دشمن پیدا کیے تھے' دوستوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں نے تھوڑی سی مصلحت اور خوش کلامی سے کام لے کر جینی جیسی روٹھی ہوئی دوست کو منا لیا تھا۔

غنیمت تھا کہ اس نے میری لچھے دار گفتگو کے سحر میں ڈوب کر میرا بنکاک کا فون نمبر دریافت کرنے کی ضرورت کو یکسر فراموش کر دیا تھا۔ وہ پوچھ بیٹھتی تو میرے پاس بتانے کے لیے وہاں کے کسی ہوٹل کا نمبر نہیں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے سلمٰی کی موجودگی میں اخبارات کا سرسری سا مطالعہ کیا تھا۔ فرصت کو غنیمت جان کر میں نے ریفریجریٹر میں سے ٹھنڈی بیئر کا ایک ڈبا نکالا' شیلف سے گلاس اٹھایا اور ڈرائنگ روم میں آبیٹھا۔

اخباروں میں چشم دید گواہوں کے حوالے سے کافٹن میں رونما ہونے والے واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ ہر شخص کی متفقہ رائے تھی کہ نامعلوم دہشت گردوں نے اکا دکا ہوائی فائروں سے علاقے میں خوف و ہراس پھیلانے کے بعد منظم منصوبہ بندی کے تحت بھاری فائرنگ سے کارروائی کا آغاز کیا تھا۔ ہمارے فلیٹوں کے دونوں چوکی دار بے ہوشی کی حالت میں زخمی پائے گئے تھے۔

ان دونوں کا بیان تھا کہ اندھیرا پھیلنے کے بعد چار آدمی گولیاں برساتے ہوئے اندر گھسے تھے اور اپنی راہ میں آنے پر ان دونوں کو آہنی ہتھیاروں کی ضرب لگا کر بے ہوش کر دیا تھا۔

وہ چاروں وہی تھے جو اندر آنے کے بعد ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

سیڑھیوں پر موت کے گھاٹ اترنے والوں کے بارے میں یہ تعین کرنا مشکل تھا کہ اوپر جاتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بنے تھے یا واپسی پر موت نے انہیں گھیر لیا تھا لیکن برآمدے میں ملنے والی دونوں لاشوں کی پوزیشن سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ باہر بھاگتے ہوئے موت کی زد میں آئے تھے۔

اس دوران میں پولیس سرے سے موجود ہی نہیں تھی۔ عمارت میں رہنے والوں میں سے کسی نے اپنے فلیٹ میں مداخلت کی شکایت نہیں کی تھی اس لیے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ چاروں کس کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ یہی سوال باہر سے ملنے والی دو لاشوں کے بارے میں اٹھایا گیا تھا۔

اخبار والے اپنی میزوں پر بیٹھ کر جائے واردات سے ملنے والے شواہد اور کوائف کا تجزیہ کر کے سنگین نوعیت کے سوال پیدا کرنے اور پھر ان کے جواب ایجاد کرنے میں بلا کے ماہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے مشترکہ طور پر یہ نظریہ قائم کیا تھا کہ وہ واقعات دو مخالف گروہوں میں باہمی تصادم کا نتیجہ بھی ہو سکتے تھے۔ باہر سے آنے والوں میں خوں ریز لڑائی کی جزئیات حیران کن مہارت سے تیار کی گئی تھیں۔

وہ سب رائے عامہ کو گمراہ کرنے اور پولیس کی تفتیش کو غلط راہ پر ڈالنے کی نادانستہ کوششیں قرار دی جا سکتی تھیں لیکن مجبوری یہ تھی کہ اس دور کے قاری کے پاس سوچنے کے لیے ذرا بھی وقت نہیں ہوتا۔ اپنے تجزیے کے لیے وہ ایک بنا بنایا نظریہ چاہتا ہے۔ اخبارات اپنے قارئین کی اس ضرورت کو تندہی سے پورا کرتے ہیں۔ لوگ مطمئن رہتے ہیں۔

تھوڑی دیر میں سلمٰی سامان سے لدی پھندی واپس آگئی۔ تھیلیاں کھانے کی میز پر ڈھیر کر کے وہ تھکے ہارے انداز میں وہیں بیٹھ گئی "آج آس پاس کے سارے بازار بند ہیں۔ ہر طرف پولیس ہی پولیس نظر آرہی ہے۔" وہ ہانپتے ہوئے بولی۔

"چھ آدمیوں کے قتل کے اثرات کم از کم چھ دن تک تو باقی رہیں گے۔"

"مارنے والے اپنی من مانی کر کے چلے گئے۔ اس وقت دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔ اب آنے جانے والوں کو روک کر تلاشی کے بہانے بلاوجہ تنگ کیا جا رہا ہے۔"

"عورتوں سے خاص رعایت کی جاتی ہے' تمہیں تو نہیں روکا گیا ہوگا؟"

"ہونہہ!" وہ پانی کے چند گھونٹ لینے کے بعد بولی "سبزی کے دو تھیلے دیکھنے کے بعد ہلنے کی اجازت دی گئی تھی۔ پولیس والے اب عورتوں کو بھی مردوں کے مساوی سمجھنے لگے ہیں۔"

"خوشی کی بات ہے۔ حقوقِ نسواں کا تحفظ کرنے والوں کو ان کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ کہیں سے تو مساوات کی ابتدا ہونی ہی تھی۔ یہ نیک کام پولیس والوں نے شروع کر دیا۔"

وہ مسکراتی ہوئی اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی اور میں صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

سلمٰی اپنے کمرے میں سے لباس تبدیل کر کے سیدھی میرے پاس آئی۔ وہ جہانگیر کی بیوی تھی اس لیے رنگ کی کافی مماثلت کے باوجود بیئر اور اسکاچ میں تمیز کر سکتی تھی پھر میز پر بیئر کا خالی ڈبا بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے میرے شغل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کچھ دیر بیٹھی آزادانہ انداز میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی پھر کچن میں غائب ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ویرا کا فون آگیا۔ سلمٰی کچن میں تھی اس لیے کال مجھے ہی وصول کرنی پڑی۔

"سب سے تمہاری جان چھوٹ گئی۔ وہاں پڑے عیش کر رہے ہوگے۔" وہ چہکی۔

"عیش تمہارے ہیں کہ وہاں غزالہ کے علاوہ اول خان کی فیملی بھی موجود ہے۔"

"مگر وقت بہت بے کیف گزر رہا ہے۔ کسی چیز میں دل ہی نہیں لگ رہا۔"

"وہ تمہارا نہیں' اول خان کا گھر ہے۔" میں نے اسے تادیب کی "وہاں اپنی الٹی سیدھی حرکتیں شروع نہ کر دینا۔ اس کی قدامت پرست بیوی ناراض بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ پردے کی سختی سے پابندی ضرور کرتی ہے لیکن ذرا بھی قدامت پرست نہیں ہے۔ پڑھ لکھ کر ہر لڑکی اتنی ہی روشن خیال ہو جاتی ہے کہ عملی زندگی سے آسانی سے سمجھوتے کر لیتی ہے۔"

"کیا وہ بھی تمہاری ہم ذوق ہے؟" میں نے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔

"میری ہمسری نہیں کر سکتی۔ اول خان نے راستے ہی میں مجھے ہر بات سمجھا دی تھی۔ اسے بیوی کے بجائے بچوں کی فکر تھی۔ میں

Downloaded from https://paksociety.com

اپنے کمرے میں جو چاہوں کر سکتی ہوں۔ کسی کو اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تو پھر عیش کرو۔ میرے کان کیوں کھا رہی ہو؟" میں نے ترشی سے کہا۔

"یہ علاقہ میرے لیے اجنبی ہے۔ اول خان سے فرمائش نہیں کر سکتی۔ تم ہی جہانگیر کے ذخیرے میں سے دو چار بوتلیں بھجوا دو۔ تمہاری مہربانی ہوگی۔"

"میں دیکھوں گا۔ ویسے تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے جینی کو منا لیا ہے۔"

"جینی! مجھے معلوم تھا کہ موقع ملتے ہی تم دوبارہ اس سے پینگیں بڑھاؤ گے۔"

"اس سے پینگیں بڑھا کر مجھے کیا حاصل ہوگا۔ وہ سات سمندر پار بیٹھی ہے۔"

"وہ اتنی ہی دور ہے تو اسے فون کیوں کیا تھا؟ وہ تمہارے دماغ سے کیوں چپکی ہوئی ہے؟"

"چپکی ہوئی تھی۔" میں نے اس کی تصحیح کی "صرف اس لیے کہ ہم نے اس کے خلوص کو دھوکا دیا تھا۔ میں نے اپنی پوزیشن صاف کر لی ہے۔ اب مجھے اس کی پروا بھی نہیں ہے۔"

"تم نے میرے خلاف زہر اگلا ہے؟" اس نے چبھتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ضرورت نہیں تھی۔ اس معاملے میں تم خود کفیل ہو۔ وہ تمہیں خوب سمجھتی ہے۔"

"دو چار دن گزر جانے دو۔ میں اس کے دماغ کے کیڑے اچھی طرح جھاڑ دوں گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک جینی کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالتی رہی۔ اس دوران میں میں نے اسے آئزک بیل اور بلیک ڈیڈ کے بارے میں جینی کی تازہ ترین رائے سے بھی آگاہ کر دیا۔

غزالہ نے دوسرے کمرے میں اول خان کی بیوی کو باتوں میں لگایا ہوا تھا۔ اس سے میری گفتگو نہیں ہو سکی۔ میں نے اسے کھٹمل کے بارے میں بتائے بغیر بات ختم کر دی۔

دن جیسے تیسے گزر رہی گیا۔ میں نے ایریئس پر اول خان کے آدمی سے رابطہ کر کے اس کے ذریعے دو بوتلیں ویرا کو بھجوا دیں۔ اس کے بعد مجھے بس اول خان کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔ اس نے براہ راست اس عفریت سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر کے بہت کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔

آخر کار سوا سات بجے اس کا فون آ ہی گیا۔ معاملات ایسا رخ اختیار کر گئے تھے کہ وہ سلطان شاہ کے ساتھ تھوڑی دیر میں میرے پاس پہنچنے کی اطلاع دے رہا تھا۔

○☆○

کھٹمل نہ جانے کب سے وہاں رہتا چلا آ رہا تھا۔ اس کا پرانی طرز کا مکان ایک منزلہ اور کافی وسیع تھا۔ آئی جی کی قیادت میں پولیس کی بھاری نفری متعدد گاڑیوں میں سوار ہو کر وہاں پہنچی تھی۔ دوسری گاڑیاں باہر رک گئیں۔ ان سے اترنے والے مسلح سپاہی پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت بہت تیزی سے کھٹمل کے مکان کے احاطے کی دیواروں کے گرد پھیلتے چلے گئے۔

ذرا سے وقفے کے بعد آئی جی کے ڈرائیور نے سرکاری گاڑی آہنی پھاٹک کے سامنے روک کر ہارن بجایا' دربان نے ایک کھڑکی سے باہر جھانکا اور اگلی سیٹ پر موجود آئی جی کی وردی کو دیکھتے ہی سرعت سے پھاٹک کھول دیا۔

بہت بڑے سرسبز شاداب لان اور عمارت کے درمیان ایک کشادہ ڈرائیو وے پورچ سے بھی آگے تک چلا گیا تھا جہاں ایک دوسرے کے ساتھ بنے ہوئے گیراجوں میں دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ انسپکٹر جنرل کے ڈرائیور نے گاڑی پورچ میں روک دی۔

اس گاڑی میں آئی جی کے ساتھ اول خان' سلطان شاہ اور مجسٹریٹ بھی سوار تھے۔ وہ چاروں برآمدے میں رک کر کافی دیر تک بے چینی سے انتظار کرتے رہے۔ کھٹمل خاصی دیر کے بعد اندر سے برآمد ہوا تھا۔ اس نے رسمی انداز میں ان لوگوں کو ہیلو کہہ کر استفسار طلب نگاہیں آئی جی کے چہرے پر مرکوز کر دیں جو میزبان کی آمد میں تاخیر پر پہلے ہی بھنایا ہوا تھا۔

"سر! کل کی ڈکیتی کے بارے میں مجھے سخت افسوس اور صدمہ ہے....." آئی جی نے اپنے غصے پر قابو پا کر خوش خلقی سے بات شروع کرنی چاہی مگر کھٹمل نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہر ذمے دار اور فرض شناس افسر کو افسوس ہونا ہی چاہیے۔" اس کی آواز میں طنز کی تلخی ہر ایک نے محسوس کی تھی۔ "میری ساری رات پولیس والوں کے درمیان اور پھر فون پر اپنے دہشت زدہ مہمانوں سے معذرتیں کرتے گزری ہے۔ یہ فرمائیے کہ اب آپ نے کیسے زحمت کی ہے؟"

"واردات کی ایف آئی آر درج ہو چکی ہے۔ اس معاملے میں آپ نے ایک ملزم بھی نامزد کیا ہے۔ ہماری تفتیش جاری ہے اور اس دوران میں....."

"میں آپ کے ماتحت عملے کو ہر بات پوری تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں۔ ریکارڈ میں آپ کو اپنے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔ مشکل یہی ہے کہ کسی وقوعے کی رپورٹ درج کرانے والے کا گھر پولیس والوں کی مستقل آماجگاہ بن جاتا ہے....."

خوش اخلاقی اور نرم گفتاری کی شہرت رکھنے والا کھٹمل اس وقت ضرورت سے زیادہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ آنے والے افسر اعلیٰ کا عمدہ پہچان لینے کے باوجود اس نے اسے ڈرائنگ روم میں چلنے یا پھر برآمدے میں پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی تھی۔

اس بار آئی جی کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے درشت لہجے اور اونچی آواز میں بولنا شروع کر دیا "آپ اپنی بولے جا رہے ہیں۔ ذرا سی میری گزارش بھی سن لیں۔ ہم یہاں آپ سے

Downloaded from https://paksociety.com

کسی باز پرس یا اظہارِ افسوس کے لیے نہیں' خانہ تلاشی کے لیے آئے ہیں۔"

آئی جی کی زبان سے وہ انکشاف سن کر کھٹول بھونچکا رہ گیا۔ اس کے دیدے حیرت سے پھیل گئے "میرے گھر ڈکیتی ہوئی اور اب میری ہی خانہ تلاشی ہوگی! اس کا کوئی اختیار ہے تمہارے پاس؟"

حیرت' غصے اور بے یقینی کی ملی جلی کیفیت میں وہ اعصاب زدہ ہو کر آپ سے تم پر آگیا تھا۔

"یہ لو!" مجسٹریٹ نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "میں یہاں کا مجسٹریٹ ہوں اور تلاشی کی کارروائی میری نگرانی میں مکمل ہوگی۔"

کھٹول نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کاغذ کے مندرجات کو دیکھا اور احتجاج کیا "مگر کیوں.... میری خانہ تلاشی کا سبب کیا ہے؟ کیا میں نے اپنے مہمانوں کو خود لوٹ کر ان کا مال تجوری میں چھپا لیا ہے؟"

آئی جی کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ گمان تو ہمارے ذہنوں میں دور دور تک نہیں تھا۔ تم کہتے ہو تو یہ بھی دیکھ لیں گے۔"

"تلاشی کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میں ایک معزز شہری ہوں۔ یہ میری کھلی توہین اور بے عزتی ہے۔ میں تم سب پر دعویٰ دائر کردوں گا۔"

"تمہارے ملازمین پر شبہ ہے۔" آئی جی نے کہا "اندھیرے میں یہ کیسے ممکن تھا کہ ڈاکو مہمانوں کی ہر قیمتی چیز گھاس سے اٹھا کر لے گئے ہوں۔ ان سے بہت سی چیزیں رہ گئی ہوں گی جو تمہارے ملازموں نے پولیس کی آمد سے پہلے سمیٹ کر کہیں غائب کردیں۔"

"پھر سرنٹ کوارٹرز کی تلاشی لو۔ میرے گھر میں کوئی قدم نہیں رکھے گا۔" کھٹول پھیل گیا۔

"کھٹول! تم ایک قانونی کارروائی میں روڑے اٹکانے کی کوشش کررہے ہو۔" اول خان نے پہلی بار دخل اندازی کی "گھر کے ہر اس حصے کی تلاشی لی جائے گی جہاں تمہارے ملازموں کی رسائی ہے۔ وہ اتنے احمق نہیں ہیں کہ انہوں نے چوری کا مال اپنے بوسیدہ اور غیر محفوظ کوارٹروں میں چھپایا ہوگا۔ تمہارے گھر کے بہت سے حصے ایسے ہیں جہاں تم برسوں ہاتھ نہیں ڈالتے ہوگے' تمہارے ملازم روزان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔"

"میں ابھی ایک فون کرکے آتا ہوں' پھر تم سے بات کروں گا۔" اس نے برہمی سے کہا اور مڑنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اول خان نے سختی سے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔

"نہیں' تلاشی مکمل ہونے تک تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہارے گھر کے تینوں فون اس وقت بے جان ہیں۔ تم تعاون کرو گے تو جاتے ہوئے ہم یہ لائنیں بحال کرادیں گے۔"

کھٹول کی آنکھوں میں پہلی بار سراسیمگی کے سائے لہرائے اور وہ نرم آواز میں بولا "ٹھیک ہے' تم پورے ہوم ورک کے ساتھ آئے ہو۔ میں اندر پردے وغیرہ کا بندوبست کرکے آتا ہوں۔"

"نہیں!" اول خان کی سرد آواز گونجی "تماشا دیکھنے والے ملازموں کے ذریعے تم اپنا ہر پیغام اندر پہنچا سکتے ہو۔ تلاشی کے دوران میں تم مسلسل ہمارے ساتھ رہو گے۔"

"تم کون ہو؟" اس نے خوف زدہ لہجے میں اول خان سے پوچھا "تمہارے جسم پر کوئی وردی نہیں ہے۔"

"تمہارے پھاٹک سے باہر متعدد وردی پوش موجود ہیں۔ تمہارے اطمینان کے لیے یہ کافی ہونا چاہیے کہ میں آئی جی صاحب کے ساتھ آیا ہوں۔" یہ کہہ کر اول خان نے اس کے شانے سے ہاتھ ہٹالیا۔

"آؤ' ادھر آؤ بابا!" کھٹول نے تھکی تھکی آواز میں ان چند ملازمین کو اشارہ کیا جو اِدھر اُدھر دبکے' حیرت اور خوف سے وہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"تم نے کوئی غلط یا خفیہ پیغام دینے کی کوشش کی تو یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"اندر جا کر بی بی لوگ کو بولو کہ بڑے افسر ہمارے گھر آئے ہیں۔ اندر سے کمرے دیکھیں گے۔ سب میرے کمرے میں جمع ہوجائیں۔ دروازہ بند کرکے پردے بھی گرالیں۔"

نوکروں نے اپنی جگہ سے جنبش ہی کی تھی کہ اول خان نے تحکمانہ آواز میں انہیں روک لیا اور کھٹول سے کہا "ہم تلاشی کا آغاز تمہارے کمرے سے ہی کریں گے' عورتوں کو کسی اور کمرے میں بھیج دو۔"

کھٹول کے چہرے کا رنگ اڑ گیا "میرے کمرے کی تلاشی؟ کیا تم مجھے ڈاکو سمجھ رہے ہو؟"

"ہم بھول کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتے۔ یہ خیال تم نے خود پیش کیا تھا۔" اول خان نے زہر خند کے ساتھ جواب دیا "یہ شبہ دور کرلیں پھر اپنا دوسرا کام شروع کریں گے۔"

فلم صحافت اور ادب کی ان کہی کہانیاں

فلم ساز و ہدایت کار اور کہانی نویس مشہور صحافی علی سفیان آفاقی کی یادداشتیں

فلمی الف لیلہ

پاکستان کی فلمی دنیا کی معتبر اور مستند تاریخ۔ مشہور فلموں اور فن کاروں کے دلچسپ حالات وواقعات پر مشتمل عصرِ حاضر کی تاریخ ساز سرگزشت۔

ماہنامہ سرگزشت کا تازہ شمارہ آج ہی ملاحظہ کریں

Downloaded from https://paksociety.com

"تم لوگ زندگی بھر پچھتاؤ گے۔ میں تم سب کو معزول کروا دوں گا۔ میں کوئی للو پنجو نہیں' کھٹول راجوانی ہوں۔ پتا نہیں کس نے تمہیں میرے خلاف بھکا دیا ہے۔ میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں یہاں کچھ نہیں ملے گا۔ تم میرے گھر میں اپنا وقت اور مستقبل برباد کررہے ہو۔"

"تم سے جو ہوسکے وہ کرلینا مگر اس وقت تلاشی ہوگی اور اسی طرح ہوگی جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔" اول خان نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "تم جتنی تکرار کروگے' تلاشی اسی قدر تفصیل اور باریک بینی سے لی جائے گی۔ ہر بڑے گھر میں کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔ کچھ بھی نہ ملا تو تم ولایتی شراب کی چند بوتلوں کا قانونی جواز بھی نہیں دے سکو گے..... ہم سے تعاون کرو' اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے اپنے ملازموں سے کہا "بی بی لوگ کو گول کمرے میں بھیج دو۔"

اول خان کی عقابی نظریں ملازمین کے چہروں کو گھور رہی تھیں۔ کھٹول کی نئی ہدایت پر ان کی آنکھوں میں تذبذب کے آثار دیکھ کر اول خان فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔

"کھٹول!" وہ تیز آواز میں غرایا "چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ گول کمرا ہی تمہارا کمرا ہے۔ اپنے نوکروں کو امتحان میں مت ڈالو ورنہ ہم خود اونچی آواز میں تمہاری عورتوں کو پردے میں چلے جانے کا حکم دے کر اندر داخل ہوجائیں گے۔"

"اندر کچھ نہیں ہے مگر یہ میری عزت کا سوال ہے۔" اس بار وہ بکھر کر رہ گیا پھر نیچی آواز میں بولا "میرے گھر کی تلاشی لیے بغیر لوٹ جاؤ۔ میں تمہیں منہ مانگی رقم ادا کردوں گا۔"

"ہمارے شکوک و شبہات بڑھتے ہی جارہے ہیں۔" آئی جی نے اپنی چھڑی کو فضا میں ہلاتے ہوئے کہا "یہ سودے بازی تلاشی کے بعد ہی ہوگی۔"

کھٹول کی مایوس آنکھوں میں امید کے دیے جل اٹھے "ابھی سودا کرلو۔ بولو کیا مانگتے ہو؟"

"نوٹوں کے بھکاری یوں تمہارے روبرو نہیں آسکتے تھے۔" آئی جی نے اسے پھٹکار دیا "اسی لیے میں خود یہاں آیا ہوں۔ رشوت کی پیشکش کرکے تم پہلے جرم کے مرتکب ہوچکے ہو۔ دوسرا جرم قانون کی مزاحمت کا ہے اور یہ سب اس کے چشم دید گواہ ہیں۔"

"جاؤ' عورتوں کو پوجا والے کمرے میں بھیج دو۔" اس بار کھٹول کی بات پوری ہوتے ہی اس کے ملازم کسی تذبذب کے بغیر دوڑتے ہوئے اندر چلے گئے۔

"ہمیں کتنی دیر تک انتظار کرنا ہوگا؟" کم و بیش پانچ منٹ گزر جانے کے بعد آئی جی نے پوچھا۔

"آجاؤ!" اس نے شکست خوردہ آواز میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"باہر سے دو انسپکٹرز کو اندر بھیج دو۔" آئی جی اپنے ڈرائیور کو ہدایت دے کر کھٹول کے پیچھے چل دیا۔ بقیہ تینوں آدمی اس کے ساتھ تھے۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی عورتوں کے بین اور آہ و بکا کی درد ناک آوازوں نے اس جماعت کا استقبال کیا۔ شاید باہر سے پیغام لے جانے والے ملازموں نے عورتوں کو باہر کی پوری صورتِ حال سے آگاہ کردیا تھا اور وہاں رونا پیٹنا شروع ہوگیا تھا۔

اونچی چھتوں والی پُرپیچ کشادہ راہداریوں میں اندر سے آتا ہوا ایک ادھیڑ عمر شخص ملا جس نے موٹے عدسوں والی عینک لگائی ہوئی تھی۔ وہ رک کر حیران نظروں سے اپنی طرف بڑھنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔

"منشی جی! یہ بڑے پولیس افسر ہیں۔" کھٹول نے اونچی آواز میں کہا۔ منشی کا داہنا ہاتھ فوراً اپنے کان کے پیچھے جم گیا۔ سب کو اندازہ ہوگیا کہ منشی کی سماعت کمزور تھی۔

"گھر کی تلاشی کے لیے آئے ہیں۔ انہیں میرے کمرے میں لے جاؤ۔" کھٹول کہہ رہا تھا "میں پیشاب کرکے ابھی پہنچتا ہوں۔"

"نہیں۔" اول خان نے اسے روک لیا "ہمارے ساتھ چلو۔ کمرے کے باتھ روم میں بھی تم پیشاب کرسکتے ہو۔"

"یہ پرانی وضع کا گھر ہے۔ یہاں کسی کمرے کے ساتھ باتھ روم نہیں ہے۔ میں....."

اول خان نے اس کی بات کاٹ دی "پھر میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ تلاشی ختم ہونے تک تمہیں ہمارے ساتھ ساتھ رہنا ہے۔"

کھٹول نے مجروح اور متاسفانہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اتنی بے اعتباری نہ دکھاؤ۔ میں عزت اور حیثیت والا آدمی ہوں۔ تمہیں اپنے گھر میں لے آیا ہوں' باہر تمہارے سپاہی پھیلے ہوئے ہیں۔ میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا اور کیوں جاؤں گا؟"

کھٹول کا وہ داؤ چل گیا' مجسٹریٹ کا دل پسیج گیا۔ اس نے اول خان کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

"بس پانچ منٹ میں اپنے کمرے میں پہنچو۔" اول خان نے اسے تنبیہہ کی۔

"ابھی آیا۔" یہ کہہ کر کھٹول تیزی سے ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

منشی کے ساتھ وہ چاروں کھٹول کے گول کمرے میں داخل ہوئے تو اس کی آرائش دیکھ کر حیران رہ گئے۔ باہر سے اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس مکان میں کوئی اس قدر خوب صورت کمرا بھی ہوگا۔ کمرے کی سپاٹ دیواروں میں کہیں بھی ملحق باتھ روم کا دروازہ نہیں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ان کے پیچھے پیچھے باہر سے دونوں انسپکٹرز بھی وہیں آگئے۔ انہیں شروع سے منزلِ مقصود کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا لیکن یہ معلوم تھا کہ وہاں پہنچ کر انہیں خانہ تلاشی کا کام سرانجام دینا ہے۔

اول خان کے ساتھ ان دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کردیا۔ آئی جی کھٹول کی واپسی کے انتظار میں وزنی آہنی تجوری کے قریب جا کھڑا ہوا۔

اچانک ایک انسپکٹر نے مسہری کے نیچے سے پھول دار ریشمین کپڑے کی ایک وزنی اور بڑی سی پوٹلی کھینچ کر نکال لی۔

"یہ زیور معلوم ہوتے ہیں۔" انسپکٹر نے پوٹلی کے وزن سے اندازہ لگا کر رائے ظاہر کی اور پھر مسہری پر رکھ کر اس کی گانٹھیں کھول دیں۔

پوٹلی کھلتے ہی سب کے دہانوں سے بے ساختہ تحیر زدہ آوازیں آزاد ہوگئیں۔ ان کے سامنے بے ترتیبی سے جمع کیے ہوئے متعدد طلائی زیورات کا ڈھیر موجود تھا۔ اس میں بہت سی بیش قیمت مردانہ اور زنانہ گھڑیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ اپنی ہیئت اور ترکیب کے اعتبار سے وہ سب مالِ مسروقہ نظر آرہا تھا۔

اول خان نے اس ڈھیر کو ہاتھ لگائے بغیر پھول دار کپڑے کو بستر پر پھیلا کر اس کے کناروں کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کردیا۔

"یہ چوری کا مال ہے۔ حیرت ہے کہ اسے اتنی بے پروائی سے رکھا گیا ہے۔" آئی جی نے جھک کر ان قیمتی زیورات کا جائزہ لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"یہ سو فیصد پچھلی رات کے جمع کیے ہوئے زیورات ہیں۔" اول خان نے اپنے معائنے سے فارغ ہو کر اعلان کیا "اس میز پوش کے ایک کنارے پر اس کمپنی کا نام چھپا ہوا ہے جس نے کل رات یہاں کی پارٹی میں کیٹرنگ کا کام کیا تھا۔"

"کھٹول اونچا ڈاکو ہے۔" مجسٹریٹ نے رائے زنی کی "یہ بات اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوگی کہ پولیس پارٹی اتنی جلدی اس کے سر پر سوار ہو جائے گی۔ اسے شک بھی ہو جاتا تو وہ یہ مال اتنی بے پروائی سے مسہری کے نیچے نہ ڈالتا۔"

"اسی لیے وہ ہمیں اپنے کمرے سے دور رکھنے کی کوششیں کررہا تھا!" آئی جی خوش تھا۔ مال برآمد ہونے پر اسے اپنی سرخ روئی کا سامان نظر آنے لگا تھا ورنہ ہوم آفس کے حکم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسے پورا یقین تھا کہ تلاشی بے سود ثابت ہوگی اور پھر کھٹول اس کی نوکری کے ساتھ اس کی جان کا بھی دشمن ہو جائے گا۔ اس نے یہ باتیں واپسی پر خود اول خان کو بتائی تھیں۔

"اوبڈھے!" ایک انسپکٹر نے منشی کا کالر کھینچ کر غصے سے پوچھا۔ "یہ تیرے سیٹھ نے کیا رکھا ہوا ہے؟"

"بھگوان جانے!" منشی نے چھت کی طرف انگلی اٹھا کے بے بسی سے کہا "میں رات کو جلدی سو جاتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ رات کو یہاں کیا ہوا تھا اور یہ زیور کہاں سے آئے ہیں۔"

"ان زیورات اور گھڑیوں کا مشیر نامہ بنالو۔" آئی جی نے کہا۔ "اس میں خاصا وقت لگ جائے گا۔"

"بہت دیر ہوگئی۔ کھٹول ابھی تک نہیں آیا۔" اول خان نے چونک کر سب کو یاد دلایا۔

افراتفری پھیل گئی۔ ڈکیتی کے مال کی بازیابی کی ساری خوشی بدحواسی میں تبدیل ہوگئی۔ باہر سے بلا کر متعدد سپاہیوں کو کھٹول کی تلاش پر لگا دیا گیا لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل سکا۔

اول خان نے ڈنکے کی چوٹ پر سب کے سامنے کہہ دیا کہ وہ کھٹول کو موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا مگر علاقہ مجسٹریٹ کے ایما پر اس نے ملزم کو مہلت دی تھی۔ مجسٹریٹ شرمسار ہو کر خاموشی سے زیورات وغیرہ کی فہرست بنانے میں مصروف تھا۔

طویل بھاگ دوڑ اور چھان بین کے بعد پتا چلا کہ کھٹول کے گیراجوں کی عقبی دیواروں کے ساتھ کچے پکے مکانات کے تسلسل کی وجہ سے گھر کا محاصرہ مکمل نہیں ہوسکا تھا۔ کھٹول ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ اسے علم رہا ہوگا کہ پولیس اس طرف نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ پیشاب کے بہانے گیراجوں کی چھت پر چڑھ کر اسی طرف سے فرار ہوچکا تھا۔

وہ نظریہ قائم کرنے کے بعد اس طرف واقع کچی آبادی کے مکینوں سے ذرا سختی سے پوچھ گچھ کی گئی تو کئی افراد نے بتایا کہ انہوں نے ایک معقول آدمی کو مکانوں کی چھت سے کود کر بدحواسی کے عالم میں ریلوے لائن کے پار بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ کھٹول کے نام سے واقف تھے لیکن اسے پہچانتے نہیں تھے۔

کھٹول کے فرار نے سب کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ سب سے زیادہ کوفت اول خان کو تھی کہ اس نے مجسٹریٹ کے اشارے پر اپنے شکار کو کیوں ڈھیل دی تھی۔

ضابطے کی کارروائی مکمل کرکے زیورات اور گھڑیوں کی پوٹلی تحویل میں لے لی گئی۔ کمرے میں موجود دلالہ شراب کی درجنوں بوتلوں کو جس کا تو چھوڑ دیا گیا۔ تجوری کی تلاشی باقی تھی اس لیے کھٹول کی خواب گاہ کو باضابطہ سیل کرکے منشی کو اس کا ذمے دار مقرر کردیا گیا۔

قارئین متوجہ ہوں

قرآنِ حکیم کی مقدس آیات و احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات و احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیے۔

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان اس بندوبست سے مطمئن نہیں تھا۔ اس کی دانست میں منشی جیسا ادنیٰ ملازم کھٹمول کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ جب چاہتا، گھر آکر اپنے کمرے کی سیل توڑ سکتا تھا۔ آئی جی نے علاقہ مجسٹریٹ کے مشورے سے ایک سپاہی کو گول کمرے کے دروازے پر عارضی طور پر مامور کردیا اور وہ کارواں وہاں سے پولیس ہیڈ کوارٹرز کے لیے روانہ ہوگیا۔

کھٹمول راجوانی جیسے نامی گرامی اور بارسوخ شخص کی خواب گاہ سے لوٹے ہوئے زیورات کی بازیابی کی خوشی اور سنسنی، مجرم کے ہاتھوں سے نکل جانے کی وجہ سے ہر ایک کے لیے بے کیف ہو کر رہ گئی تھی۔

اول خان نے پولیس ہیڈ کوارٹرز سے اپنی گاڑی میں واپس لوٹتے ہوئے راستے میں اپنے بڑوں پر فون کے ذریعے واضح کردیا تھا کہ اس کھیل میں وہ مجسٹریٹ کے کردار سے مطمئن نہیں تھا۔ اسی بوتھ سے فون کرکے اس نے مجھے اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔

○☆○

اس کی کہانی سن کر میں افسردہ ہوگیا "سب کچھ ہو کر بھی کچھ نہیں ہوا۔ یوں سمجھو کہ کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی کو نکال کر تم نے خود پانی میں اچھال دیا۔"

"حماقت آدمی سے ہی ہوتی ہے۔ میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں۔"

"میں نے خود دیکھا تھا۔ مجسٹریٹ نے بہت وقار اور متانت سے اول خان کو نرمی برتنے کا اشارہ کیا تھا۔" سلطان شاہ نے اس کی وکالت کی "سب کی عقلوں پر پردے سے پڑ گئے تھے۔"

"وہ کوئی بے حیثیت شخص نہیں ہے۔" میں نے اپنے حلق میں تلخی سی محسوس کرتے ہوئے کہا "کب تک بھاگے گا اور بھاگ کر کہاں جائے گا۔"

"یہی کہہ کر اس نے مجھے دھوکا دیا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی لیکن دیکھ لو کہ وہ بھاگ گیا اور ہم اس کے پیچھے کفِ افسوس مل رہے ہیں۔"

"اب مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ ایس ڈی ایم اسی کا آدمی تھا اور اس نے کھٹمول کو بھاگ جانے کا موقع فراہم کیا ہے۔" سلطان شاہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"احمقانہ باتیں مت کیا کرو۔" میں نے منہ بنا کر کہا "ان دونوں کی ملی بھگت ہوتی تو کھٹمول تمہارے پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہوچکا ہوتا۔ تمہیں اس علاقے میں اس کا سایہ تک نہ ملتا۔"

"اس کی بات قابلِ غور ہے۔" اول خان نے مجھے متوجہ کیا۔ "ایس ڈی ایم اپنے علاقے میں خود مختار ہوتا ہے لیکن انتظامی طور پر آئی جی کا عہدہ زیادہ بڑا ہے۔ اسے یہ تو معلوم تھا کہ کارروائی اس کے علاقے میں ہوگی۔ کس کے گھر ہوگی؟ یہ بات اسے اس وقت بتائی گئی جب فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔"

"اسے رابطے کا موقع ہی نہیں ملا۔ تم اس پر شبہ کیوں کر رہے ہو؟" میں نے سلطان شاہ سے پوچھا۔

"وہ شروع سے آخر تک کھٹمول سے نظریں چرا رہا تھا۔ وارنٹ دیتے ہوئے بس ایک بار وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ اس نے وارنٹ بھی واپس نہیں لیا تھا۔"

"کھٹمول وارنٹ سمیت بھاگا ہے تو اب وہ اسلام آباد کا ہی رخ کرے گا۔" میں نے مضطربانہ لہجے میں کہا "اس کے پاس تحریری ثبوت موجود ہے کہ کس کے حکم پر یہ کارروائی ہوئی ہے۔"

"اسے اتنی جلدی پرواز نہیں مل سکے گی۔ ہمیں فوراً ائر پورٹ پہنچ جانا چاہیے۔"

"چور کے پاؤں نہیں ہوتے اور پھر وہ احمق بھی نہیں ہے۔ کراچی ائر پورٹ پر ائرلائنز کے عملے سمیت بہت سے لوگ اسے جانتے ہوں گے۔ اسے خوف ہوگا کہ وہ ادھر گیا تو دھر لیا جائے گا۔"

"آخری ٹرین بھی دیکھی جاسکتی ہے۔" اول خان نے تجویز پیش کی۔

"وہ کراچی میں بھیڑ بھاڑ سے دور رہنے کی کوشش کرے گا۔ ہر جگہ اسے پہچانے جانے کا خوف لاحق رہے گا۔ اس کے لیے حیدر آباد سب سے بہتر اور کراچی سے قریب ترین ٹھکانا ہے۔"

"ہر ٹرین وہاں سے ہو کر جاتی ہے۔ بعض پروازیں بھی حیدر آباد میں رکتی ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں۔ ائر پورٹ سے معلوم کرو کہ اس وقت حیدر آباد کے راستے اسلام آباد کے لیے کون سی پرواز جاتی ہے۔"

اول خان فوراً ہی ٹیلی فون کی طرف دوڑ گیا۔ اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہونے کی امید نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔

چھوٹے شہروں میں میسر فضائی سفر کی سہولیات کے بارے میں میری معلومات بہت محدود تھیں لیکن میں اتنا ضرور جانتا تھا کہ ایسی سہولتیں بہت کم تھیں۔ چند منٹ بعد اول خان نے اس کی تائید کردی۔ رات کے وقت حیدر آباد کے راستے اسلام آباد کے لیے کوئی پرواز دستیاب نہیں تھی۔

"وہ انتظار میں وقت برباد کرنے کے بجائے ٹرین میں سفر کو ترجیح دے گا۔" میں نے رائے دی "ہمیں ہر قیمت پر اسے پکڑنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ایک بار وہ اسلام آباد پہنچ گیا تو ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ وہ واپس آکر ہمارے سینوں پر مونگ دلنا شروع کردے گا۔"

"اسلام آباد کو تم اتنی زیادہ اہمیت کیوں دے رہے ہو؟" سلطان شاہ نے چڑ کر پوچھا۔

"تلاشی کا حکم وہیں سے آیا تھا، اس کی واپسی بھی وہیں سے ممکن ہوگی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

سلمٰی نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے ہم تینوں کی گفتگو میں مخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سلام دعا کے بعد اپنے کمرے میں محصور ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ہمارے لیے چائے بھی بنا دی تھی۔ بڑھے ہوئے ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں شدت سے چائے کی ایک اور پیالی کی خواہش محسوس کر رہا تھا۔ میں نے سلمٰی کے دروازے پر دستک دی تو اس نے مجھے اندر بلا لیا۔

دستک دینے سے پہلے شاید وہ اپنے بستر پر دراز تھی۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اسے مسہری کے کنارے پر بیٹھا ہوا پایا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور آنکھوں میں تشویش کے سائے لرزتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو۔" میں نے کھڑے کھڑے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارے پاس وقت ہو تو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فکرمندانہ آواز میں کہا۔

میں کرسی پر بیٹھ گیا "کیا ان دونوں کے آنے سے تمہیں ذہنی کوفت ہوئی ہے۔"

"تمہارے رہتے میں اتنی اکتا گئی ہوں کہ اب انسانوں سے مل کر عجیب سی راحت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ میں مردم بے زار نہیں ہوں۔"

"پھر کیا بات ہے" جلدی سے بتا ڈالو۔ وہ دونوں میرا انتظار کر رہے ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ کن معاملات پر سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے ہو۔ میں نے آتے جاتے ہوئے جو کچھ سنا ہے' اس نے مجھے دہشت زدہ کیا ہوا ہے...."

میں نے ہنس کر اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "وہ سب معمول کی باتیں ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں فکرمند نہیں ہونا چاہیے۔"

"مجھے ماضی کے واقعات بھیانک خوابوں کی طرح ایک ایک کرکے یاد آرہے ہیں۔ ان عذابوں سے خدا خدا کرکے اب پیچھا چھوٹا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ سلسلہ خدانخواستہ دوبارہ شروع ہوجائے۔ اس مرتبہ میں دہشت سے گھٹ کر مرجاؤں گی۔"

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی بات کا برا مانے بغیر آہستہ سے کہا "اب میں کوئی وضاحت نہیں کروں گا۔ تمہارے ذہن میں شبہات سر ابھار رہے ہیں تو یہ سلسلہ یہیں ختم ہوجانا چاہیے۔ مجھے تمہارا سکھ چین ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔"

"تو کیا تم ان معاملات سے اتنی آسانی سے علیحدگی اختیار کرلو گے؟"

"یہ میرے بس سے باہر ہے۔ میرا بال بال اس دلدل میں ڈوبا ہوا ہے۔ تمہیں ان مسائل سے الگ تھلگ رکھنے کے لیے میں

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی سچی کہانیاں

ریٹائرڈ ڈی ایس پی ملک صفدر حیات کی ڈائری

مرزا امجد بیگ کی یادداشتیں

شیطان صفت

سبز قدم

دستِ انتقام

اسیرِ ہوس

قانونی پیچیدگیاں' عدالتی کارروائی کے اہم موڑ و نکات

ایک ریٹائرڈ ڈی ایس پی کی پیشہ ورانہ زندگی کے پے چیدہ کیسوں کی روداد

زن، زر اور زمین کے تنازعوں سے جنم لینے والے مقدمات

جرم و سزا کی وہ کہانیاں جو انسانی حرص و ہوس کا آئینہ ہیں

قیمت فی کتاب ۱۰۰ روپے، ڈاک خرچ ۱۶ روپے۔ چاروں کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۲۳ - رمضان چیمبرز

نزد دفتر اخبار جنگ، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی ۷۴۲۰

Downloaded from https://paksociety.com

اسی وقت یہاں سے اپنا بستر بوریا سمیٹ لیتا ہوں....."

وہ بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی "تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں اپنے ساتھ تمہارے لیے بھی فکر مند ہوں۔ اپنے لیے نہ سہی تو غزالہ کی خاطر تم کو اب یہ مہم جویانہ زندگی ترک کر دینی چاہیے۔" اس کی آواز روہانسی ہو گئی تھی۔

"فوری طور پر یہ سب نہیں ہو سکتا۔ میں برا مانے بغیر پوری ایمان داری سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نے یہاں کا رخ کر کے اول درجے کی خود غرضی کا مظاہرہ کیا ہے۔ میری وجہ سے تم لوگوں کو کوئی گزند پہنچ گئی تو میں زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکوں گا۔" میں کرسی سے اٹھ گیا۔

وہ پھرتی سے میرے سامنے آ کھڑی ہوئی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولی "کبھی کبھی تم ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو جاتے ہو۔ شاید میں نے ہی تمہارے سامنے زبان کھول کر غلطی کی ہے۔ اگر ان کو بھنک بھی مل گئی کہ میں نے تم سے ایسی کوئی بات کی ہے تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔"

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا "فکر نہ کرو۔ میں جہانگیر سے ملے اور اسے قائل کیے بغیر یہ گھر نہیں چھوڑوں گا۔ تم پر آنچ نہیں آئے گی۔"

"تم ان سے بات کرو گے اور نہ یہاں سے جاؤ گے۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا گریبان تھام کر التجا کی۔ "میں اپنے ساتھ تمہیں بھی محفوظ اور بے فکر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ شہر نہیں، موت کا جنگل ہے۔ یہاں ہر طرف موت کے سوداگروں کا راج ہے، وہ گلی کوچوں میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ جو چاہتے ہیں، کر گزرتے ہیں اور کوئی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تم ان سے کب تک لڑو گے؟ وہ تمہیں بھگا بھگا کے تھکا دیں گے اور جب تم بے حال ہو کر گر جاؤ گے تو وہ تمہاری گردن اتار کر تمہیں دوسروں کے لیے عبرت کا نمونہ بنا دیں گے۔ ڈیئی کچھ سوچو۔ میں اسی برے دن سے ڈرتی ہوں اور تمہارے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔" بولتے بولتے اس کی آواز رندھ گئی۔

"میں سوچوں گا۔" یہ کہہ کر میں نے اس کے ہاتھ نرمی سے اپنے گریبان سے الگ کر دیے۔

اس کے کمرے میں جا کر میں اپنی چائے کی فرمائش بھول بیٹھا تھا۔ واپسی پر میرے بوجھل ذہن پر بس ایک ہی سوال مسلط تھا کہ امید انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ زندگی کا آخری لمحہ آ جانے تک وہ امیدوں اور اچھی توقعات سے کنارہ کش نہیں ہوتا تو پھر یہ کیسی ناامیدی تھی جو چپکے چپکے ناسور بن کر دلوں میں اترتی جا رہی تھی؟

جو باتیں غزالہ مجھ سے کہہ چکی تھی وہی سب سلمٰی بھی کہہ رہی تھی۔ دونوں کے الفاظ مختلف تھے مگر مدعا ایک ہی تھا۔ بدی غالب ہے، اس کا مقابلہ کرنے سے باز آ جاؤ، نائب ہو جاؤ۔ موت کے سوداگروں کو کھل کر اپنا کھیل کھیلنے دو۔ تم ان کے آڑے آئے تو وہ تمہاری زندگی کا چراغ بھی گل کر دیں گے!

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے تک میں ناامیدی کے اس غبار کو اپنے ذہن سے جھٹک چکا تھا۔ میرے سامنے کھٹمل کی تازہ ترین مثال موجود تھی۔ وہ دہشت گردوں اور خون آشاموں کے ایک بڑے ٹولے کا سرخیل تھا، زرخیز فضا میں خوب پھل پھول رہا تھا لیکن ہم نے پیش قدمی کر کے آخر کار اسے چوروں کی طرح میدان سے بھاگ نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ڈرائنگ روم میں وہ دونوں خاصے خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کھٹمل کا سراغ لگا لیا ہے۔" میں نے ان کی محفل میں شریک ہوتے ہوئے ہنس کر تبصرہ کیا۔

"تمہاری بجھائی ہوئی راہ پر چل رہے ہیں۔ امید ہے کہ وہ ہمارے جال سے نہیں نکل سکے گا۔" اول خان نے جوابی خوش دلی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا۔

"ذرا مجھے بھی بتا دو کہ میں نے تم کو کون سی راہ بجھائی ہے؟"

"وہ اسلام آباد اور وہاں ہوم آفس پہنچنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ بنیادی مفروضہ تم نے ہمیں فراہم کیا ہے۔ میں نے اسپیشل ٹاسک فورس کے اسلام آباد یونٹ کو اطلاع دے دی ہے۔ کھٹمل وہاں بھی ایک معروف آدمی ہے۔ ان کے لیے اسے پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے۔ وہاں وہ لوگ اس کے استقبال کے لیے تیار رہیں گے، یہاں ہم اس کے پیچھے جا رہے ہیں۔"

"کہاں؟ اس وقت تم لوگوں کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟" سلمٰی اچانک ہی کہیں سے نمودار ہو گئی۔ وہ کسی اوٹ میں کھڑی ہماری گفتگو سن رہی تھی۔

"حیدر آباد۔" اول خان نے احتراماً اپنی جگہ چھوڑ کر جواب دیا۔

"ہرگز نہیں، کوئی کہیں نہیں جائے گا۔" اس نے سرد اور سپاٹ آواز میں کہا "ڈیئی سے میری بات ہو چکی ہے۔ اس نے آج کی رات اس چوکھٹ سے قدم بھی باہر نکالا تو میں خود کو ختم کر لوں گی۔"

اس نے دوپٹے کی آڑ میں چھپا ہوا داہنا ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ننھا سا خوب صورت دستے والا ریوالور دبا ہوا تھا۔ کسی کے کچھ کہنے سننے سے پہلے اس بے وقوف عورت نے پھرتی سے ریوالور کی بے رحم آہنی نال اپنی داہنی کنپٹی پر رکھ لی۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

"سلمیٰ!" میں نے سرد اور بے رحمانہ آواز میں اسے للکارا "حماقت مت کرو اور ریوالور نیچے کرلو۔ یہ دونوں اپنی روانگی کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میرے ساتھ تم ان کو اپنا قیدی نہیں بنا سکتیں۔ یہ میرے مہمان ہیں اور میں ان کی توہین برداشت نہیں کروں گا۔"

اس کی وحشت زدہ آنکھوں میں بے یقینی سی لہرائی۔ اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑدیں "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یہ دونوں تمہیں بھی ساتھ لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ میں۔۔۔"

سلمیٰ کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس وقت اس کی پوری توجہ میری طرف مرکوز تھی۔ وہ اول خان اور سلطان شاہ کی طرف سے غافل ہوچکی تھی۔ اول خان اس کی دھمکی سنتے ہی اصل صورتِ حال کا اندازہ کرچکا تھا۔ اس نے کسی عقاب کی سی پھرتی سے اپنی جگہ چھوڑی اور سلمیٰ کے ہاتھ سے ریوالور جھپٹتا ہوا دور نکل گیا۔

سلمیٰ کے دہانے سے ایک ہلکی سی بے ساختہ آواز نکل کر رہ گئی۔ وہ حیرت، خوف اور بے یقینی سے اپنے اٹھے ہوئے داہنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو خالی ہوچکا تھا۔

"اوہ خدایا!" اول خان چھینے ہوئے ریوالور کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑایا "یہ نہ صرف بھرا ہوا ہے بلکہ اس کا سیفٹی کیچ بھی ہٹا ہوا ہے۔ یہ عورت شاید دیوانی ہوگئی ہے۔"

سلمیٰ نے اس وقت حیرت انگیز جذباتی ردِعمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ خوف اور بے اعتباری کے عالم میں اسے جو کچھ بھی سوجھا، وہ کر گزری تھی۔ اپنی کوشش کی ناکامی پر چند ثانیوں تک وہ حیران و پریشان نظر آئی پھر اس نے پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگادی۔

میں نے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس اپنی جگہ پر کھڑا اسے ترحم آمیز نگاہوں سے غائب ہوتے دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی خواب گاہ میں داخل ہوکر پُرشور آواز سے دروازہ بند کرلیا تھا۔

"جاؤ، جاکر اسے دیکھو۔" اول خان نے میرے قریب آکر دبی دبی اضطراری آواز میں کہا "دروازہ بند کرکے وہ خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

"نہیں!" میں نے افسردگی سے سر ہلا کر کہا "وہ ایک جذباتی ابال تھا جو اپنے کلائمکس پر پہنچنے کے بعد بیٹھ گیا۔ ایک ناکامی کے بعد وہ دوسری کوئی حرکت نہیں کرے گی۔ وہ اب شاید بستر پر گری رو رہی ہوگی۔ اسے تنہا رہ کر اپنے دل کا غبار نکال لینے دو۔"

"ڈینی کو ایسی عورتوں کی نفسیات کا زیادہ علم ہے۔" سلطان شاہ نے میری تائید کرتے ہوئے اول خان سے کہا۔ "اس وقت سلمیٰ کو اس کے حال پر چھوڑنا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔"

"پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟" اول خان نے احتیاط سے ریوالور کا چیمبر خالی کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کس بارے میں؟۔۔۔ میں خالی الذہنی کے عالم میں غیر ارادی طور پر پوچھ بیٹھا۔

اس کا منہ بن گیا۔ "سلمیٰ کی مداخلت سے پہلے ہم کیا بات کررہے تھے؟"

"تم نے اسلام آباد میں اپنے آدمیوں کو الرٹ کرکے بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا ہے مگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ وہ حیدر آباد سے ہاتھ لگ جائے تو یہ معاملہ بالائی سطح پر جانے سے پہلے ہی اس کے گرد جال مضبوط ہوجائے گا۔"

"میں یہاں سے اسی وقت حیدر آباد تک دوڑ لگانے کے لیے تیار ہوں۔"

"چلو! میں بھی تیار ہوں۔" میں نے کسی پس و پیش کے بغیر رضامندی ظاہر کردی۔ مجھے امید تھی کہ تھوڑی دیر میں جہانگیر کی واپسی پر سلمیٰ کا خوف خود بخود کم ہوجائے گا۔

"جانے سے پہلے ریوالور کو گولیوں سمیت کہیں چھپادو۔" اول خان نے مشورہ دیا۔

میں نے اس کے ہاتھ سے ریوالور لیا ہی تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سلطان شاہ نے مشینی انداز میں فون کی طرف بڑھنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے روک دیا اور خود لپک کر فون کا ریسیور اٹھالیا دوسری طرف سے جہانگیر کی تشویش زدہ آواز سنائی دے رہی تھی۔

"ذرا ریسیور جلدی سے ڈینی کو دے دو۔" وہ کہہ رہا تھا۔ شاید اسے گمان ہوا تھا کہ اس وقت وہ سلمیٰ سے مخاطب تھا۔

"میں ڈینی ہی بول رہا ہوں۔" لائن پر سی ایس ڈی کی موجودگی کی وجہ سے میں نے پوری بے خوفی سے اعتراف کرلیا۔ "تم اس وقت ٹھہرائے ہوئے کیوں ہو؟"

"تمہارے قدم رکتے ہی ہر جگہ ستاروں کی چال بگڑ جاتی ہے۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ وہ دونوں باہر میرا انتظار کررہے ہیں۔" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"تم کن دونوں کی بات کررہے ہو؟" میں نے پرسکون رہنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے وہ فقرے سنتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہی میرے ذہن کے کسی گوشے میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔

"دونوں ہی اپنی صورتوں سے چھٹے ہوئے بدمعاش نظر آرہے ہیں اور اپنی کھٹارا گاڑی میں باہر بیٹھے ہوئے میری دکان بند ہونے کا انتظار کررہے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ ان میں سے ایک کالو مکرانی ہے جو موسیٰ لین کے کئی اڈوں سے ہیروئن سپلائی کرتا تھا۔"

"تم وقت برباد کررہے ہو۔" میں نے بدمزگی سے کہا۔

"وہ تم سے کیسے ٹکرا گئے؟ تم ان سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہو؟ ہوسکتا ہے کہ وہ اتفاقاً وہاں آنکلے ہوں۔"

"یہ سب اسی مردود نسیم کا کیا دھرا ہے۔" اس نے کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ذرا ٹھہرو اور یہ بتاؤ کہ نسیم کون ہے۔ کیا میں اس شخص کو جانتا ہوں۔"

"شخص نہیں' یہ وہی آفت کی پرکالہ ہے جو کئی ہفتوں سے آدھی قیمت پر دوائیں لے جارہی ہے۔" اس نے زور دے کر نیچی آواز میں کہا۔ اس بار میں نے اسے ٹوکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور وہ بولتا رہا۔ "آج میری عقل پر پردہ پڑ گیا اور میں نے تمہارا دعویٰ آزمانے کے لئے اپنا دل کڑا کرکے اس سے دواؤں کی پوری قیمت مانگ لی۔ اس نے حیرت سے قیمت میں زیادتی کی شکایت کی تو میں نے اسے ڈبوں پر لکھے ہوئے دام دکھادیئے۔ اس کے پاس پیسے کم تھے۔ وہ رقم پوری کرنے کا عذر کرکے دوائیں لئے بغیر چلی گئی۔ اب سے ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے وہ ان دونوں مسٹنڈوں کے ساتھ واپس آئی اور شور مچانے لگی کہ تھوڑی دیر پہلے وہ اکیلی دکان پر آئی تھی تو میں نے اس سے چھیڑ چھاڑ کی تھی۔۔۔"

"سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا کہا تھا؟" میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "تم اسے اپنا حالِ دل سنانے کے لئے پہلے ہی مرے جارہے تھے۔"

"میں ہر قسم کھانے کے لئے تیار ہوں' مجھے اگلی گھڑی نصیب نہ ہو اگر میں جھوٹ بولوں۔ میں نے اس حرافہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ میرے اوپر جھوٹا الزام لگا رہی تھی۔"

"چلو مان لیا۔۔۔ پھر کیا ہوا؟" میں نے بات مختصر کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے دونوں حمایتی غنڈے لڑنے مرنے کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے دکان میں غل غپاڑہ مچانا شروع کردیا۔ میرے گاہک دم دبا کر بھاگ گئے۔ میں نے ان کی دھمکی کی پرواہ نہیں کی۔ یہ مجبوری کرکے انہیں ٹھنڈا کیا۔ کالو مکرانی کو میں نے اسی وقت پہچان لیا تھا مگر میں اس سے انجان بنا رہا۔ وہ تینوں غنڈا گردی کرکے پیسے اینٹھنے آئے تھے۔ اپنی عورت کی بے عزتی کا سودا کرنے پر آگئے۔ میں نے پانچ ہزار دے کر اپنی جان چھڑائی۔ اس وقت نسیم کسی منحوس چڑیل جیسی نظر آرہی تھی۔"

"جب پیسے دے کر معاملہ رفع دفع ہوگیا تو اب وہ باہر کیا کررہے ہیں؟"

"مجھے یہی پریشانی ہے۔ اس وقت وہ تینوں چلے گئے تھے۔ اب آدھے گھنٹے سے گاڑی سڑک کے کنارے لگائے سگریٹ پر سگریٹ پھونکے جارہے ہیں۔ اس مرتبہ نسیم ان کے ساتھ نہیں ہے۔"

"ایک زمانے میں موسیٰ لین اور لیاری کے دوسرے علاقوں میں تمہارا کافی آنا جانا رہتا تھا۔ ایسا تو نہیں کہ کالو مکرانی نے بھی تمہیں پہچان لیا ہو؟" میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے ایک وسوسے کے تحت ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

"شاید پہچان لیا ہو مگر اس نے کچھ بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ شی والے دنوں میں وہ مجھ سے بارہا مل چکا تھا۔ جب میں نے اسے پہچان لیا تو وہ بھی مجھے پہچان سکتا تھا۔"

"تم اپنی دکان میں ہی ٹھہرو۔" میں نے بلا تامل اسے مشورہ دیا۔ "میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ میری جھلک دیکھتے ہی تم دکان بند کرکے چل دینا۔ انہوں نے تمہارا پیچھا کرنے یا تمہیں ہراساں کرنے کی کوئی کوشش کی تو میں ان کی گردنیں توڑ دوں گا۔ یہ خطرناک چکر معلوم ہورہا ہے۔"

"ذرا مجھے بھی تو بتا دو کہ یہ کیا چکر ہوسکتا ہے۔" اس نے مطالبہ کیا لیکن میں نے اس پر کان دھرے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

میں گفتگو سے فارغ ہوکر مڑا تو سلمیٰ بھی اپنے کمرے سے باہر کھڑی میری طرف متوجہ تھی۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور نظروں سے خفگی جھلک رہی تھی۔

"تم دونوں فوراً حیدر آباد کے لئے روانہ ہوجاؤ۔" میں نے اول خان اور سلطان شاہ سے کہا۔ "میرے لئے یہاں ایک اہم کام نکل آیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکوں گا۔"

اس دوران میں سلمیٰ بھی میرے قریب آگئی تھی۔ اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "کس کا فون تھا؟"

"جہانگیر ایک مشکل سے دوچار ہوگیا ہے۔ میں تمہاری [illegible] کی دعائیں کرتا رہا ہوں۔ یہ مجبوری

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ اس وقت میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کرنا۔"

"کیا اس مشکل کا تعلق تمہاری یہاں آمد سے ہے؟" سلمٰی جرح کے موڈ میں تھی۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے پرزور لہجے میں تردید کی۔ "یہ سو فیصد اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ میں نہ آتا تب بھی وہ اس مشکل میں گرفتار ہو جاتا۔ یہ غنیمت ہے کہ میں یہاں موجود ہوں۔"

"تم واقعی ان کی طرف جا رہے ہو یا مجھے چکر دے کر حیدر آباد کی طرف نکلنا چاہ رہے ہو؟"

میں بے ساختہ انداز میں ہنس پڑا۔ "فون کی گھنٹی کے بعد اگر تم نے میرے چند فقرے بھی سنے ہوں تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ تم کس قدر احمقانہ سوال پوچھ رہی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ بے چین ہو کر دوبارہ فون کر بیٹھے۔"

"اور وہ مشکل کیا ہے؟" اس بار سوال سلطان شاہ کی طرف سے آیا تھا۔

میں قہربار نظروں سے اسے گھور کر رہ گیا اور دانت پیس کر بتایا۔ "اسے شبہ ہے کہ دو آدمی ڈکیتی کی نیت سے اس کی دکان کے آس پاس منڈلا رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اول خان نے دخل انداز ہو کر بات ختم کردی۔ "ہم حیدر آباد جا رہے ہیں۔ تم اسے دیکھو۔ میرے دو آدمی اس وقت بھی نیچے موجود ہیں۔ چاہو تو اپریٹس پر رابطہ کر کے کسی ایک کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ دو سر یہاں کی دیکھ بھال کرتا رہے گا۔"

معاملے دونوں ہی اہم تھے اور فوری توجہ کے متقاضی بھی۔ اول خان، سلطان شاہ کو اپنے ساتھ لے کر فلیٹ سے نکل گیا۔ اس دوران میں سلمٰی مسلسل ہم تینوں کو اشتباہ آمیز نظروں سے گھورتی رہی تھی۔

ان دونوں کے چلے جانے کے بعد میں نے اپریٹس پر ایس ٹی ایف کے کسی آدمی سے رابطہ کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اس وقت میرے ذہن میں تکلیف دہ خیالات اور تصورات کا ایک سلسلہ چل نکلا تھا جس کا تعلق جہانگیر کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے تھا۔

جہانگیر سے میری دوستی بہت پرانی تھی۔ ہم جب بھی ایک دوسرے سے ملتے تھے، وہ نہایت بے تکلفی سے دل کھول کر ساری اگلی پچھلی باتیں لے بیٹھتا تھا۔ حد یہ تھی کہ اس کی خانگی زندگی کے بہت سے نجی پہلو بھی میرے علم میں تھے۔ اس پس منظر میں جب اس نے پچھلی رات اپنی دکان پر آنے والی خوبصورت عورت کا ذکر چھیڑا تو میں اسے جہانگیر کی معمول کی لاف و گزاف ہی سمجھا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ آنے والے چوبیس گھنٹوں میں وہ مکار اور لالچی عورت کوئی اہم حیثیت حاصل کرلے گی۔

جہانگیر نے ذرا سی دیر پہلے فون پر جو کچھ بتایا تھا، اس کی روشنی میں یہ بات ہر شک و شبے سے بالا ہو چکی تھی کہ وہ عورت اسے ہوس پرست اسامی سمجھ کر پچھلے دنوں تسلسل کے ساتھ اس کی دکان پر آتی رہی تھی۔ میرے ایما پر جہانگیر نے جونہی اس سے قیمتی دواؤں کا پورا بل طلب کیا، وہ بھڑک گئی اور اس نے شاید اپنے معمول کے طریقۂ واردات کے مطابق اپنے دو ناپسندیدہ ساتھیوں کے ساتھ مل کر جہانگیر سے یک مشت ایک قابلِ ذکر رقم اینٹھنے کی کامیاب کوشش کر ڈالی۔

یہ جہانگیر کی بدقسمتی تھی کہ نسیم نامی اس لفنگی کے ساتھیوں میں کالو مکرانی بھی شامل تھا۔ جس طرح جہانگیر نے اسے پہچان لیا تھا، اس طرح مجھے پورا یقین تھا کہ کالو نے بھی پہلی نظر میں اسے پہچان لیا ہوگا مگر اس نے شناسائی کا اظہار کر کے اپنے ڈرامے میں کوئی جھول نہیں آنے دیا۔

جب ہم لوگ شی کی پشت پناہی میں شہر کے گلی کوچوں میں ہیروئن کو فروغ دے رہے تھے تو جہانگیر ایک اہم اور ذمے دار آدمی ہوا کرتا تھا، جس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کو پسینے چھوٹ جایا کرتے تھے۔ اس کے برعکس کالو مکرانی ایک ممتاز مگر عام سا کارندہ تھا جو نچلی سطح پر پرچون فروشوں کو ہیروئن پہنچا کر موٹی رقمیں بٹورا کرتا تھا۔

اگر کالو اس حوالے سے جہانگیر کو پہچان لینے کا اظہار کرتا تو اخلاقی طور پر اسے منکسرالمزاجی کا مظاہرہ کرنا پڑتا اور شاید ان تینوں کو جہانگیر کی دکان سے خالی ہاتھ ہی لوٹ جانا پڑتا۔ وہ مکاری کے ساتھ انجان بن کر اپنے پرانے باس پر الزام تراشی کرتا رہا اور آخر کار پانچ ہزار روپے ہتھیانے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ اس واردات کا پہلا ایکٹ تھا۔ شاید دکان سے نکل جانے کے بعد کالو مکرانی نے فخر کے ساتھ اپنے دونوں ساتھیوں کو بتایا ہوگا اس واردات میں اس نے اپنے ایک پرانے مالک کو کامیابی سے ٹھگ لیا تھا۔ اسی ترنگ میں اس نے اپنے اور جہانگیر کے پرانے روابط پر بھی روشنی ڈالی ہوگی اور وہیں سے ایک سنگین بگاڑ کی صورت پیدا ہوتی چلی گئی۔

کراچی کی زیرِ زمین دنیا سے وابستہ لوگوں کے لئے یہ بات کبھی بھی راز نہیں رہی تھی کہ مقامی طور پر شی اور ہیروئن کے فروغ کے دھندے کی سربراہی کون لوگ کر رہے تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com